ملّتِ اسلامیہ

علی نواز میمن

انجمن ترقی اردو پاکستان

Marfat.com

216948
DATA ENTERED

ملّتِ اسلامیہ

نئے عالمی نظام میں مسلمانوں کی حیثیت اور مستقبل

مصنف
علی نواز میمن
مترجم
صفوت قدوائی

انجمن ترقی اردو پاکستان
ڈی۔۱۵۹، بلاک ۷، گلشن اقبال،
کراچی۔۷۵۳۰۰

Marfat.com

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو پاکستان ۵۶۰
ISBN-969-405-067-6

۲۹۷۶۹۰۹
۹۲۲ع
۱۱۷۳۹۷
علی نواز جمیل

سالِ اشاعت: ۲۰۰۱ء
تعداد: پانچ سو
قیمت: ۲۵۰/-
مطبع: احمد برادرز،
ناظم آباد، کراچی۔

(دیگر سرکاری امداد یافتہ اداروں کی طرح
انجمن ترقی اردو پاکستان کو بھی اشاعت کتب کے لیے
اکادمی ادبیات پاکستان کے توسط سے امداد ملتی ہے)

Marfat.com

انتساب

دادا، نانا، حاجی ولی محمد اور مولوی رحمت اللہ کے نام جنھوں نے مجھے اسلام سے متعارف کرایا، والد محترم ابوالفتح کے نام جنھوں نے مجھے مسلم یکجہتی کی ضرورت کا احساس دلایا، والدہ محترمہ عائشہ اہلیہ رضیہ اور ہمشیرہ نجمہ کے نام جنھوں نے مجھ میں مسلم خواتین کو درپیش مسائل کا احساس پیدا کیا۔ چچا نظام الدین کے نام جنھوں نے مجھ میں انسان دوستی اور اس حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کیا اور اپنے بچوں کامران، سعدیہ، ریشماں، عامر اور نعمان کے نام جو اس دنیا کو انشااللہ ایک بہتر دنیا بنانے میں مدد دیں گے۔

Marfat.com

The Islamic Nation
Status & Future of Muslims in the New World Order

Ali Nawaz Memon

Copyright (c) 1995 by Ali Nawaz Memon

All Rights Reserved. No part of this book may be reproduced, stored in a retrieval system, or transmitted, in any form or by any means, electronic, mechanical, photocopying, recording, or otherwise, without the written permission of the author.

Library of Congress Cataloging-in-Publication Data

Memon, Ali Nawaz, 1941-
The Islamic nation : status & future of Muslims in the new world order / Ali Nawaz Memon.
p. cm.
Includes bibliographical references (p.) and index.
ISBN 0-9627854-7-4 (pbk.)
1. Islam—20th century. 2. Islamic countries. I. Title.
BP163.M45 1995
909'.0976710829—dc20

95-6017
CIP

Printed in the United States of America
by International Graphics
10710 Tucker Street, Beltsville, Maryland 20705-2223
Tel. (301) 595-5999 - Fax (301) 595-5888

Marfat.com

منڈرجات

حرفِ چند ۱۵

تعارف ۱۷

۱۔ تاریخی پس منظر ۲۳

(الف) تعریف ۲۳

اللہ؛ مسلم؛ مسلم ممالک؛ ترقی؛ نیا عالمی نظام؛ مغرب؛ شرکت؛ ملت اسلامیہ۔

(ب) مختصر تاریخ ۲۶

۱۷۵۰ء سے جنگ عظیم اول تک؛ جنگ عظیم اول اور دوئم کا درمیانی عرصہ؛ جنگ عظیم دوئم؛ جنگ عظیم دوئم کے بعد۔

(ج) مقاصد ۳۰

مربوط ترقی؛ روحانی ترقی؛ اقتصادی ترقی؛ سیاسی ترقی؛ فوجی ترقی؛ نئے عالمی نظام میں شرکت۔

(د) قرآنی احکامات ۳۴

۲۔ مسلم ممالک کی عمومی کیفیت ۳۵

(الف) موجودہ اقتصادی حالات ۳۵

آبادی؛ فی کس آمدنی؛ قوت خرید؛ مجموعی قومی پیداوار؛ پسماندگی، بچوں کی شرح اموات؛ شرحِ نمو؛ افراط زر؛ زرعی پیداوار؛ صنعتی پیداوار؛ بیرونی قرضے اور سود کی ادائیگی۔

(ب) موجودہ سیاسی حالات ۵۰

اقسام حکومت؛ محدود جمہوریت؛ اسلامی جمہوریت۔

(ج) موجودہ روحانی حالات ۵۹

مذہبی اختلافات؛ عقیدہ بمقابلہ رواج؛ قرآن؛ یوم حساب۔

Marfat.com

(د) موجودہ فوجی صورتحال ۶۱
فوجی افرادی قوت؛ فوجی ساز و سامان؛ حوصلہ؛ بیرونی ٹکنالوجی پر انحصار؛ فوجی مقاصد۔
۳۔ مسلمانوں کی قوت ۶۷
قرآن؛ اخوت؛ عبادات کی زبان؛ حج؛ یوم حساب پر یقین؛ نماز اور روزہ کے فوائد؛ کثیر آبادی؛ تنوع؛ وسیع زمین اور قدرتی وسائل؛ کثیر مالی وسائل؛ قابل ذکر صنعتی اساس؛ تربیت یافتہ افرادی قوت؛ ابلاغ کا تجربہ اور حکمت عملی؛ اخلاقی ساخت؛ مضبوط جمیعتی احساس؛ مسلم قوم کی وحدت پر یقین؛ اچھی حکمرانی کے اصول؛ خلاصہ۔
۴۔ مسلمانوں کو درپیش روحانی مسائل ۷۹
ثقافتی اختلافات، اسلامی تعلیمات کی مختلف تشریحات؛ مذہبی قیادت کا فقدان؛ مذہبی رہنماؤں کی پست تعلیمی سطح؛ اسلامی قوانین پر ناقص اور ناکافی عمل؛ عربی سمجھنے میں دشواری؛ ناجائز اثرات قبول کرنے اور جوڑ توڑ میں بہ آسانی ملوث ہو جانے کی خاصیت؛ بدعنوانی میں بہ آسانی ملوث ہو جانا؛ مہمان کارکنوں سے خراب برتاؤ؛ خواتین کا محدود کردار، اصلاحِ ذات کی ضرورت؛ مغربی طرز زندگی کی جانب رغبت؛ مذہب کو اس سے زائد دشوار بنا دینا جتنا وہ ہے، غیر مسلم اقلیتیں؛ مسلمانوں میں شادی کا طریقہ؛ مسلمانوں کی وضع قطع؛ خورد و نوش؛ ایک دوسرے کے خلاف تشدد؛ مسلمانوں کے مابین تاریخی غلط فہمیاں؛ برسر اقتدار حکومتوں کے ذاتی مفادات، تنازعہ طے کرانے کے اصول؛ حاصل کلام۔
۵۔ اقتصادی مسائل ۱۰۵
(الف) تقابلی نظام ہائے معیشت ۱۰۵
سرمایہ داری؛ اشتمالیت (کمیونزم)؛ اشتمالیت بمقابلہ اشتراکیت (سوشلزم)؛ مسیحی معاشی طرز فکر؛ مسلم معاشی طرز فکر۔
(ب) غربت؛ ۱۱۱
کم فی کس آمدنی؛ غربت کی تخفیف؛ بھوک سے نجات؛ بھوک کے عالمگیر مسئلے

Marfat.com

پر قابو پانے کے بارے میں کانفرنس؛ وسائل کی ناقص تقسیم۔
(ج) معاشی نظم وضبط ۱۱۷
عدم مرکزیت کی ضرورت؛ ناخواندہ اور ناقص تربیت یافتہ افرادی قوت کی کثیر تعداد؛ وسیع پیمانے پر بے روزگاری؛ بدعنوانی؛ معاشی اور کاروباری سرگرمیوں سے خواتین کا اخراج، خاندانی معیشت کی غیر یقینی کیفیت، بہتر طبی سہولتوں کی ضرورت؛ وسائل کا غلط استعمال؛ غیر ملکی امداد پر انحصار؛ زکوٰۃ کی ادائیگی؛ سود کی ادائیگی کے بغیر وسائل کی فراہمی؛ پانی کی قلت اور آبی وسائل کے انتظام کا فقدان؛ خلاصہ۔
۶۔ فوجی مسائل ۱۳۷
(الف) مسلمانوں کے فوجی خدشات ۱۳۷
ایک جائز اور اخلاقی مقصد؛ غیر مسلم اقوام کی فوجی برتری؛ مسلمانوں کی ممکنہ قوت، ایک خدشہ؛ قیادت کی دانش مندی، جرأت مندی اور اخلاص، موزوں وقت کا تعین؛ دستوں کی نفری، تنظیم اور نظم وضبط؛ حالیہ دور میں مسلم افواج کی کارکردگی؛ بھاری اخراجات؛ پیشہ ورانہ اوصاف؛ ایٹمی ہتھیار اور ٹکنالوجی؛ پاکستان کی الجھن؛ اسلحے کی خرید وفروخت۔
(ب) کچھ تجربات ۱۴۸
ماضی کی جنگوں کے تجربات؛ مسلمانوں کے لیے نصیحت؛ صلح حدیبیہ کی ضرورت۔
۷۔ سیاسی مسائل ۱۵۳
(الف) حکومتوں کی بے اعتباری ۱۵۳
معتبر قیادت کا فقدان؛ بادشاہ معصوم عن الخطا ہے؛ پریس کی محدود آزادی؛ قیادت کی ضروریات۔
(ب) تصادم ۱۵۹
متعدد لڑائیوں کے فریق؛ عربوں میں پھوٹ؛ اسلامی حکومت کی تعریف پر

Marfat.com

اختلاف؛ مسیحی حکومت کا تجربہ۔

(ج) وطن میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ۱۶۵

بدعنوان پولس اور کمزور عدلیہ؛ انسانی حقوق کے تحفظ کی ضرورت۔

(د) خارجی مسائل ۱۶۷

مغرب میں مسلمانوں کا خوف؛ صورت کا مسئلہ؛ دجال اور ذرائع ابلاغ؛ عرب اسرائیلی تنازعہ کے اثرات۔

(ہ) کیا کمزوریاں صرف مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص ہیں؟ ۱۷۱

۸۔ غیر مسلموں سے تعلقات ۱۷۳

موحدانہ مذاہب؛ مذاہب کی مشترکہ خصوصیات؛ غیر مسلم عالمی طاقتوں کے مذاہب اور اوصاف؛ غیر مسلموں سے تعلقات کے بارے میں اسلامی طرز فکر؛ اسلام کے بارے میں غیر مسلم طاقتوں کا رویہ؛ غیر مسلم طاقتوں کے ساتھ تعاون؛ دیگر مذاہب کے پیروکاروں سے تعلقات کی بہتری؛ مغرب کے اہم مفادات؛ مسلم ممالک میں غیر مسلموں کا تحفظ؛ بنیاد پرستی بمقابلہ سیاسی مسائل۔

۹۔ نقطہ ہائے نظر کا ارتکاز ۱۸۷

(الف) مغرب کے ساتھ نقطہ ہائے نظر کا ارتکاز۔ ۱۸۷

مغرب کی جانب سے اقدامات کی حمایت؛ اضافی اقدامات کی تائید؛ ملائیشیا کا معاملہ؛ انڈونیشیا کا معاملہ۔

(ب) غیر مسلموں میں موجود اتحادی ۱۹۲

یک رنگ مسائل پر مبنی اتحاد؛ بین الاقوامیت؛ مسیحیت اور یہودیت کے ساتھ مشترکہ میراث؛ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ میراث؛ بدھ مت کے پیروکاروں کے ساتھ مشترکہ خصوصیات؛ اقلیتوں کے ساتھ مشترکہ مفادات؛ چین پر انحصار۔

۱۰۔ مسلمانوں کی پریشانیاں ۱۹۹

Marfat.com

(الف) مسلمانوں کے لیے باعث تشویش اہم معاملات ۲۰۰
امریکہ کی پالیسی؛ طاقت کا عملی مظاہرہ؛ یوگوسلاویہ میں نسل کشی؛ بوسنیا؛ بھارت میں ہندو جماعتیں؛ کشمیر میں جبر؛ بھارت اور پاکستان کے درمیان تعلقات؛ مغربی طاقتوں کے حملے؛ روحانی اندیشے (ترغیبات)؛ خدا کے وجود سے انکار کا چلن؛ مسلم حکومتوں کا لادینی رویہ۔
(ب) غیر مسلم حکومتوں کا مذہب دشمن رویہ ۲۱۰
عیسائیت دشمن رویہ؛ یہودیوں میں یہود دشمنی؛ اسلام دشمن رویہ؛ روس؛ اسلامی طرز حکومت کا خوف۔
۱۱۔ مغرب کی پریشانیاں ۲۱۵
امریکیوں کی پریشانیاں؛ طویل المیعاد پالیسیاں؛ استحکام کو لاحق خطرات؛ طاقت کے استعمال کا اصول؛ تیل کی فراہمی کا تحفظ؛ تیل کی قیمت؛ اسرائیل کی سلامتی؛ شمالی کوریا کا مسئلہ؛ اتلافِ جان کے بغیر عالمی کنٹرول کا حصول؛ قرضہ اور خسارے، بیروزگاری؛ جنگ عظیم اول و دوئم کے متحارب فریقوں میں اتحاد؛ روس؛ جاپان؛ چین؛ جرمنی؛ یورپ میں امریکہ مخالف جذبات؛ برطانیہ میں براعظم (یورپ) کے خلاف جذبات؛ حکومت میں اسلام کا خوف؛ مسلم ممالک کے اتحاد کا خوف؛ غیر مغربی عوام میں تعاون کا خوف؛ خلاصہ۔
۱۲۔ اسلامی حکومتوں کا قیام ۲۳۳
(الف) اسلامی ریاست ۲۳۳
مدینہ کا قابل تقلید نمونہ؛ خلافت؛ اسلامی قیادت کی امتیازی خصوصیات؛ جدید اسلامی ریاست اور جمہوریت۔
(ب) اعلان کردہ اسلامی حکومتوں کا تجربہ ۲۳۸
ایران؛ سعودی عرب؛ پاکستان؛ سوڈان؛ مصر میں بنیاد پرستوں کے خلاف الزامات۔
(ج) حقیقت کی پرکھ ۲۴۵
مثالی نمونہ پر عملدرآمد؛ اسلامی تنوع۔

Marfat.com

۱۳۔ مسلمانوں کا کردار ۲۴۷
(الف) مسلم اکثریتی ملکوں میں مسلمانوں کا کردار ۲۴۷
خانگی اصلاح؛ دعوت اسلام؛ حکومت پر اثر انداز ہونا؛ مسلمانوں کا اتحاد۔
(ب) امریکی مسلمانوں کا کردار ۲۵۲
ابتدائی مسلم تارکین وطن؛ امریکی مسلم برادری؛ نئے وطن سے تطابق؛ امریکی مسلمانوں کی اہمیت؛ امریکی مسلمانوں میں باہمی تعاون؛ حیثیت؛ مسلم نوجوانوں کی ترقی؛ تنظیمی ضروریات؛ امریکہ میں اسلام کا تصور۔
(ج) امریکہ کی کچھ مسلم تنظیمیں ۲۶۲
امریکن مسلم کونسل (اے ایم سی)؛ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (آئی ایس این اے)؛ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (آئی سی این اے)؛ دی شیعہ موومنٹ، دی نیشن آف اسلام؛ امام ڈبلودین محمد؛ مسلم تنظیموں کا رابطہ؛ سیاسی شرکت؛ امریکی سیاسی جماعتوں سے تعلقات؛ بوسنیا ریلی؛ مسلمان سیاست کے مرکزی دھارے میں؛ ریپبلکن اور ڈیموکریٹک پارٹیوں میں سے انتخاب؛ امریکی مسلمانوں کے لیے سیاسی ایجنڈا، امریکی مسلمانوں کی مالی ضروریات۔
(د) یورپی اور دیگر اقلیتی مسلمانوں کا کردار اور باعث تشویش امور ۲۷۴
یورپی مسلم آبادی؛ یورپی تجربہ؛ عمومی تشویش؛ فرانس کا تجربہ؛ جرمن مسلمان؛ کردار؛ دیگر مسلم اقلیتیں
۱۴۔ مسلمانوں کی یکجہتی ۲۸۱
کیا مسلمان واقعی یکجہتی کے خواہاں ہیں؟؛ مسلمان مغرب سے دوستی کو اہمیت دیتے ہیں؛ کیا مسلم ممالک ایک دوسرے کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں؟ کیا مسلمان متحد ہو سکتے ہیں اور مغرب کے قریب تر آ سکتے ہیں؟ مسلم یکجہتی کے لیے اب تک کی کوششیں؛ مسلم ریاستوں کے انضمام کی کوشش؛ اقتصادی تعاون کی تنظیم؛ اسلامی کانفرنس کی تنظیم؛ امن برقرار رکھنے والی فوج؛ مجوزہ مسودہ آئین؛ ابتدائی مراحل؛ درمیانی اقدامات؛ حتمی مسلم یونین۔

Marfat.com

۱۵۔ مسلمانوں کی حالت ۲۹۹

(الف) مسلمانوں کے لیے مثبت واقعات ۲۹۹

گزشتہ ۵۰ سال؛ اقتصادی وجود برقرار رکھنا۔

(ب) منفی واقعات ۳۰۱

ایک سپر طاقت کا زوال؛ مغرب کی جانب رخ؛ مسلمانوں کے مصائب۔

۱۶۔ مستقبل کی جہتیں ۳۰۵

(الف) تغیر پذیر دنیا اور اس کے مضمرات ۳۰۶

روحانی تبدیلیاں؛ مذہب کا مستقبل؛ دنیا میں بدلتے ہوئے اقتصادی تعلقات؛ ایشیا اور سرمایہ کا آزاد تر بہاؤ؛ اقتصادی تبدیلیاں؛ سیاسی تبدیلیاں؛ روس کا مستقبل؛ اقوام متحدہ کا مستقبل؛ مراکز مفکرین کا کردار؛ امریکی مسلمانوں کا ایک جائزہ؛ فوجی تبدیلیاں؛ مستقبل میں ہونے والی جنگوں کے اسباب؛ مفتوحہ علاقوں کا مستقبل؛ مغرب میں رہائش پذیر مسلمانوں پر مرتب ہونے والے اثرات۔

(ب) مشرق وسطیٰ ۳۲۴

پی ایل او، اسرائیل معاہدہ؛ اردن، اسرائیل معاہدہ؛ مشرق وسطیٰ میں مکمل امن؟؛ فلسطین میں حقیقی امن کے ممکنہ اثرات؛ مسلمانوں اور اسرائیلوں کے مابین مشترکہ منصوبے؛ غزہ اور مقبوضہ علاقوں کی ترقی؛ مقبوضہ علاقوں کے آباد کار۔

(ج) دیگر مسلمانوں کے ساتھ مصالحت ۳۲۹

دیگر مقامات کے مسلمانوں پر اس کے اثرات؛ مسلم اتحاد نیز مغرب سے بہتر تعلقات۔

۱۷۔ مسلم نشاۃ ثانیہ ۳۳۳

یورپی نشاۃ ثانیہ؛ اسلامی نشاۃ ثانیہ کی ضرورت۔

Marfat.com

۱۸۔ تدبر اور حکمت عملیاں ۳۳۹

(الف) حکمت عملی کے ساتھ منصوبہ بندی ۳۳۹

مسلم اقوام کے لیے بصیرت کے تقاضے؛ مسلم عوام کے لیے بصیرت کا راستہ؛ حقوق انتخاب اور حکمت عملیاں؛ بقائے باہمی؛ جنگ کا خوف؛ قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایثار؛ انفرادی سطح پر کام۔

(ب) فوجی اور فنی منصوبہ بندی ۳۴۵

فوجی مسائل حل کرنا؛ فوجی توازن کے حصول کی کوشش؛ ٹکنالوجی اور افرادی قوت کی ترقی؛ فوجی اخراجات؛ عام فوجی تربیت؛ آبادی کے مسائل؛ مضبوط متحدہ موقف؛ نئے عالمی نظام میں شرکت کے راستے؛ حکمت عملی اور لائحہ عمل۔

۱۹۔ حتمی نتائج اور سفارشات ۳۵۳

اسلامی ایجنڈا؛ مشکلات؛ حتمی نتائج اور سفارشات۔

(الف) روحانی مسائل ۳۵۶

(ب) فوجی مسائل ۳۶۰

(ج) اقتصادی مسائل ۳۶۴

(د) سیاسی مسائل ۳۶۷

(ہ) خلاصہ ۳۷۸

مزید مطالعہ کے متقاضی موضوعات ۳۸۱

Usefull further reading ۳۸۳

کچھ مصنف کے بارے میں ۳۸۶

Marfat.com

جدول اور خاکے

جدول ا۔ شماریاتی کوائف۔ ۳۶
جدول ۲۔ اقتصادی کوائف۔ ۴۳
جدول ۳۔ سیاسی اور فوجی کوائف۔ ۵۴
خاکہ ا۔ فوجی طاقت۔ ۶۲
خاکہ ۲۔ فی کس آمدنی کی شرح نمو۔ ۱۱۰
خاکہ ۳۔ تخمینی سرکاری تنخواہیں وغیرہ۔ ۱۲۴
خاکہ ۴۔ عالمی تجارتی بلاکس۔ ۲۲۳

Marfat.com

Marfat.com

جمیل الدین عالی
معتمد اعزازی

حرفِ چند

مسلم ممالک اور ملت اسلامیہ کے سلسلے میں یہ ایک اہم معلوماتی کتاب ہے جس میں مسلم ممالک کی تاریخ، مقاصد، معاشی، سیاسی، دینی و فوجی حالات، مسلم ملکوں کی مجموعی قوت، درپیش مسائل، غیر مسلم ملکوں سے رابطے اور رشتے، اساسی حکومتوں، مسلمانوں کے کردار، مسلم امہ کے درمیان قائم وحدت اور ان ممالک کے مستقبل کے بارے میں بیش بہا معلومات تحریر کی گئی ہیں۔ مسلم ممالک کے مجموعی حالات کے بارے میں اور خصوصاً اردو زبان میں اعداد و شمار کے لحاظ سے یہ پہلی کتاب ہو گی جس میں تفصیل کے ساتھ مسلم ممالک کی مختصر تاریخ کے ساتھ ساتھ مسلم ممالک کی آبادی، شرح پیدائش، آمدنی، قوت خرید، مجموعی قومی پیداوار، عالمی مالیاتی اداروں سے ملنے والی امداد اور قرضہ جات، سود کی ادائیگی، زرعی اور صنعتی پیداوار، مسلم ممالک کے آپسی اور بین الاقوامی روابط و تعلقات، دینی، روحانی، اقتصادی اور فوجی مسائل، مسلم ممالک کی سیاسی اور جمہوری صورت حال، مغرب کے ساتھ نقطہ نظر کا ٹکراؤ، عدم تحفظ کا احساس، غیر مسلم حکومتوں کا مذہب دشمن رویہ، ملی یکجہتی کا فقدان، غیر مسلم ممالک خصوصاً مغرب کی مسلمانوں کے سلسلے میں پریشانیاں، بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کا کردار جیسے موضوعات پر بحث کے ساتھ ہی تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

اصل کتاب انگریزی ۱۹۹۵ء میں چھپی تھی اور ترجمے اور اشاعت میں بھی وقت لگا۔ اس لیے اعداد و شمار اور بعض حقائق کو ۲۰۰۱ء کے وسط تک دیکھتے ہوئے تازہ ترین نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ایسی علمی مطبوعات میں یہ ممکن بھی نہیں اور یہ بات، شماریات و حالات میں

Marfat.com

ایسی بہت بڑی تبدیلیاں بھی نہیں ہوئیں جو بنیادی مباحث اور اخذ نتائج پر زیادہ اثر انداز ہوتیں۔ اگلی اشاعت میں مناسب ترمیم و اضافے کی کوشش کی جائے گی۔ اس وقت یہ کتاب اپنے عنوان کے ساتھ بعض ناگزیر متنازعہ فیہ مباحث کے باوجود ایک نہایت لائق تحسین علمی و فکری کوشش مانی جاتی ہے۔

انگریزی میں تحریر کی گئی اس کتاب کے مصنف جناب علی نواز میمن کی تحریری اجازت سے انجمن ترقی اردو پاکستان اس کتاب کا ترجمہ اردو میں شائع کر رہی ہے۔ ترجمہ جناب صفوت قدوائی نے کیا ہے جب کہ ترجمہ پر نظر ثانی جناب شاہ محی الحق فاروقی نے کی ہے۔ مسلم ممالک سے متعلق مجموعی معلومات پر مبنی یہ کتاب انجمن ترقی اردو پاکستان اس امید کے ساتھ شائع کر رہی ہے کہ یہ کتاب اردو کے قارئین کی عام معلومات میں اضافہ اور مسلم امہ کے بارے میں غور و فکر کی نئی جہتیں وا کرے گی۔

سنہ ۲۰۰۱ء

Marfat.com

تعارف

ہر روز اخبارات کی شہ سرخیاں پڑھنے یا عالمی خبریں سننے والا کوئی بھی شخص مسلمانوں کے آلام و مصائب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

(الف) بوسنیا میں مسلمانوں کا قتل عام اور آبروریزی

(ب) صومالیہ میں متحارب مسلم سرداروں کی خانہ جنگی کی بنا پر مسلمانوں کی فاقہ زدگی

(ج) گزشتہ ۷۲ سال سے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ اور انسانی حقوق کی منظم پامالی

(د) کشمیر میں بھارتی فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کی ہلاکت اور آبروریزی

(ہ) چیچنیا میں وحشیانہ تشدد

یہ تو صرف چند مثالیں ہیں: اگر ایک طرف مقامی طور پر مسلمانوں میں عمل کی بہت زیادہ صلاحیت نظر نہیں آتی تو دوسری طرف بین الاقوامی طور پر اسلامی کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) بھی جس کے رکن ملکوں کی تعداد پچاس کے لگ بھگ ہے، اس صورت حال کا کوئی تدارک کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادیں عراق، ایران، لیبیا وغیرہ میں تو مسلمانوں کے خلاف فوری اور موثر طور پر استعمال ہو جاتی ہیں لیکن بات جب مسلمانوں کے دفاع کی آتی ہے تو ان ہی قراردادوں کو جانتے بوجھتے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جب کبھی عالمی پولس کا کردار ادا کرنے والی سپر طاقتوں کے اپنے اہم مفادات کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں کے تحفظ کو کم ہی اہمیت دیتی ہیں۔ بحث مباحثہ تو خوب ہوتا ہے مگر عملی کارروائی کی نوبت بہت کم آتی ہے۔

Marfat.com

مسلمانوں میں مسلم ممالک کے مسائل کو اجتماعی خرابی کے طور پر دیکھنے اور اجتماعی ذمہ داری سمجھنے کا میلان پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

(سورۃ ۴۹:۱۰)

مسلمانوں کے اپنے بھی داخلی مسائل ہیں۔ خود یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف امتیاز برتتے ہیں۔ پاکستان کے صوبہ سندھ کے شہر لاڑکانہ کے ایک متوسط طبقہ کے تعلیم یافتہ گھرانے کا فرد ہونے کی حیثیت سے مصنف کو بارہا یہ بات یاد لائی گئی کہ وہ دوسرے درجہ کا شہری ہے (الف) لاڑکانہ میں اس لیے کہ اس کا تعلق کسی زمیندار، جاگیردار رئیس خاندان یا کسی سید گھرانے سے نہیں (ب) صوبہ سندھ کے دارالحکومت کراچی میں جہاں اردو بولنے والی آبادی کا غلبہ ہے، سندھی زبان بولنے کی جسارت کرنے پر اور (ج) اسلام آباد میں جہاں طاقتور صوبہ پنجاب کی فرماں روائی ہے، محض ایک سندھی ہونے کی بنا پر۔ پاکستان اور دیگر مسلم ممالک میں (مصنف سے کم خوش نصیب) لاکھوں افراد کو صحیح گروپ سے تعلق نہ رکھنے کی پاداش میں سماجی مرتبہ، تعلیم اور ملازمت کے مواقع، کیریر کے فروغ کے امکانات سے محرومی اور عملاً تذلیل واہانت کے عذاب سے روزانہ گزرنا پڑتا ہے۔ اپنے ملک میں روا رکھے جانے والے اس امتیازی سلوک کو ایک عمومی انسانی کوتاہی پر محمول کر کے نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ عمل صریحاً اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ مسلمان کیا کریں؟ پہلی بات، جیسا کہ سب کے علم میں ہے، مسلمانوں میں ہم نوعی اور یک رنگی نہیں پائی جاتی۔ وہ پچاس سے زائد ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ انھیں ان کے خاندان قبیلے، نسل، زبان، معاشی حیثیت، قومیت، فرقہ وغیرہ کی بنیاد پر متعدد حوالوں سے پہچانا جاتا ہے۔ کسی خاص موقع پر انھیں کس حوالے سے شناخت کیا جاتا ہے اس کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ اس وقت کون سا حوالہ لائق ترجیح ہے۔ ان کی شناخت کے جس حوالے کو خطرہ لاحق ہوگا توجہ بھی یقیناً اسی کو ملے گی۔

برادری اور قوم کی حیثیت سے ملت اسلامیہ آج واضح طور پر بہت کمزور ہے۔

Marfat.com

مسلم قوم کس طرح منظم ہو کہ وہ (الف) ملک میں انصاف کر سکے (ب) بیرونی خطرات کے خلاف اپناد فاع کر سکے اور (ج) ۱۹۹۰ء کی دہائی کے نئے عالمی نظام میں مساویانہ اور موثر طور پر شرکت کر سکے؟ یہ ایک پیچیدہ سوال ہے اور شاید اس کا جواب بھی ناممکن ہے۔ تاہم اپنی سنگینی اور ہر جگہ مسلمانوں میں قلبی اذیت کے اجتماعی احساس کے پیش نظر یہ مسئلہ سنجیدگی سے غور و فکر کا متقاضی ہے۔ ایک حقیقت پسندانہ اور پر امن حل کے بغیر مخالفت میں اٹھنے والی تند و تیز آوازوں کے نتیجہ میں ایسی شدت پسندانہ سوچ جنم لے سکتی ہے جو نہ صرف ان مسائل کے لیے بلکہ بحیثیت عمومی تمام مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہو گی۔

مغربی ذرائع ابلاغ نے یہ تاثر دیا ہے کہ مسلمان (الف) ایک غیر ذمہ دار گروپ ہیں، (ب) ان کا اپنا مثبت کردار بڑا محدود ہے اور (ج) وہ تشدد اور دہشت گردی کی من مانی کارروائیوں کے ذریعے خود اپنی جائز حکومتوں اور مغربی حکومتوں کے تختے الٹ کر ایک مستحکم عالمی نظام کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مسلمان جانتے ہیں کہ یہ تاثر بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کو دہشت گردی کے بجائے خدا ترسی کا درس دیا جاتا ہے۔ کسی کو ایذا پہنچانے کے بجائے مسلمان نہ صرف اپنی بہتری اور ترقی کے خواہاں ہیں بلکہ وہ غیر مسلموں سمیت ایک دوسرے کی مدد بھی کرنا چاہتے ہیں۔ نئے عالمی نظام کے بارے میں وہ بڑی صحیح سوچ رکھتے ہیں اور وہ اس میں مساویانہ کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مسیحی گروپوں میں یہ خوف بھی پایا جاتا ہے کہ مسلمان ہر قیمت پر اسلام پھیلانا اور پوری نسل انسانی کو دائرۂ اسلام میں لے آنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ سب پر اپنے دین کی فضیلت عملی مظاہرے سے ثابت کریں۔ لیکن قرآن ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ اسلام میں کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔

> "اے نبی ﷺ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو، تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔" (سورۃ ۱۶: ۱۲۵)

Marfat.com

مسلمان اپنے مذہب کو طاقت کے بل پر پھیلانے کی قطعی کوئی خواہش نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ دیگر مذاہب کے لوگوں پر حاوی ہونا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مغربی معاشروں کے طرز حیات و معاشرت کی اس تحریص و ترغیب سے پریشان ہیں۔ جو یہ معاشرے مسلمان نوجوانوں اور ان کی آیندہ نسلوں کو پیش کر رہے ہیں۔ وہ اس بات سے بھی پریشان ہیں کہ جس طرح مسیحی نوجوان اپنے مذہب سے بیگانہ ہو چکے ہیں اسی طرح مسلم نوجوان بھی اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

مسلمانوں اور مغرب کے درمیان کشیدگی ہر شخص کو نظر آ رہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ولی عہد برطانیہ نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو آکسفورڈ سینٹر برائے علوم اسلامی میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ "... مجھے پختہ یقین ہے کہ ان دونوں دنیاؤں کے درمیان رابطوں کی آج پہلے سے زیادہ اہمیت ہے کیوں کہ اسلامی اور مغربی دنیاؤں کے درمیان غلط فہمی کی سطح خطرناک حد تک بلند ہو گئی ہے اور ان رابطوں کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ ہماری اس کائنات میں ایک دوسرے پر بڑھتے ہوئے انحصار کے پیش نظر دونوں کے لیے مل جل کر رہنے اور کام کرنے کی اتنی شدید ضرورت پہلے کبھی نہ تھی"......

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ مغرب کے اہم مفادات اور دلچسپیوں سے صرف نظر کیے بغیر مسئلہ کا جائزہ مسلمانوں کے مشترکہ تناظر میں لیا جائے۔ اگرچہ یہ جائزہ بڑے سرسری انداز میں لیا گیا ہے تاہم مصنف کی دعا یہی ہے کہ مسلمان اور ان کے رہنما امۃ (عالمی مسلم معاشرہ) کی طرف متوجہ ہوں، اپنی طاقت اور کمزوریوں کا جائزہ لیں اور اس عمل میں خود کو مضبوط تر بنائیں۔ یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ:

(الف) مغرب کے عوام اور رہنما مسلمانوں کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ اگر وہ ان کے بارے میں یہ سمجھ لیں کہ وہ اپنی حالت سدھارنے اور دنیا کو سب کے لیے ایک بہتر جگہ بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔

(ب) مسلم اور غیر مسلم طاقتوں کے درمیان (جن کا حوالہ اس کتاب میں "مغرب" کے طور پر دیا گیا ہے) بڑے بڑے اختلافات پرامن طور پر طے کیے جا سکتے ہیں اور بقائے باہمی ممکن ہو سکے گی۔

(ج) مسلمان اور اہل مغرب اس چھوٹے سے کرہ ارض پر برابر کے ساجھی کی حیثیت سے امن کے

Marfat.com

ساتھ رہ سکتے ہیں۔

(د) مغرب کے مسلمان باشندوں کو دیگر مذہبی گروپوں کے ساتھ سیاسی اقتدار میں شراکت کا موقع مل سکتا ہے۔

اس کتاب میں پیش کردہ بعض خیالات کو مسلمان اور غیر مسلم دونوں ہی ناپسند کر سکتے ہیں۔ مسلمان یہ سوچ سکتے ہیں کہ مصنف نے مغرب میں طویل عرصہ گزارا ہے وہ اسلام کو نہیں سمجھتا۔ وہ ''مغرب زدہ'' ہو چکا ہے اور کفار سے مفاہمت اور ان کی ہم نشینی کے لیے بے قرار ہے جب کہ غیر مسلموں کا خیال یہ ہو سکتا ہے کہ مصنف نے بہت زیادہ عمومیت پسندی سے کام لیا ہے، وہ مغرب کا بہت زیادہ مخالف ہے، مسلم برتری اور تفوق کا قائل ہے اور اس لائق نہیں کہ مغرب میں اس کی بات سنی جائے۔ بہر حال صورت جو بھی ہو یہ خیالات زیر بحث لانے کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ میری تجاویز اسلامی تعلیمات سے، جہاں تک میں انھیں سمجھ سکا ہوں، مکمل مطابقت رکھتی ہیں، وہ مسلمانوں کے بہترین مفاد میں ہیں اور ان سے مغرب کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مجھے اس صورتحال میں کسی کی ہار نظر نہیں آتی۔ مجھے پوری امید ہے کہ اس کتاب کو کلیتاً نظر انداز نہیں کیا جائے گا اور اس سے تمام متعلقہ لوگوں کے لیے کچھ نہ کچھ بھلائی کی صورت نکلے گی۔ انتہائی باخبر مبصرین کے خیال میں کوئی بہت بڑا معجزہ ہی مسلمانوں کو اس حد تک تبدیل کر دے گا کہ وہ نئے عالمی نظام میں برابر کے شریک بن جائیں۔ ہماری زندگی میں ایسے کسی خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی تو کوئی امید نظر نہیں آتی۔ میں اسے ایک امر محال ہی سمجھتا ہوں۔ تاہم مجھے اللہ پر یقین ہے اور اس بات پر بھی کہ وہ اس قابل قدر مقصد کے حصول میں مدد کرے گا۔ میں کسی غیبی امداد کا طلب گار ہوں۔ میری دعا ہے کہ بہی خواہ مسلمانوں اور اہل مغرب کے دلوں میں فرشتے حلول کر جائیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ انسانی قالب میں ایسے فرشتے نمودار ہوں جو بے غرض ہوں، اور جو اس دنیا کو ایک بہتر دنیا بنانے کے واحد مقصد کے لیے سخت محنت کریں۔ مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اس کام کا آغاز تمام ضرورت مند افراد کے لیے خوراک، رہائش، ادویہ، تعلیم اور روزگار وغیرہ کے مواقع کی فراہمی میں مدد سے کریں گے اور پھر مسلمانوں اور باقی دنیا میں امن قائم کرنے کا

Marfat.com

فریضہ انجام دیں گے۔ میں تمام مردوں اور عورتوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ان فرشتوں کے روپ میں ڈھل جائیں۔

مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی تحریک اس معجزے کے ظہور کا نقطہ آغاز ثابت ہو سکتی ہے جس کے بہت سے لوگ منتظر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کی ترقی اور نئے عالمی نظام میں ان کی موثر شرکت سے ہم سب کے لیے یہ ایک بہتر دنیا بن جائے گی۔

اس تصنیف میں پیش کردہ خیالات سارے کے سارے طبع زاد نہیں ہیں۔ مصنف نے اس موضوع پر برسوں سے غور و فکر اور پڑھنے لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ میرے پاس ایک مضمون کی نقل محفوظ ہے جو میں نے اس وقت لکھا تھا جب میں نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اس مضمون کا عنوان تھا "آزادی" جس میں اسی نوعیت کے مسائل کا احاطہ کیا گیا تھا اور یہ ۱۹۵۶ء میں میرے اسکول میگزین میں سندھی زبان میں شائع ہوا تھا۔ میں بہت سے لوگوں سے متاثر ہوا ہوں۔ میرے والد کی کتابوں ("تیل اور ایمان" اور "نئے معاشرے کی طرف بلاوا") کا موضوع بھی اسی نوعیت کا ہے جس سے مجھے اس بارے میں غور و فکر کی تحریک ہوئی۔ ۱۹۶۷ء سے عالمی بینک میں اپنی ملازمت کے تعلق سے بھی اور ذاتی حیثیت سے بھی برسوں سیر و سفر اور عالمی واقعات کے مطالعے نے میری سوچ کو متاثر کیا۔ میں ان تمام لوگوں کا ممنون ہوں جن کے افکار اور تحریروں کا عکس اس کتاب میں ملتا ہے۔ اللہ ان تمام لوگوں کو اس کا اجر دے جنھوں نے اس کام میں بلاواسطہ یا بالواسطہ میری مدد کی ہے۔ میرے علم و اطلاع کی حد تک اس کتاب میں میرے آجر کی کوئی خفیہ معلومات نہیں دی گئی ہیں۔ یہ امت مسلمہ کی اصلاح کے لیے میرے اپنے ذاتی افکار کا تجزیہ ہے۔

117394

Marfat.com

باب ا

تاریخی پس منظر

الف۔ تعریف

ا۔اللہ:

عظیم ترین وجود یا قادر مطلق کا نام ہے۔ اسلام میں خدا کا یہی وہ درست یا اصل نام ہے جس سے تمام انسان اپنے خالق یعنی روح حقیقی کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ کا نام صرف اسلام تک محدود نہیں ہے کیوں کہ اللہ وہ نام ہے جس سے مشرقی گرجا گھروں کے نصرانی بھی خدا کو مخاطب کرتے ہیں۔(ا) اللہ تعالیٰ دراصل حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت عیسیٰؑ اور عیسائیت اور یہودیت کے تمام پیغمبروں کا خدا (GOD) ہے۔

۲۔ مسلم:

لغوی طور پر اس شخص کو کہتے ہیں ''جس نے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت قبول کر لی ہو'' اور لفظ مسلم عربی لفظ اسلم سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں ''دستبردار ہونا، امن کا طالب ہونا''۔ دین اسلام کا نام بھی اسی عربی لفظ سے نکلا ہے۔ لہٰذا مسلم وہ ہے جو اسلامی تعلیمات اور اصولوں پر عمل کرتا ہے۔ اس کتاب میں مسلمانوں کا تذکرہ افراد کے ایک گروہ کی حیثیت سے

Marfat.com

کیا جائے گا اور اس گفتگو میں ان ممالک سمیت جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، تمام مسلمانوں کا احاطہ کیا جائے گا۔

۳۔ مسلم ممالک:

مسلم ممالک سے مراد وہ قومیں ہیں جن میں مسلم آبادی کی اکثریت ہے۔ اس قسم کا ملک بالعموم تنظیم اسلامی کانفرنس (او آئی سی) کا ایک رکن ہوتا ہے۔ اس وقت تقریباً پچاس ممالک اس کے رکن ہیں۔ مسلم ممالک کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ ان کا تعلق ایشیا، مشرق وسطیٰ اور افریقہ سے ہے۔ ان میں سے چند ممالک امیر ہیں، کچھ درمیانہ آمدنی کے گروپ سے تعلق رکھتے ہیں اور اکثر ملک غریب ہیں۔ مسلم ممالک میں فرق اور تنوع بہت زیادہ ہے مگر مشترک بھی بہت کچھ ہے کیوں کہ مشترک اسلامی تعلیمات اور ان پر عمل انھیں باہم متحد کرتے ہیں۔

۴۔ ترقی:

ترقی کا مطلب ہے روحانی (بشمول تعلیم اور سائنس)، اقتصادی، فوجی اور سیاسی (بشمول قانونی) شعبوں میں متوازن پیش رفت۔ اس ترقی کا مقصد خوش حالی میں اضافہ، بہتر طرز زندگی اور بہتر معیار زندگی کا حصول ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک ترقی کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ بالآخر وہ عالمی طاقتوں کی برادری کے ایک معزز رکن بن جائیں۔

۵۔ نیا عالمی نظام:

۱۹۴۰ء کی دہائی کے اواخر میں دوسری عالمی جنگ کے بعد سے ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اوائل میں سوویت یونین کی شکست و ریخت تک دنیا پر دو سپر طاقتیں یعنی امریکہ اور روس چھائی رہیں۔ اس کے بعد سے صرف ایک ہی سپر طاقت کا غلبہ ہے۔ بے مثل طاقت و پوزیشن کا مالک ہونے کے باوجود امریکہ نے سلامتی کونسل کے مستقل ارکان بالخصوص اپنے یورپی اتحادیوں سے صلاح مشورے کے بعد ہی اپنے اختیارات استعمال کیے ہیں۔

کویت پر عراقی حملے کے بعد سلامتی کونسل کے فوری فیصلوں کے نتیجے میں جنگ خلیج میں فوجی کارروائی ہوئی مگر بوسنیا میں فوجی کارروائی سے گریز نئے عالمی نظام کے تحت کیے جانے

Marfat.com

والے فیصلوں کی مثالیں ہیں۔ پہلی صورت میں امریکہ نے سلامتی کونسل کو فوجی کارروائی پر آمادہ کیا جب کہ دوسری صورت میں اس نے ایسا نہیں کیا۔

یاد رہے کہ عیسائیت امریکہ اور یورپ کی بھاری اکثریت کا مذہب ہے۔ تاہم امریکہ اور یورپی ممالک میں مذہب کو قطعی طور پر حکومت سے جدا کر دیا گیا ہے۔ ان ممالک کے رہنماؤں کے قلوب تو مذہب سے متاثر ہو سکتے ہیں مگر ان کی حکومتوں پر سیکولر رنگ ہی غالب ہے۔ اکثر اوقات چرچ کے حلقے مذہب کو توجہ نہ ملنے پر پریشان بھی رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا نئے عالمی نظام کی بنیاد سیکولر ہونی چاہیے یا اسے روحانیت پر مبنی ہونا چاہیے۔

نئے عالمی نظام میں اسلام کوئی خصوصی مثبت کردار یا اثر و رسوخ نہیں رکھتا۔ مسلمان اس مثبت کردار کے خواہاں ہیں اور وہ ایک منصفانہ عالمی نظام کی امید رکھتے ہیں۔

۶۔ مغرب:

اس کتاب میں لفظ "مغرب" امریکہ کی قیادت میں یورپی یونین، جاپان، کینیڈا اور آسٹریلیا پر مشتمل غیر رسمی اقتصادی اور سیاسی اتحاد کا حوالہ دینے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں کہ فوجی لحاظ سے امریکہ سب سے زیادہ طاقتور قوم ہے مگر وہ اقتصادی اور سیاسی میدان میں بھی سب سے آگے ہے۔

۷۔ شرکت:

شرکت کے تصور سے مراد مشترکہ دلچسپی کی مخصوص سرگرمیوں میں دوسروں کی شمولیت اور شراکت ہے۔ نئے عالمی نظام میں مسلمانوں کی شرکت کی سطح نیچی ہے۔ ان کی حیثیت محض مبصر یا میدان کے کنارے بیٹھے ہوئے کھلاڑی کی نظر آتی ہے۔ ان کا دائرہ عمل بھی اسی حد تک محدود ہے۔ یہ حقیقت کہ مسلمان افتراق کا شکار ہیں عالمی حالات و واقعات میں ایک قابل ذکر وجود کی حیثیت سے ان کی شرکت کی صلاحیت کے بارے میں شکوک و شبہات کا سبب بنتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان ان مسائل کو اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں بظاہر جو مغرب کے لیے اہمیت کے حامل ہیں اور ان سے لاتعلقی کو ترجیح دیتے ہیں۔

Marfat.com

۸۔ ملت اسلامیہ:

یا عالمی مسلم برادری، آفاقی مسلم اخوت اور ریاست کے اتحاد پر دلالت کرتی ہے۔ قومی ریاستوں میں بٹے ہونے کے باوجود مسلمانوں کے ذہنوں میں اُمّہ کا تصور ایک پائیدار حقیقت کے طور پر برقرار ہے۔ دنیا میں تقریباً ہر جگہ اسلام نئے سرے سے ابھر رہا ہے۔ بعض مقامات پر عسکریت نمایاں ہے۔ لیکن اسلام کی ایک حقیقی نشاۃ ثانیہ اب تک وسیع پیمانہ پر دکھائی نہیں دے رہی ہے۔

ب۔ مختصر تاریخ

۹۔ ۵۷۰ء سے جنگ عظیم اول تک:

ساتویں صدی کی ابتدا میں نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں اور مردوں کو دعوت دی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی اختیار کر لیں۔ نیا دین یعنی اسلام چند ہی برسوں میں عرب میں اور پھر جلد ہی وسط ایشیا سے اسپین تک پھیل گیا۔ اکثریت نے اسلام قبول کر لیا اور عربی کا استعمال عام ہو گیا۔ مسلم معاشروں نے امتیازی نظام ہائے حکومت، ضابطہ ہائے اخلاق، ادب، طرز تعمیر، فنون لطیفہ، سائنسی علوم، ثقافت اور ایک مخصوص طرز زندگی کو فروغ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جانشین چاروں خلفائے راشدین کے بعد مسلم سلاطین آئے۔ پھر حکومتی باہمی مشاورت کی جگہ مطلق العنانیت اور احساس سے عاری تابعداری نے لے لی۔ تاہم دنیا کے بیشتر معروف علاقوں پر تقریباً بارہ صدیوں تک اسلامی چھاپ برقرار رہی۔ اگرچہ متعدد مواقع پر صوبائی گورنروں نے ان علاقوں کے سیاسی اتحاد کو چیلنج بھی کیا۔ ۱۷۰۰ء میں مسلمانوں کی چار اہم عالمی طاقتیں موجود تھیں۔ مملوک مصر، عثمانی ترکی، صفوی ایران اور مغل انڈیا۔ یورپی اقوام نے ۱۷۲۰ء کے قریب مغلوں کو اور پھر ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ مملوکوں کو شکست دے دی۔ ۱۷۲۳ء میں صفوی ختم ہو گئے۔ بس ایک سلطنت عثمانیہ بچی رہی جو ایک عالمی طاقت کی حیثیت سے دور جدید تک قائم رہی۔

سلطنت عثمانیہ (۱۴ویں صدی سے ۱۹۲۳ء تک) کا مرکز ترکی تھا اور ترک ہی اسے کنٹرول کرتے تھے۔ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے تمام عربوں کے علاوہ یونانی، یوگوسلاوی،

Marfat.com

البانوی، رومانوی اور بلقان کے باشندے بھی سلطنت عثمانیہ کے زیر نگین تھے۔ ۱۶۸۳ء میں سلطنت عثمانیہ کی افواج ویانا تک پہنچ گئی تھیں مگر اس پر قبضہ نہ کر سکیں۔ رعایا باغی ہونے لگی کیوں کہ حکومت (الف) مطلق العنان ہو گئی تھی جس میں تمام تر طاقت اور اختیارات سلطان کے ہاتھوں میں مرتکز تھے (ب) بد عنوان ہو گئی تھی جس میں سرکاری خزانہ ذاتی تصرف میں لایا جا رہا تھا۔ (ج) نااہل ہو گئی تھی جس کی وجہ سے سلطنت کے مختلف حصوں میں بد نظمی بڑھتی جا رہی تھی۔ (د) امتیازی سلوک کرنے لگی تھی اور (ہ) ظالم ہو گئی تھی۔

۱۸۲۹ء میں برپا ہونے والے ایک انقلاب کے ذریعے یونان ہاتھ سے نکل گیا۔ پھر روس۔ ترک جنگ (۷۸۔۱۸۷۷ء) کے بعد برلن کانگریس (۱۸۷۸ء) میں قبرص، سربیا، مونٹی نیگرو، اور رومانیہ بھی ترکوں کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ جنگ بلقان (۱۳۔۱۹۱۲ء) کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ نے قسطنطنیہ اور اردگرد کے ایک مختصر سے علاقے کے سوا تمام یورپی علاقے بھی کھو دیے۔ بچی کھچی سلطنت مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ تک محدود ہو گئی۔ یہ تقریباً پورا علاقہ کلیتاً مسلم آبادی پر مشتمل تھا۔ ۱۹۱۴ء میں سلطنت عثمانیہ نے جنگ عظیم اول میں جرمنی کا ساتھ دیا۔ پہلی عالمی جنگ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ سلطنت اور مسلم حکومت کی مرکزیت (خلافت) بھی مکمل طور پر ختم ہو گئی۔

زوال مکمل ہونے سے قبل یا اس عمل کے ایک حصے کے طور پر ترکی نے تنظیمات کے نام سے مختلف اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا جس کا مقصد ملک کو مغربی قالب میں ڈھالنا تھا۔ اس سے ترک قومیت کا جذبہ ابھرا جو بالآخر قوم کے لادینی (سیکولر) تشخص کے قیام اور مصطفےٰ کمال اتاترک کی حکومت کے تحت مسلم شناخت کے خاتمے پر منتج ہوا۔ (۲)

۱۰۔ جنگ عظیم اول اور دوئم کا درمیانی عرصہ:

مغربی طاقتیں جو صدیوں سے مشرق وسطیٰ کی تسخیر کے خواب دیکھ رہی تھیں وہ جنگ عظیم اول کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔ بچی کھچی عثمانی سلطنت، جو مسلمانوں کے سیاسی اور حکومتی اتحاد کی علامت تھی، ۱۹۲۲ء میں ختم ہو گئی۔ خلافت جو مسلمانوں کے مذہبی اتحاد کی علامت تھی ختم کر دی گئی۔ ۱۹۲۲ء کے سمجھوتے میں مندرجہ ذیل نکات شامل تھے:

Marfat.com

(الف) یو ایس ایس آر کے مسودہ آئین کے ذریعے جو ۱۹۲۲ء کے اختتام پر نافذ ہوا تھا، وسط ایشیا میں مسلم علاقوں پر روس کا دعویٰ تسلیم کر لیا گیا۔

(ب) ترک قومی ریاست تشکیل دی گئی جو تحلیل شدہ سلطنت کے صرف ترکی بولنے والے ایک حصہ تک محدود کر دی گئی۔

(ج) لیگ آف نیشنز کی طرف سے شام اور لبنان پر فرانس کا حق حکمرانی تسلیم کر لیا گیا۔

(د) لیگ آف نیشنز نے فلسطین اور شرق اردن پر برطانیہ کا حق حکمرانی تسلیم کر لیا۔

(ہ) معاہدۂ عراق کے تحت برطانیہ کو اس نئے قائم ہونے والے ملک پر حکمرانی کی اجازت مل گئی۔

دو عالمی جنگوں کے درمیانی عرصے میں بیشتر مسلم ممالک میں نو آبادیاتی حکمرانی کو وسعت دی گئی اور اسے مضبوط کیا گیا۔ مسلمان مغربی دنیا سے زیادہ واقف ہوتے گئے اور بیسویں صدی کی تہذیب کے الجھاوؤں سے ان کا واسطہ پڑا۔ مسلمانوں نے اپنے نو آبادیاتی آقاؤں کی زبانیں انگریزی، فرانسیسی، ولندیزی اور جرمن سیکھنی شروع کر دیں۔ انھوں نے یورپ کا سفر اختیار کیا اور پہلی بار مغربی دنیا کا نظارہ کیا جہاں انھیں شراب اور رقص کا چسکہ پڑا مگر ساتھ ہی وہ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی سے بھی فیضیاب ہوئے۔

مسلمانوں نے طب، انجینئرنگ، سیاسیات، اقتصادیات اور قانون کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے بیشتر علاقوں کو پہلی مرتبہ ریلوں، طیاروں اور جدید صنعتوں سے استفادہ کا موقع ملا۔ انھوں نے اپنے نو آبادیاتی حکمرانوں کی ثقافت اور اقدار کو تو اپنایا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ آزادی کے خواب بھی دیکھنے لگے۔ آزادی کی ان تحریکوں کو بڑی سختی اور بے رحمی سے کچل دیا گیا لیکن کبھی کبھار انھیں نہ صرف برداشت کیا گیا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی۔

۱۱۔ جنگ عظیم دوئم:

دوسری عالمی جنگ کے دوران مسلم ممالک سے توقع یہی تھی کہ وہ اپنے اپنے نو آبادیاتی آقاؤں کی حمایت کریں گے۔ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے برطانوی فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ انھیں جدید فن حرب میں فوجی تربیت دی گئی۔ انھوں نے دور دراز

Marfat.com

مقامات اور اجنبی سرزمینوں پر برطانیہ کی طرف سے جنگ لڑی اور اپنے وطن میں برطانوی راج کے تحفظ میں مدد دی۔ اس کے بدلے میں انھیں اپنی مرضی کی حکومت تشکیل دینے اور بالآخر آزادی دینے کا وعدہ کیا گیا۔

۱۲۔ جنگ عظیم دوئم کے بعد:

مسلمانوں کے نو آبادیاتی آقاؤں (برطانیہ، نیدرلینڈ، اٹلی، جرمنی اور فرانس) کو دوسری جنگ عظیم نے کمزور کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی قوم پرستی پر مبنی آزادی کی تحریکیں مضبوط تر اور زیادہ منظم ہو گئی تھیں۔ فاتح اتحادیوں کے درمیان نااتفاقی اور اس کے بعد سرد جنگ نے بھی نو آبادیاتی نظام کے خاتمے میں خاصی مدد دی۔ آہستہ آہستہ تقریباً سارے ہی مسلمان ملک نو آبادیاتی نظام سے آزاد ہو گئے۔ انڈونیشیا ۱۹۴۵ء میں آزاد ہوا، پاکستان ۱۹۴۷ء میں، نائجیریا ۱۹۶۰ء میں، کویت ۱۹۶۱ء میں اور ملائیشیا ۱۹۶۳ء میں۔

ایسا نہیں تھا کہ مسلمانوں کو یہ آزادی بغیر قیمت ادا کیے مل گئی ہو۔ نو آبادیاتی طاقتیں ایک ایسی متحدہ مسلم قوم دیکھنے کی روادار نہ تھیں جیسی پہلی جنگ عظیم سے قبل سلطنت عثمانیہ کے تحت ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کیا اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی قومی ریاستوں کی شکل میں آزادی دی۔ من مانے طریقے سے سرحدوں کی سیدھی لکیریں کھینچ دی گئیں اور ایسا کرتے وقت دریاؤں، پہاڑوں اور دیگر قدرتی سرحدوں کا سرے سے کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ نئی سرحدیں اکثر قبائلی اور نسلی اکائیوں کو کاٹتی ہوئی گزریں جنھوں نے پانی اور چراگاہوں تک رسائی کی روایتی راہیں منقطع کر ڈالیں اور قدرتی وسائل کو نئے سرے سے تقسیم کر دیا۔ متعدد سرحدیں آج تک متنازعہ چلی آ رہی ہیں اور کئی جنگوں کا سبب بن چکی ہیں۔ امکان یہی ہے کہ آنے والے برسوں میں بھی یہ سرحدیں مقامی لوگوں کے درمیان وجہ نزاع بنی رہیں گی۔

۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کے ایک ووٹ نے مشرق وسطیٰ میں اسرائیل نامی ایک نئی یہودی ریاست قائم کر دی۔ جنگ عظیم دوئم کے بعد کے دور کا یہ سب سے اہم واقعہ ہے۔ اس کی وجہ سے عربوں اور اسرائیل کے درمیان کئی جنگیں اور لاتعداد جھڑپیں ہو چکی ہیں اور اس کی وجہ

Marfat.com

سے پورا علاقہ اور عالم اسلام کا بڑا حصہ مسلسل ہنگامے اور اضطراب میں مبتلا ہے۔ نئے عالمی نظام میں اسرائیل اور فلسطین ایک نازک ترین بین الاقوامی مسئلے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ متعدد مسلم ریاستیں آزادی حاصل کرنے کے بعد سے اپنی نئی قومی ریاستوں اور من مانے انداز میں بے قاعدگی سے کھینچی گئی سرحدوں کے دفاع میں مصروف ہیں۔ مسلم ممالک کو اکثر فوجی ساز سامان اور تربیت کی ضرورت پڑی ہے۔ جس کے لیے انھوں نے اپنے سابق نوآبادیاتی آقاؤں سے درخواست کی اور اسے حاصل بھی کیا۔ سابق حکمرانوں نے بارہا دونوں متحارب فریقوں کی حمایت کی اور پھر ثالث کا کردار ادا کیا۔ جنگ عظیم اول سے سوویت کنٹرول کے تحت رہنے والی مسلم جمہوریائیں بھی حال ہی میں آزاد ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی اور نئے عالمی نظام پر ان کے اثرات کا ابھی ٹھیک تعین نہیں کیا جاسکتا۔

(ج) مقاصد

۱۳۔ مربوط ترقی:

مسلمانوں کی ترقی کے لیے چار اجزائے ترکیبی درکار ہیں۔ روحانی ترقی، اقتصادی ترقی، سیاسی ترقی اور فوجی ترقی۔ ان چاروں شعبوں میں ہر ایک کے بنیادی مقاصد کے تعین کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ روحانی ترقی:

روحانی طور پر مسلمان ایک خدا (اللہ) اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام علوم کے اصل منبع کی حیثیت سے قرآن، اس دنیا میں زندگی کی عارضی نوعیت اور یوم حساب پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے ان ہی بنیادی نکات پر یقین رکھتے ہیں تاہم تفصیل میں جائیں تو ان کی مختلف تشریحات سامنے آتی ہیں۔ جب تک بنیادی عقائد پر پختہ یقین قائم رہے تو اختلاف رائے کی اجازت دیتے ہوئے زیادہ رواداری کے مظاہرے سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ ایک دوسرے کو بدعقیدہ اور کافر قرار دینا بے مقصد اور لاحاصل عمل ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ رویہ بھی بڑا مفید رہے گا کہ وہ ایک دوسرے کو ایک ہی قوم کا حصہ سمجھیں، زیادہ سے زیادہ اقتصادی روابط کو فروغ دیں، آپس کے تنازعات پر

Marfat.com

امن طور پر طے کریں اور غیر مسلموں کے خلاف ایک دوسرے کا دفاع کریں۔

۱۵۔اقتصادی ترقی:

تمام مسلمانوں کی خوراک، مکان، تعلیم اور علاج معالجے کی بنیادی ضروریات پوری ہونی چاہییں۔ یہ مقصد سرکاری اور نجی شعبوں میں معقول اجرتوں پر روزگار کے مناسب مواقع کی فراہمی کے ذریعے بہ طریق احسن حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ایک گروپ کی حیثیت سے مسلم ممالک اس وقت آمدنی کی نچلی درمیانی سطح پر ہیں۔ وسائل کی بہتر تقسیم کے ذریعے بنیادی انسانی ضروریات کا بڑا حصہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔ متعدد مسلم ممالک مختلف حالیہ کوششوں کے باوجود ترقی کی معقول سطح یا اقتصادی فوائد کی مساویانہ تقسیم کا مقصد حاصل نہیں کر پائے ہیں۔ دیگر شعبوں میں بامعنی ترقی کے بغیر اس شعبہ میں بہتری کی توقع رکھنا ایک غیر حقیقت پسندانہ بات ہے۔

مسلم ممالک کو اپنے مطلوبہ اقتصادی مقاصد کے حصول کے لیے انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے اقتصادی میدان میں آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم ممالک کو ایک گروپ کی حیثیت سے ایک دوسرے کے غیر متوقع مگر لازمی نوعیت کے اخراجات کا خیال رکھنے کے قابل ہونا چاہیے۔ دنیا کی تمام قوموں کے مابین ایک دوسرے پر اقتصادی انحصار اور تجارت لازمی اور ناگزیر ہے۔ تاہم معاشی بقا کے لیے غیر مسلم قوموں پر انحصار معاشی، سیاسی اور روحانی تناظر میں قطعی نامناسب ہے۔ مثلاً اکثر مسلمانوں کے خیال میں خوراک کی قلیل سی مقدار کی فراہمی کے لیے صومالیہ، سوڈان یا بوسنیا کا غیر مسلموں پر انحصار بنیادی اسلامی عقائد کو نظر انداز کرنے اور ان کی توہین کے مترادف ہوگا۔

۱۶۔سیاسی ترقی:

اسلام میں "ایک شخص ایک ووٹ" کی بنیاد پر حکومت کی تشکیل کی نہ کوئی شرط ہے اور نہ اس کی کوئی ممانعت ہی ہے۔ تاہم اسلام صلاح مشورے، باہمی رضامندی، آزادی اظہار، عدل اور نیک عمل کی تلقین کرتا ہے اور بدی سے گریز کا حکم دیتا ہے۔ مسلم ممالک کو گروپ کے طور پر ان ہی بنیادی اصولوں پر مبنی طرز حکومت سے فائدہ پہنچے گا۔ مسلم عوام میں یہ خواہش

Marfat.com

پائی جاتی ہے کہ وقفے وقفے سے انھیں اپنے حکمرانوں کے بارے میں اظہار رائے کا موقع ملنا چاہیے۔ اسلام مستحکم حکومت کی تائید کرتا ہے اور شہریوں کو اپنے حکمرانوں کی اس وقت تک اطاعت کا حکم دیتا ہے جب تک وہ سیدھے راستے سے نہ بھٹکیں۔

> ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو...“۔(سورۃ:۴:۵۹)

یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام یہی توقع کرتا ہے کہ حکومتوں کو دیانتدارانہ اور منصفانہ طور پر چلایا جائے گا اور تمام فیصلے اور اقدام اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کیے جائیں گے۔ اسلامی اعتبار سے اِن حکمرانوں کی حکومت بھی ناجائز ہے جو اپنی مسلم رعیت کی فلاح و بہبود اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو اپنا بنیادی مقصد قرار نہیں دیتے۔ نمائندہ حکومت کا قیام ہی کلیدی سیاسی مقصد ہے۔

۱۷۔ فوجی ترقی:

فوجی لحاظ سے مسلم ممالک کا بہترین مفاد اسی میں ہے کہ وہ اتنے طاقتور ہو جائیں کہ اپنی سرحدوں کا دفاع کرنے کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کے اہم مفادات کے دفاع میں ان کی مدد بھی کر سکیں۔ متعدد مسلم ممالک برسہا برس سے اپنے فوجی اداروں کے لیے بڑے بھاری بجٹ مختص کرتے چلے آرہے ہیں۔

اس وقت دنیا میں تقریباً ایک ارب مسلمان ہیں، مگر ان میں سے اکثریت نے کوئی فوجی تربیت حاصل نہیں کی۔ مسلمانوں میں تقریباً پینتالیس لاکھ افراد افواج سے وابستہ ہیں۔ زیادہ تر مسلم ممالک کے پاس مناسب مقدار میں روایتی اسلحہ موجود ہے اور ان میں اس قسم کے مزید ہتھیار بنانے یا حاصل کرنے کی استعداد بھی موجود ہے۔ لیکن جدید فوجی ہتھیار بنانے کی صلاحیت کے معاملے میں مسلمان برسوں پیچھے ہیں۔ اعلیٰ ٹکنالوجی کے حصول یا اس کے فروغ میں مسلمانوں کی مدد کرنے کے سلسلے میں مغرب روز افزوں تذبذب میں مبتلا ہے۔ حتیٰ

Marfat.com

تجزیہ میں صورتحال یہ بنتی ہے کہ مسلمان خود اپنی سرحدوں کے دفاع کی اہلیت اور دوسرے مسلمانوں کو مدد دینے کی صلاحیت سے بہت دور ہیں۔

اگر مسلمان اور زیادہ متحد ہو جائیں اور اپنے وسائل مجتمع کر لیں تو اپنی موجودہ طاقت کے مقابلے میں وہ کہیں زیادہ اور قابل ذکر قوت حاصل کر لیں گے۔ مخالفین نے خواہ حقیقی ہوں یا تصوراتی، اس قسم کے اتحاد کو روکنے کا پورا تہیہ کر رکھا ہے۔ قطعی بات یہ ہے کہ کسی بھی فوجی کوشش کی کامیابی کا انحصار مندرجہ ذیل امور پر ہے:

(الف) جائز اور اخلاقی مقصد

(ب) قیادت کی دانش مندی، جرأت اور اخلاص

(ج) عمل کے لیے موزوں وقت کے تعین کا شعور، جو سیاسی حالات اور طبعی واقعات سے مناسبت رکھتا ہو۔

(د) فوجوں کی مطلوبہ تعداد، تنظیم اور نظم وضبط

(ہ) اعلیٰ درجہ کا سامان حرب

جائز اور اخلاقی مقصد کے دعویدار مسلم ممالک ایک گروپ کی حیثیت سے اہم محاذ آرائیوں میں دفاع کے لیے مطلوبہ تعداد میں فوجیں تو رکھتے ہیں، مگر اس وقت وہ دوسرے تمام شعبوں میں بہت پیچھے ہے۔ بعض انفرادی مسلم ممالک کے پاس دوسرے شعبوں کے لوازم کے بھی کچھ عناصر موجود ہیں۔

۱۸۔ نئے عالمی نظام میں شرکت:

بات عجیب سہی مگر اس کا امکان موجود ہے کہ مسلم اتحاد بین الاقوامی میدان عمل میں ایک اہم کردار ادا کرے۔ اگر مسلمان زیادہ طاقتور یا کم از کم زیادہ متحد ہو جائیں تو نئے عالمی نظام میں وہ زیادہ موثر انداز سے شرکت کریں گے اور اس طرح وہ عالمی امن کے تحفظ میں اور بالخصوص مسلم اقوام کے سلسلے میں قابل ذکر مدد کریں گے۔ تاہم غیر مسلموں کے دلوں میں ایک متحدہ "اسلامی قوم" کا خوف اس بری طرح بیٹھ گیا ہے کہ ایسی کسی بھی پیش رفت کی مخالفت کے نہ صرف جاری رہنے کا امکان ہے بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔

Marfat.com

یہودیت عیسائیت اور اسلام سمیت دنیا کے تمام موحدانہ مذاہب مشترکہ بنیادی اقدار اور اخلاقیات میں حصے دار ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان مذاہب کے پیروکار اس دنیا کی ترقی میں برابری کی بنیاد پر حصہ لیتے ہوئے امن سے نہ رہ سکیں۔

(و) قرآنی احکامات:

مسلمانوں کے لیے قرآن ہی سرچشمۂ ہدایت ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی عبادت کو انسان کے وجود کا بنیادی مقصد قرار دیتا ہے۔ اسلام عبادت کو ایک مکمل طرز حیات قرار دیتا ہے اور دنیا اور آخرت کی زندگی پر زور دیتا ہے۔ مسلمان فانی اور ابدی دونوں زندگیوں میں فضیلت کے جویا ہوتے ہیں چنانچہ اسلام میں مسلمانوں کی ترقی کا عمل بھی ایک عبادت اور بہت پسندیدہ فعل ہے۔

اپنے اقرار حق میں استقامت کے لیے مسلمانوں پر اپنے تمام مسائل کا حل اپنے مذہب خاص طور پر قرآن پاک میں تلاش کرنا لازم ہے اور اگر قرآن پاک میں ان کا کوئی واضح جواب نہیں ملتا تو مصدقہ اور متفقہ احادیث مبارکہ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حواشی

(۱) سرل گلاسی، دی کنسائز انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (سان فرانسیسکو: ہارپر اینڈ رو، ۱۹۸۹ء صفحہ ۳۵)

(۲) کنسائز انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، صفحہ ۳۰۶

Marfat.com

باب۔۲

مسلم ممالک کی عمومی کیفیت

اس باب کا مقصد مسلم ممالک کے موجودہ روحانی، معاشی، سیاسی اور فوجی حالات کو سمجھنا ہے۔ شماریاتی جدول میں ۵۰ مسلم ممالک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جن میں سے بیشتر او آئی سی کے رکن ہیں۔ ان میں سے کچھ ملکوں مثلاً نائجیریا اور لبنان میں بڑی تعداد میں غیر مسلم اقلیتیں بھی آباد ہیں۔ دیگر ملکوں مثلاً چین اور بھارت میں بہت بڑی تعداد میں مسلم اقلیتی آبادیاں ہیں۔ مگر جدول میں ان کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے (صرف بھارت میں مسلمانوں کی آبادی بارہ کروڑ سے زائد ہے)۔ بوسنیا کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوئے اس لیے اسے شامل نہیں کیا گیا۔

مندرجہ ذیل ۵۰ ممالک میں سے ۲۴ ممالک افریقہ کے شمالی اور وسطی حصوں میں واقع ہیں۔ جب کہ بقیہ ممالک ایشیا کے جنوبی اور وسطی حصوں اور مشرق وسطیٰ میں واقع ہیں۔

(الف) موجودہ اقتصادی حالات:

۱۹۔ آبادی:

جن پچاس مسلم اکثریتی ملکوں کے اعداد و شمار مل سکے ان کی آبادی ایک اندازہ کے مطابق ۱۹۹۲ء میں ۹۸۸ ملین جب کہ دنیا کی مجموعی آبادی ۵۴۳۸ ملین تھی اور یوں اس مجموعی آبادی میں مسلم آبادی کا تناسب ۱۸ فیصد کے لگ بھگ تھا۔ بعض ممالک (لبنان، عراق، سوڈان اور افغانستان) کے قابل اعتماد اعداد و شمار دستیاب نہیں ہو سکے اس لیے انھیں شامل نہیں کیا گیا۔ اگر ان ملکوں کی آبادی بھی شامل کر لی جائے تو کل تعداد ایک ارب سے تجاوز کر جائے گی۔(۱) بعض مسلم ممالک کی آبادی بہت مختصر ہے۔ گیارہ ممالک ایسے ہیں جن کی آبادی دو ملین سے بھی کم ہے۔ (حال ہی میں اسلامی کانفرنس تنظیم کی رکنیت میں اضافہ ہوا ہے)۔

مندرجہ ذیل جدول ا میں مسلم اکثریتی آبادیوں والے ۵۰ ملکوں کے شماریاتی کوائف دیے گئے ہیں۔(۲)

Marfat.com

شماریاتی کوائف:

جدول ۱

نمبر شمار	ملک	رقبہ ۱۰۰۰ مربع کلومیٹر	آبادی ملین ۱۹۹۲ء	فی کس مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) امریکی ڈالر ۹۲ء	مجموعی قومی پیداوار کا میزان امریکی ڈالرز۔ ملین	سالانہ فی صد شرح نمو ۹۲-۱۹۸۰ء	فی صد سالانہ شرح افراط زر ۹۲-۱۹۸۰ء
۱	افغانستان	۶۵۲	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲	الجزائر	۲۳۸۲	۲۶٫۳	۱۸۴۰	۴۸۳۹۲	نفی ۱	۱۱
۳	آذربائیجان	۸۷	۷٫۴	۷۴۰	۵۴۷۶	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴	بحرین	۱	۰٫۵	۷۱۳۰	۳۵۶۵	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۵	بنگلہ دیش	۱۴۴	۱۱۴٫۴	۲۲۰	۲۵۱۶۸	۲	۹
۶	بینن	۱۱۳	۵٫۰	۴۱۰	۲۰۵۰	نفی ۱	۲
۷	برونائی	۶	۰٫۲	اونچی آمدنی			
۸	برکینافاسو	۲۷۴	۹٫۵	۳۰۰	۲۸۵۰	۱	۴
۹	کیمرون	۴۷۵	۱۲٫۲	۸۲۰	۱۰۰۰۴	نفی ۲	۴

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	رقبہ ۱۰۰۰ مربع کلومیٹر	آبادی ملین ۱۹۹۲ء	فی کس مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) امریکی ڈالر ۹۲ء	مجموعی قومی پیداوار کا میزان امریکی ڈالرز۔ ملین	سالانہ فی صد شرح نمو ۹۲۔۱۹۸۰ء	فی صد سالانہ شرح افراط زر ۹۲۔۱۹۸۰ء
۱۰	چاڈ	۱۲۸۴	۶٫۰	۲۲۰	۱۳۲۰	۳	۱
۱۱	کوموروز	۲	۰٫۵	۵۱۰	۲۵۵	نفی ۱	۶
۱۲	جیبوتی	۲۳	۰٫۵	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۱۳	مصر	۱۰۰۱	۵۴٫۷	۶۴۰	۲۵۰۰۸	۲	۱۳
۱۴	گیبن	۲۶۸	۱٫۲	۴۴۵۰	۵۳۴۰	نفی ۴	۲
۱۵	گیمبیا	۱۱	۱٫۰	۳۷۰	۳۷۰	دستیاب نہیں	۱۸
۱۶	گنی بساؤ	۳۶	۱٫۰	۲۲۰	۲۲۰	۲	۵۹
۱۷	گنی	۲۴۶	۶٫۱	۵۱۰	۳۱۱۱	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۱۸	انڈونیشیا	۱۹۰۵	۱۸۴٫۳	۶۷۰	۱۲۳۴۸۱	۴	۸
۱۹	ایران	۱۶۴۸	۵۹٫۶	۲۲۰۰	۱۳۱۱۲۰	نفی ۱	۱۶
۲۰	عراق	۴۳۸	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۱	اردن	۸۹	۳٫۹	۱۱۲۰	۴۳۶۸	نفی ۵	۵

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	رقبہ ۱۰۰۰ مربع کلومیٹر	آبادی ملین ۱۹۹۲ء	فی کس مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) امریکی ڈالر ۹۲ء	مجموعی قومی پیداوار کا میزان امریکی ڈالرز۔ ملین	سالانہ فی صد شرح نمو ۹۲-۱۹۸۰ء	فی صد سالانہ شرح افراط زر ۹۲-۱۹۸۰ء
۲۲	قازقستان	۲۷۱۷	۱۷٫۰	۱۶۸۰	۲۸۵۶۰	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۳	کویت	۱۸	۱٫۵	۱۶۱۵۰	۲۴۲۲۵	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۴	کرغیزستان	۱۹۹	۴٫۵	۸۲۰	۳۶۹۰	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۵	لبنان	۱۰	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۶	لیبیا	۱۷۶۰	۴٫۷	۵۳۱۰	۲۴۹۵۷	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۷	ملائیشیا	۳۳۰	۱۸٫۶	۲۷۹۰	۵۱۸۹۴	۳	۲
۲۸	مالدیپ	۰٫۳	۰٫۲	۵۰۰	۱۰۰	۷	دستیاب نہیں
۲۹	مالی	۱۲۴۰	۹٫۰	۳۱۰	۲۷۹۰	نفی ۳	۴
۳۰	ماریطانیہ	۱۰۲۶	۲٫۱	۵۳۰	۱۱۱۳	نفی ۱	۸
۳۱	مراکش	۴۴۷	۲۶٫۲	۱۰۳۰	۲۶۹۸۶	۱	۷
۳۲	نائجر	۱۲۶۷	۸٫۲	۲۸۰	۲۲۹۶	نفی ۴	۲
۳۳	نائجیریا	۹۲۴	۱۰۱٫۹	۳۲۰	۳۲۶۰۸	صفر	۱۹

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	رقبہ ۱۰۰۰ مربع کلومیٹر	آبادی ملین ۱۹۹۲ء	فی کس مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) امریکی ڈالر ۹۲ء	مجموعی قومی پیداوار کا میزان امریکی ڈالرز۔ ملین	سالانہ فی صد شرح نمو ۹۲۔۱۹۸۰ء	فی صد سالانہ شرح افراط زر ۹۲۔۱۹۸۰ء
۳۴	اومان	۲۱۲	۱٫۶	۶۴۸۰	۱۰۳۶۸	۴	نفی ۳
۳۵	پاکستان	۷۹۶	۱۱۹٫۳	۴۲۰	۵۰۱۰۶	۳	۷
۳۶	قطر	۱۱	۰٫۵	۱۶۷۵۰	۸۳۷۵	نفی ۱۱	دستیاب نہیں
۳۷	سعودی عرب	۲۱۵۰	۱۶٫۸	۷۵۱۰	۱۲۶۱۶۸	نفی ۳	نفی ۲
۳۸	سینیگال	۱۹۷	۷٫۸	۷۸۰	۶۰۸۴	صفر	۵
۳۹	سیرالیون	۷۲	۴٫۴	۱۶۰	۷۰۴	نفی ۱	۶۱
۴۰	صومالیہ	۶۳۸	۸٫۱	۱۷۰	۱۳۷۷	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴۱	سوڈان	۲۵۰۶	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	۴۳
۴۲	شام	۱۸۵	۱۲٫۵	۱۱۶۰	۱۴۵۰۰	نفی ۱	۱۴
۴۳	تاجکستان	۱۴۳	۵٫۶	۴۹۰	۲۷۴۴	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴۴	تیونس	۱۶۴	۸٫۴	۱۷۲۰	۱۴۴۴۸	۱	۷
۴۵	ترکی	۷۷۹	۵۸٫۵	۱۹۸۰	۱۱۵۸۳۰	۳	۴۶

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	رقبہ ۱۰۰۰ مربع کلومیٹر	آبادی ملین ۱۹۹۲ء	فی کس مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) امریکی ڈالر ۹۲ء	مجموعی قومی پیداوار کا میزان امریکی ڈالرز۔ ملین	سالانہ فی صد شرح نمو ۹۲۔۱۹۸۰ء	فی صد سالانہ شرح افراط زر ۹۲۔۱۹۸۰ء
۴۶	ترکمانستان	۴۸۸	۳٫۹	۱۲۳۰	۴۷۹۷	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴۷	یوگنڈا	۲۳۶	۱۷٫۵	۱۷۰	۲۹۷۵	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴۸	متحدہ عرب امارات	۸۴	۱٫۷	۲۲۰۲۰	۳۷۴۳۴	نفی ۴	۱
۴۹	ازبکستان	۴۴۷	۲۱٫۵	۸۵۰	۱۸۲۷۵	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۵۰	یمن	۴۷۲٫۱	۱۲٫۵	۵۲۰	۶۵۰۰	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
	میزان	۳۰۵۶۳	۹۸۸٫۰	—	۱۰۱۵۵۰۲	—	—
	فی کس آمدنی			۱۰۳۴			
	کم آمدنی والے ممالک	۳۸۲۲۹	۳۱۹۱٫۳	۳۹۰	۱۲۴۴۶۰۷	۴	۱۲
	کمزور میانہ آمدنی	۴۰۹۰۳	۹۴۱	۱۵۹۰	۱۴۹۶۱۹۰	دستیاب نہیں	۴۱
	☆اونچی آمدنی	۳۱۷۰۹	۸۲۸٫۱	۲۲۱۶۰	۱۸۳۵۰۶۹۶	۲	۴
	دنیا کے دیگر ممالک	۱۳۳۳۷۸	۵۴۳۸٫۲	۴۲۸۰	۲۳۲۷۵۴۹۶	۱	۱۷
	عالم اسلام فی صد	۲۳	۱۸٫۲	۲۴	۴		

اونچی آمدنی = ۸۳۵۶ امریکی ڈالر یا اس سے زائد

ذریعہ: عالمی بینک، عالمی ترقیاتی رپورٹ ۱۹۹۴ء۔ جدول۔۱، بنیادی اشاریہ

Marfat.com

۲۰۔ فی کس آمدنی:

مسلم ممالک کی آمدنی کی سطحوں کے بارے میں مندرجہ ذیل عمومی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(الف) ستائیس ممالک کم آمدنی والے گروپ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی ۱۹۹۲ء کی جی این پی فی کس آمدنی ۶۷۰ امریکی ڈالر یا اس سے بھی کم ہے۔ غریب ترین مسلم ممالک افریقہ میں زیریں صحارا کے علاقے اور جنوبی ایشیا میں واقع ہیں۔

(ب) چودہ ممالک نچلے درمیانہ آمدنی والے گروپ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی فی کس آمدنی ۶۷۰ اور ۲۷۳۰ ڈالر کے درمیان ہے۔

(ج) پانچ ممالک (ملائیشیا، بحرین، گیبن، اومان اور سعودی عرب) بالائی درمیانہ آمدنی گروپ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی آمدنی ۲۷۳۰ اور ۷۵۱۰ ڈالرز کے درمیان ہے۔

(د) تین ممالک (متحدہ عرب امارات کویت اور قطر) اونچی آمدنی والے ملکوں کے گروپ سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی گروپ سے تعلق رکھنے والے ایک اور ملک (برونئی) کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہو سکے۔

(ہ) چھ وسط ایشیائی جمہوریائیں ایک اہم تغیراتی مرحلے سے گزر رہی ہیں۔ ۹۴۔ ۱۹۹۳ء کے دوران ان کی آمدنی کی شرح کا تخمینہ نظر ثانی کر کے کم کر دیا گیا۔

ان ہی کوائف کی بنیاد پر یہ اضافی تبصرے بھی کیے جا سکتے ہیں۔

(الف) مسلم ممالک کی فی کس مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) صومالیہ اور یوگنڈا کے لیے ۱۶۰ ڈالر سالانہ سے لے کر متحدہ عرب امارات کے لیے ۲۲۰۲۰ ڈالر کے درمیان رہی۔

(ب) مسلم اکثریت رکھنے والے پچاس ممالک میں سے، جن کے کچھ اعداد و شمار دستیاب ہوئے، صرف آٹھ ممالک ایسے ہیں جو بالائی اوسط آمدنی یا اونچی آمدنی والے درجہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

(ج) دنیا میں کم آمدنی والے تمام ملکوں کے لیے وزن دار اوسط فی کس جی این پی ۳۹۰ امریکی ڈالر، درمیانہ آمدنی والے ملکوں میں ۲۴۹۰ ڈالر اور اونچی آمدنی والے ممالک میں ۲۲۱۶۰ ڈالر تھی جب کہ بحیثیت مجموعی پوری دنیا کے لیے فی کس جی این پی ۴۲۸۰ ڈالر تھی۔

(د) ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمانوں کی فی کس جی این پی ۱۰۳۴ ڈالر تھی اس کی بنا پر دنیا کے اوسط درجے کے مسلمان باشندے نچلے درمیانہ آمدنی کے زمرہ میں آتے تھے۔ (۳)

۲۱۔ قوت خرید:

مذکورہ بالا فی کس آمدنی کی قوت خرید اونچی آمدنی والے ممالک کے تعلق سے (امریکی ڈالر میں) بیان کردہ اعداد و شمار کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔ پاکستان میں ۱۹۹۲ء کی فی

Marfat.com

کس آمدنی ۴۲۰ ڈالر ہے۔ تاہم قوت خرید کی بنیاد پر عالمی بینک کے حساب کتاب کے مطابق یہ آمدنی ۲۱۳۰ ڈالر یا ۵ء۱ گنی زائد ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش کی تخمینی قوت خرید ۱۲۳۰ ڈالر (۵ء۶ گنی)؛ نائجیریا کی ۱۴۴۰ ڈالر (۴ء۵ گنی)، انڈونیشیا کی ۲۹۷۰ ڈالر (۴ء۴ گنی)، مصر کی ۳۶۷۰ ڈالر (۵ء۷)، ترکی ۵۱۷۰ ڈالر (۲ء۶ گنی)، ایران ۵۲۸۰ ڈالرز (۲ء۴ گنی) اور ملائیشیا کی قوت خرید ۸۰۵۰ ڈالر (۲ء۹ گنی) ہے۔ ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمانوں کی قوت خرید (۴) فی کس آمدنی کے اعداد و شمار کے مقابلہ میں کم از کم ۳ گنی ہے۔

۲۲۔ مجموعی قومی پیداوار:

۱۹۹۲ء کے دوران میں دنیا کی مجموعی قومی پیداوار ۲۳۲۷۵ بلین ڈالر تھی۔ جن مسلم ممالک کے اعداد و شمار دستیاب ہوئے ان کی مجموعی قومی پیداوار ۱۰۲۲ بلین ڈالر یا ۴ء۴ فیصد کے قریب تھی۔ ڈالر کے اعداد و شمار اور قوت خرید میں پائے جانے والے مندرجہ بالا فرق کی بنا پر دنیا کی قوت خرید میں مسلمانوں کا حصہ غالباً ۱۰ یا ۱۵ فیصد بنتا ہے۔ سب سے بڑی معیشتوں کے حامل چار مسلم ممالک میں ایران ۱۳۱ بلین ڈالر، سعودی عرب ۱۲۶ بلین ڈالر، انڈونیشیا ۱۲۳ بلین ڈالر اور ترکی ۱۱۵ بلین ڈالر شامل ہیں۔

۲۳۔ پسماندگی:

متعدد مسلم ممالک کئی اہم اعتبار سے کم ترقی یافتہ ہیں یہ ممالک مندرجہ ذیل خصوصی کیفیات کے حامل ہیں:

(الف) آبادی کی بھاری فیصد شرح کی غربت کی کیفیت

(ب) اول تو کم آمدنی اور پھر اس کی ناقص تقسیم

(ج) افرادی قوت کا بڑا حصہ ناخواندہ اور ناقص طور پر تربیت یافتہ

(د) وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی بیروزگاری اور روزگار کے محدود مواقع

(ہ) ناکافی بنیادی ڈھانچہ

(و) صحت، تعلیم اور عوام کی فلاح و بہبود پر کم اخراجات

(ز) غیر ملکی امداد پر بھاری انحصار

(ح) بچتوں اور سرمایہ کاری کی کم تر شرح

ان میں سے بعض نکات پر بعد میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ان مسائل پر ناکافی توجہ کا نتیجہ مسلسل پسماندگی کی شکل میں برآمد ہونے کا امکان ہے۔ مندرجہ ذیل جدول ۲ میں اکثریتی مسلم آبادیوں پر مشتمل ۵۰ ملکوں کے اقتصادی کوائف دیے گئے ہیں:

Marfat.com

جدول ۲

اقتصادی کوائف:

نمبر شمار	ملک	متوقع عمر سال (۱۹۹۲ء)	شرح ناخواندگی بالغان اعداد و شمار (۱۹۹۰ء)	زراعت۔ فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	صنعت۔ فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	بیرونی قرضہ۔ فی صد مجموعی قومی پیداوار (۱۹۹۱ء)	قرضہ۔ فی صد ادائیگی سود برآمدگی مال و خدمات
۱	افغانستان	۴۳	۷۱	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲	الجزائر	۶۷	۴۳	۱۴	۵۰	۷۰	۷۴
۳	آذربائیجان	۷۱	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴	بحرین	۶۹	۲۳	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۵	بنگلہ دیش	۵۵	۶۵	۳۶	۱۶	۵۶	۲۰
۶	بینن	۵۱	۷۷	۳۷	۱۴	۷۰	۶
۷	برونئی	۷۴	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۸	برکینافاسو	۴۸	۸۲	۴۴	۲۰	۳۵	۹
۹	کیمرون	۵۶	۴۶	۲۷	۲۲	۵۸	۱۹

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	متوقع عمر سال (۱۹۹۲ء)	شرح ناخواندگی بالغان اعداد و شمار (۱۹۹۰ء)	زراعت۔ فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	صنعت۔ فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	بیرونی قرضہ۔ فی صد مجموعی قومی پیداوار (۱۹۹۱ء)	قرضہ۔ فی صد ادائیگی سود برآمدگی مال و خدمات
۱۰	چاڈ	۴۷	۷۰	۴۳	۱۸	۴۷	۵
۱۱	کوموروز	۵۶	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۱۲	جیبوتی	۴۹	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۱۳	مصر	۶۲	۵۲	۱۸	۳۰	۱۳۳	۱۷
۱۴	گیبن	۵۴	۳۹	۹	۴۵	۸۸	۷
۱۵	گیمبیا	۴۵	۷۳	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۱۶	گنی بساؤ	۳۹	۶۴	۴۶	۱۲	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۱۷	گنی	۴۴	۷۶	۲۹	۳۵	۹۵	۱۸
۱۸	انڈونیشیا	۶۰	۲۳	۱۹	۴۱	۶۶	۳۳
۱۹	ایران	۶۵	۴۶	۲۱	۲۱	۱۲	۴
۲۰	عراق	۶۵	۴۰	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۱	اردن	۷۰	۲۰	۷	۲۶	۲۲۷	۲۱

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	متوقع عمر سال (۱۹۹۲ء)	شرح ناخواندگی بالغان اعداد و شمار (۱۹۹۰ء)	زراعت۔ فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	صنعت۔ فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	بیرونی قرضہ، فی صد مجموعی قومی پیداوار (۱۹۹۱ء)	قرضہ۔ فی صد وادائیگی سود بر آمدگی مال و خدمات
۲۲	قازقستان	۶۸	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۳	کویت	۷۵	۲۷	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۴	کرغزستان	۶۶	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۵	لبنان	۶۶	۲۰	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۶	لیبیا	۶۳	۳۶	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۷	ملائیشیا	۷۱	۲۲	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	۴۸	۸
۲۸	مالدیپ	۶۲	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۲۹	مالی	۴۸	۶۸	۴۴	۱۲	۱۰۵	۵
۳۰	ماریطانیہ	۴۸	۶۶	۲۲	۳۱	۲۱۵	۱۷
۳۱	مراکش	۶۳	۵۱	۱۹	۳۱	۸۰	۲۸
۳۲	نائجر	۴۶	۷۲	۳۸	۱۹	۷۳	۵۰
۳۳	نائجیریا	۵۲	۴۹	۳۷	۳۸	۱۰۹	۲۵

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	متوقع عمر سال (۱۹۹۲ء)	شرح ناخواندگی بالغان اعداد و شمار (۱۹۹۰ء)	زراعت۔ فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	صنعت۔ فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	بیرونی قرضہ۔ فی صد مجموعی قومی پیداوار (۱۹۹۱ء)	قرضہ۔ فی صد ادائیگی سود برآمدگی مال و خدمات
۳۴	اومان	۷۰	دستیاب نہیں	۴	۵۲	۲۹	دستیاب نہیں
۳۵	پاکستان	۵۹	۶۵	۲۶	۲۶	۵۰	۲۱
۳۶	قطر	۷۱	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۳۷	سعودی عرب	۶۹	۳۸	۷	۵۲	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۳۸	سینیگال	۴۹	۶۲	۲۰	۱۹	۶۳	۲۰
۳۹	سیرالیون	۴۳	۷۹	۴۳	۱۴	۱۶۸	دستیاب نہیں
۴۰	صومالیہ	۴۹	۷۶	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴۱	سوڈان	۵۲	۷۳	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴۲	شام	۶۷	۳۶	۳۰	۲۳	۱۰۴	دستیاب نہیں
۴۳	تاجکستان	۶۹	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴۴	تیونس	۶۸	۳۵	۱۸	۳۲	۶۶	۲۳
۴۵	ترکی	۶۷	۱۹	۱۸	۳۴	۴۸	۳۱

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	متوقع عمر سال (۱۹۹۲ء)	شرح ناخواندگی بالغان اعداد و شمار (۱۹۹۰ء)	زراعت۔فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	صنعت۔فی صد مجموعی داخلی پیداوار (۱۹۹۱ء)	بیرونی قرضہ۔فی صد مجموعی قومی پیداوار (۱۹۹۱ء)	قرضہ۔فی صد ادائیگی سود برآمدگی مال و خدمات
۴۶	ترکمانستان	۶۶	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴۷	یوگنڈا	۴۳	۵۲	۵۱	۱۲	۱۰۹	۷۰
۴۸	متحدہ عرب امارات	۷۲	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۴۹	ازبکستان	۶۹	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
۵۰	یمن	۵۳	۶۲	۲۲	۲۶	۸۸	۷
	وزن دار اوسط						
	کم آمدنی	۶۲	۴۰	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
	کم/درمیانہ آمدنی والے ملک	۶۷	۳۵	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	۴۲	۲۱
	اونچی آمدنی والے ملک	۷۷	۴	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں
	دنیا	۶۶	۳۵	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں

کوائف مال و خدمت برائے ۱۹۹۱ء۔

ذریعہ: عالمی بینک، عالمی ترقیاتی رپورٹ، ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۴ء۔

Marfat.com

۲۴۔ بچوں کی شرح اموات:

بچوں کی بقا اور فلاح و بہبود کے میدان میں قابل ذکر پیش رفت کے باوجود صاف پانی کی قلت، صفائی ستھرائی کی ناقص صورتحال، غذائی کمی اور اسہال و خسرہ جیسی بیماریوں کے عام ہونے کی وجہ سے او آئی سی کے رکن ممالک میں ہر سال ۵ برس سے کم عمر کے ۵۰ لاکھ بچے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مزید بر آں لاکھوں بچے ایسے امراض میں مبتلا ہو کر شدید معذوری کا شکار ہو جاتے ہیں جن سے معمولی سے خرچہ پر محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق چھہتر [۷۶] ممالک میں پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کی شرح اموات بہت زیادہ ہے۔ ان میں پچیس ممالک او آئی سی کے رکن ہیں۔

۲۵۔ شرح نمو:

۱۹۹۲ء میں ختم ہونے والے تیرہ سالہ عرصے کے دوران میں بحیثیت مجموعی پوری دنیا کی شرح نمو تو مثبت تھی مگر کم از کم اٹھارہ مسلم ممالک کی شرح نمو منفی رہی۔ دیگر بیشتر ممالک کی شرح نمو بہت کم تھی۔ انڈونیشیا اومان اور مالدیپ کی شرح نمو سب سے زیادہ رہی جو بالترتیب ۴ فیصد، ۱ء۴ فیصد اور ۶ء۸ فیصد تھی جب کہ دوسرے تمام ملکوں کی شرح اور کم تھی۔ تیل برآمد کرنے والے بیشتر مسلم ممالک کی شرح نمو منفی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کے بہت سے مسلم ممالک میں مسلسل غربت تھی۔ اس کے برعکس بعض غیر مسلم ترقی پذیر ممالک کی شرح نمو میں بہت اضافہ ہوا جن میں کوریا (۸ء۵ فیصد) تھائی لینڈ (۶ فیصد) اور چین (۶ء۷ فیصد) شامل ہیں۔

۲۶۔ افراط زر:

۱۹۸۰ء۔۹۲ کے اسی عرصے کے دوران میں اونچی آمدنی والے ممالک اپنے افراط زر پر قابو پانے میں بالعموم کامیاب رہے۔ تاہم بہت سے کم آمدنی اور درمیانہ آمدنی والے ممالک افراط زر کی بہت اونچی شرح کی وجہ سے پریشان رہے۔ مسلم ممالک میں بھی افراط زر کی شرح میں اضافے کا وہی انداز جاری رہا۔ افریقہ کے بعض غریب ممالک اور ترکی بالخصوص سخت متاثر ہوئے جہاں افراط زر کی شرح ۴۰ فیصد سالانہ سے تجاوز کر گئی دوسری طرف تیل برآمد کرنے والے بعض مسلم ممالک میں افراط زر کی شرحیں منفی رہیں۔

Marfat.com

۲۷۔ زرعی پیداوار:

۱۹۹۱ء کے دوران میں دنیا کی کم آمدنی والی معیشتوں کی مجموعی داخلی پیداوار (جی ڈی پی) میں زراعت کا حصہ ۲۹ فیصد تھا۔ کم اور درمیانہ آمدنی والے ممالک میں مشترکہ طور پر کیفیت یہ تھی کہ افریقی صحارا کے زیریں خطہ میں زراعت کا حصہ ۳۱ فیصد، شرقی ایشیا میں ۱۹ فیصد، جنوبی ایشیا، میں ۳۱ فیصد، اور مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں ۱۴ فیصد تھا۔ ایندھن بر آمد کرنے والے ملکوں کے ایک گروپ کے طور پر مجموعی داخلی پیداوار میں زراعت کا حصہ ۱۲ فیصد تھا۔ مغرب کے اونچی آمدنی والے ملکوں کی مجموعی داخلی پیداوار میں زراعت کا حصہ ۳ فیصد سے ۶ فیصد تک تھا۔ مسلم معیشتیں افریقہ، ایشیا، اور مشرق وسطیٰ میں واقع ہیں اور ان میں علاقائی طریقے پر چلنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ کم آمدنی والے متعدد مسلم ممالک میں زراعت کا حصہ مجموعی داخلی پیداوار کے ۴۰ فیصد سے زائد ہے جس سے صنعتی اور اقتصادی ترقی کی نسبتاً کم تر شرحوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔

۲۸۔ صنعتی پیداوار:

۱۹۹۱ء کے دوران میں کم آمدنی والی معیشتوں کی مجموعی داخلی پیداوار (جی ڈی پی) میں صنعتی پیداوار کا حصہ ۳۴ فیصد تھا۔ کم اور درمیانہ آمدنی والی تمام معیشتوں میں صنعت کا حصہ افریقی صحارا کے زیریں خطے میں ۲۹ فیصد مشرقی ایشیا اور بحرالکاہل کے حلقے میں واقع ممالک میں ۴۱ فیصد، اور جنوبی ایشیا میں ۲۶ فیصد تھا۔ افریقہ کے نیم صحرائی خطے میں بیشتر مسلم ممالک کی صنعتی پیداوار ۲۰ فیصد سے بھی کم رہی۔ دیگر ملکوں کا انداز بھی یہی رہا کیوں کہ جن مسلم ممالک کے اعداد و شمار دستیاب ہیں ان میں صرف بارہ ملک ایسے ہیں جہاں صنعتی پیداوار ۳۰ فیصد سے زائد ہے صرف پانچ ممالک انڈونیشیا، الجزائر، گیبون، اومان اور سعودی عرب میں صنعتی پیداوار کی شرح ۴۰ فیصد سے زائد رہی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایک گروپ کی حیثیت سے مسلم ممالک صنعتی ترقی میں بہت پیچھے ہیں۔

Marfat.com

۲۹۔ بیرونی قرضے اور سود کی ادائیگی:

۱۹۹۱ء میں کم آمدنی والی معیشتوں کی مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) کی فیصد شرح کے اعتبار سے مجموعی قرضوں کی شرح ۴۵ فیصد، نچلی درمیانہ آمدنی والے ملکوں کے لیے ۵۳ فیصد، بالائی درمیانہ آمدنی والی معیشتوں میں ۳۳ فیصد تھی۔ گروپ کی حیثیت سے قرضوں میں بری طرح جکڑے ہوئے ملکوں کے بیرونی قرضوں کی مالیت مجموعی قومی پیداوار کا ۴۶ فیصد تھی۔ چند مستثنیات کے سوا تمام مسلم ممالک (جن کے اعداد و شمار دستیاب ہیں) بری طرح مقروض ہیں۔ کم از کم ۸ مسلم ممالک کے بیرونی قرضے ان کی مجموعی قومی پیداوار سے ۱۰۰ فیصد سے بھی اوپر نکل چکے ہیں۔ اس سے مسلم ممالک کے بیرونی قرضوں کی اونچی سطح کا اندازہ ہوتا ہے۔

حال ہی میں سعودی عرب اور کویت نے بھاری قرضے لیے ہیں جب کہ انڈونیشیا، پاکستان اور دیگر ممالک نے تجارتی قرضوں پر انحصار میں اضافہ کر دیا ہے۔ (بین الاقوامی ایجنسیوں سے نرم شرائط پر قرضوں کے حصول کی بہ نسبت) اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم ممالک کے بیرونی قرضوں اور ادائیگی سود کا مسئلہ جتنا ظاہر کیا گیا ہے اس سے زیادہ بگڑ چکا ہے۔

(ب) موجودہ سیاسی حالات:

۳۰۔ اقسامِ حکومت:

بیشتر مسلم ممالک میں حکومتوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

(الف) سابق فوجی حکمرانوں کی سربراہی میں ایک جماعتی حکومت

(ب) فوجی حکومت

(ج) بادشاہت

(د) جمہوریت

(ہ) پابند جمہوریت

Marfat.com

سوویت یونین کے زوال کے بعد اور اس کے ساتھ ہی جمہوری مغرب کی طاقت میں اضافہ کی بنا پر متعدد مسلم ممالک میں فوجی حکمرانوں نے نئے دساتیر اور بہ عجلت انتخابات کے انعقاد کے ذریعے اپنی حکومت کو جائز بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے لیے ہمیشہ ایک جماعت کو (قومی حکمراں کی سربراہی میں) استعمال کیا جاتا ہے اور قومی ترقی کی رفتار تیز کرنے اور قومی اتحاد برقرار رکھنے کو اس کا جواز بنایا جاتا ہے۔ کم از کم چھ ممالک میں اب بھی براہ راست فوجی حکومت ہے۔ دیگر تقریباً تمام ہی ملکوں کا نظم و نسق طاقتور فوجی رہنماؤں کی نظروں کا تابع ہوتا ہے۔ نو ملکوں پر بادشاہوں کی حکومت ہے۔

چند مسلم ممالک (مثلاً ملائیشیا) میں جمہوری طور پر منتخب حکومتیں قائم ہیں۔ متعدد ملکوں میں کسی نہ کسی شکل میں "پابند" منتخب حکومت ہے (یعنی اعلیٰ عہدے کے امیدواروں کی چھان پھٹک کی جاتی ہے) مثلاً ترکی اور پاکستان میں امیدواروں کو فوج کی "منظوری" درکار ہوتی ہے جب کہ ایران میں انھیں علما کی "منظوری" کی ضرورت پڑتی ہے۔ بعض مبصرین کا دعویٰ ہے کہ کچھ مسلم ممالک، بالخصوص اقتصادی اور فوجی طور پر دست نگر یا امداد کے طالب ملکوں میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز افراد کے لیے امریکہ کی منظوری یا "عدم اعتراض" کا عندیہ درکار ہوتا ہے۔ غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ اچھے تعلقات کا نتیجہ اکثر و بیشتر اپنے ملک میں سیاسی، اقتصادی اور فوجی کامیابی کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔

۱۳۔ محدود جمہوریت:

مسلم ممالک سمیت زیادہ تر ترقی پذیر ملکوں میں جمہوریت ایسی حکومت نہیں ہوتی جو عام لوگوں کی ہو، عام لوگوں کے لیے ہو اور عام لوگ اسے چلائیں۔ ان بہت سے ملکوں میں:

(الف) دساتیر، پارلیمینٹ کی نمائندگی اور عدلیہ کی تشریح کے مطابق، قوم کی عمومی سوچ کی عکاسی نہیں کرتے اور آئینی حکمرانی من مانی حکمرانی میں مانع نہیں ہوتی۔

(ب) حزب اختلاف کی جماعتوں پر جبر و ستم کے حربے استعمال کر کے انھیں ان کے جائز

Marfat.com

کردار سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

(ج) جاندار اپوزیشن کی عدم موجودگی کا مطلب ہے سرکاری اہلکاروں کے ہاتھوں میں لامحدود اختیارات اور ناجائز مال و دولت میں اضافہ، انسانی حقوق کی مسلسل خلاف ورزی اور شہری آزادیوں کی نفی۔

(د) قانون اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ریاستی مظالم کے آلہ کار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

(ہ) فوج اگر حقیقتاً اقتدار پر قابض نہ ہو تو بھی اسے طاقت کے سب سے اہم وسیلے کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ سیاسی مسائل کے حل کے لیے سیاست داں ایک دوسرے سے معاملہ کرنے کے بجائے براہ راست فوج سے معاملہ کرتے ہیں اور جمہوری سیاسی عمل کو مزید کمزور کر دیتے ہیں۔

متعدد مسلم ممالک میں جمہوریت پر عملدر آمد کیا جا رہا ہے۔ فوج کی قیادت میں چلنے والی کچھ حکومتوں نے گزشتہ پانچ سال کے دوران میں نئے اور زیادہ جمہوری آئین متعارف کرائے ہیں۔ اس فہرست میں بنگلہ دیش، آذربائجان، بینن، گیبون اور گنی شامل ہیں۔ بہت سے ملکوں نے نئے صدور منتخب کیے ہیں۔

۳۲۔ اسلامی جمہوریت:

اسلام اگرچہ مشاورت پر مبنی قیادت کا تقاضہ کرتا ہے مگر اپنے پیروکاروں کے لیے اس نے کوئی مخصوص طرز حکومت متعین کرنے کا کوئی واضح حکم صادر نہیں کیا۔ اس کے بجائے اسلام رہنماؤں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنے دلوں میں خوف خدا، عالی ظرفی اور انصاف کے جذبے کے ساتھ حکومت کریں۔ عملی لحاظ سے اسلام اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اگر حکمرانوں کے دل اسلام کے جذبے سے عاری ہوں تو پھر اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ حکومت کس قسم کی ہے۔ طرز حکومت کوئی بھی ہو، خواہ بادشاہت ہو، جمہوری یا مذہبی حکومت ہو یا کسی شہنشاہ کی قلمرو ہو، اسلامی لحاظ سے وہ صرف اسی وقت قابل اعتراض

Marfat.com

ٹھہرے گی جب، وہ شریعت یا اسلامی قوانین کے نفاذ میں ناکام رہے اور قابل تعظیم روایات کو ترک کردے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم حکومتیں اپنی درجہ بندی (۵) حکومت کے روایتی مغربی تصورات کے مطابق شاذونادر ہی کرتی ہیں۔

چند جدید مسلم ممالک اپنے عوام کی قیادت کے انتخاب کا وسیع موقع فراہم کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ صوبائی اور مقامی حکومت کے قائدین کا تقرر بھی عموماً قومی قیادت سے ان کی وفاداری کی بنیاد پر عمل میں آتا ہے۔

اکثر رہنما "طاقت" کے بل پر اقتدار حاصل کرتے ہیں اور اس پر قابض رہتے ہیں۔ سیاسی معاملات میں مسلمانوں کو منتخب قسم کی حکومتوں کا نسبتاً کم ہی تجربہ ہے۔ ان کی روایات اور ثقافت اس قسم کی سیاست کو بطور خاص فائدہ مند یا ضروری تسلیم نہیں کرتیں۔ بعض تقلید پسند مسلمانوں کے نزدیک منتخب حکومت ان کی ثقافت سے متصادم ایک غیر ملکی نظریہ کی نمائندگی کرتی ہے جسے سابق نوآبادیاتی آقاؤں یا ان کے اشاروں پر رقص کرنے والے تربیت یافتہ گرگوں نے مسلط کیا ہے اور وہی اس کی حمایت کرتے ہیں۔

اس کے برعکس قابل ذکر طاقتوں کی حامل بہت سی مغربی حکومتوں کی سربراہی منتخب عہدیدار کرتے ہیں یہ لوگ اپنے نظریات کی بنیاد پر عوام الناس کی تائید و حمایت سے برسر اقتدار آئے ہیں اور یہ اسی وقت تک برسر اقتدار رہتے ہیں جب تک ان کے عوام پسند کریں۔ مغرب کے قائدین خود کو ایک مقدس ورثہ کا امین اور نمائندہ سمجھتے ہیں جو ان کے قابل فخر مدبروں اور فلسفیوں نے چھوڑا تھا اور جس پر جابر حکمرانوں کے خلاف عظیم الشان انقلابات کے ذریعے عملدرآمد کی راہ ہموار ہوئی۔ اس لیے اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ مسلم اور مغربی سربراہان حکومت کے درمیان سیاست میں کوئی مشترک مقصد نہیں پایا جاتا۔ سفارتی تکریم کے پس پشت بہت سے مسلم قائدین کو مغرب کے سیاستداں، اور وہاں کے ذرائع ابلاغ اور دانشور عام طور پر حقیر سمجھتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

مندرجہ ذیل جدول ۳ میں غالب مسلم اکثریتی آبادیوں پر مشتمل پچاس ممالک کے سیاسی اور فوجی کوائف دیے گئے ہیں:

Marfat.com

جدول ۳

سیاسی اور فوجی کوائف:

نمبر شمار	ملک	آزادی کا سال	طرز حکومت	فوج کی تعداد ۱۰۰۰ افراد: بری	بحری	فضائی	کل تعداد	درجہ بندی
۱	افغانستان	(د)	خانہ جنگی	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	اوسط
۲	الجزائر	۱۹۶۲ء	فوجی	۱۲۰۰۰۰	۷۰۰۰	۱۲۰۰۰	۱۳۹۰۰۰	جدید
۳	آذربائجان	۱۹۹۱ء	منتخب صدر	۳۰۰۰۰	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	۳۰۰۰۰	جدید
۴	بحرین	۱۹۷۱ء	بادشاہت	۵۰۰۰	۵۰۰	۶۵۰	۶۱۵۰	جدید
۵	بنگلہ دیش	۱۹۷۱ء	وزیر اعظم / پارلیمنٹ	۹۳۰۰۰	۷۵۰۰	۶۰۰۰	۱۰۶۵۰۰	جدید
۶	بینن	۱۹۶۰ء	منتخب صدر	۱۲۰۰۰	صفر	صفر	۱۲۰۰۰	بنیادی
۷	برونئی	۱۹۸۴ء	بادشاہت	۳۶۰۰	۵۵۰	۳۰۰	۴۴۵۰	جدید
۸	برکینا فاسو	۱۹۶۰ء	منتخب صدر	۷۰۰۰	صفر	۲۰۰	۷۲۰۰	بنیادی
۹	کیمرون	۱۹۶۰ء	منتخب صدر	۶۶۰۰	صفر	صفر	۶۶۰۰	بنیادی

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	آزادی کا سال	طرز حکومت	بری	بحری	فضائی	کل تعداد	درجہ بندی
۱۰	چاڈ	۱۹۶۰ء	وزیراعظم	۲۵۰۰۰	صفر	صفر	۲۵۰۰۰	بنیادی
۱۱	کوموروز	۱۹۷۵ء	صدر / فوجی اثر ورسوخ	۷۰۰	صفر	صفر	۷۰۰	بنیادی
۱۲	جیبوتی	۱۹۷۷ء	صدر / فوجی اثر ورسوخ	۳۶۸۰	۱۰۰	۱۰۰	۳۸۸۰	بنیادی
۱۳	مصر	۱۹۲۲ء	منتخب صدر	۲۹۰۰۰۰	۲۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	۴۱۰۰۰۰	جدید
۱۴	گیبن	۱۹۶۰ء	منتخب صدر	۳۲۵۰	۵۰۰	۱۰۰۰	۴۷۵۰	بنیادی
۱۵	گیمبیا	۱۹۶۵ء	منتخب صدر	۸۰۰	صفر	صفر	۸۰۰	بنیادی
۱۶	گنی بساؤ	۱۹۷۴ء	منتخب صدر	۶۸۰۰	۳۰۰	۱۰۰	۷۲۰۰	بنیادی
۱۷	گنی	۱۹۵۸ء	صدر	۸۵۰۰	۴۰۰	۸۰۰	۹۷۰۰	بنیادی
۱۸	انڈونیشیا	۱۹۴۵(و)	اسمبلی کا منتخب کردہ صدر	۲۱۵۰۰۰	۴۴۰۰۰	۲۴۰۰۰	۲۸۳۰۰۰	جدید
۱۹	ایران	(د)	منتخب صدر	۴۷۵۰۰۰	۱۸۰۰۰	۳۵۰۰۰	۵۲۸۰۰۰	جدید
۲۰	عراق	۱۹۳۲ء	یک جماعتی حکومت تاحیات صدر	۳۵۰۰۰۰	۱۰۰۰	۳۰۰۰۰	۳۸۱۰۰۰	جدید
۲۱	اردن	۱۹۴۶ء	بادشاہت	۸۵۰۰	۴۰۰	۱۴۰۰۰	۲۲۹۰۰	جدید

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	آزادی کا سال	طرزِ حکومت	بری	بحری	فضائی	کل تعداد	درجہ بندی
۲۲	قازقستان	۱۹۹۱ء	جمہوریت / فوجی حکومت	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	جدید
۲۳	کویت	(الف)	بادشاہت	۷۰۰۰	۱۰۰۰	۲۰۰	۸۲۰۰	جدید
۲۴	کرغزستان	۱۹۹۱ء	جمہوریت / فوجی ویٹو	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	جدید
۲۵	لبنان	۱۹۴۵ء	قومی اسمبلی کے ذریعہ صدر	۱۷۵۰۰	۵۰۰	۸۰۰	۱۸۸۰۰	جدید
۲۶	لیبیا	۱۹۵۱ء	اسمبلی کا چنا ہوا قائد	۵۵۰۰۰	۸۰۰۰	۲۲۰۰۰	۸۵۰۰۰	جدید
۲۷	ملائیشیا	۱۹۴۸ء	وزیر اعظم	۱۰۵۰۰۰	۱۰۵۰۰	۱۲۴۰۰	۱۲۷۹۰۰	جدید
۲۸	مالدیپ	۱۹۵۳ء(ب)	منتخب صدر	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	بنیادی
۲۹	مالی	۱۹۶۰ء	منتخب صدر	۶۹۰۰	۵۰	۴۰۰	۷۳۵۰	بنیادی
۳۰	ماریطانیہ	۱۹۶۰ء	منتخب صدر	۱۰۵۰۰	۴۵۰	۱۵۰	۱۱۱۰۰	بنیادی
۳۱	مراکش	۱۹۵۶ء	بادشاہت	۱۷۵۰۰۰	۷۰۰۰	۱۳۵۰۰	۱۹۵۵۰۰	جدید
۳۲	نائجر	۱۹۶۰ء	فوجی حکومت	۳۲۰۰	صفر	۱۰۰	۳۳۰۰	بنیادی
۳۳	نائجیریا	۱۹۶۰ء	فوجی حکومت	۸۰۰۰۰	۵۰۰۰	۹۵۰۰	۹۴۵۰۰	جدید

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	آزادی کا سال	طرز حکومت	بری	بحری	فضائی	کل تعداد	درجہ بندی
۳۴	اومان	۱۹۵۱ء	بادشاہت	۲۰۰۰۰	۳۴۰۰	۳۰۰۰	۲۶۴۰۰	جدید
۳۵	پاکستان	۱۹۴۷ء	وزیر اعظم رپارلیمنٹ	۵۰۰۰۰۰	۲۰۰۰۰	۴۵۰۰۰	۵۶۵۰۰۰	جدید
۳۶	قطر	۱۹۷۱ء(ج)	بادشاہت	۶۰۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۷۵۰۰	جدید
۳۷	سعودی عرب	(د)	بادشاہت	۴۵۰۰۰	۹۵۰۰	۱۸۰۰۰	۷۲۵۰۰	جدید
۳۸	سینیگال	۱۹۶۰ء	منتخب صدر	۸۵۰۰	۷۰۰	۵۰۰	۹۷۰۰	بنیادی
۳۹	سیرالیون	۱۹۶۱ء	فوجی حکومت	۳۰۰۰	۱۵۰	صفر	۳۱۵۰	بنیادی
۴۰	صومالیہ	۱۹۶۰ء	خانہ جنگی جاری ہے	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	بنیادی
۴۱	سوڈان	۱۹۵۵ء	فوجی حکومت	دستیاب نہیں	۵۰۰	۶۰۰۰	۶۵۰۰	اوسط
۴۲	شام	۱۹۴۱ء	منتخب صدر	۳۰۰۰۰۰	۴۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	۴۰۴۰۰۰	جدید
۴۳	تاجکستان	۱۹۹۱ء	جمہوریت رفوجی ویٹو	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	جدید
۴۴	تیونس	۱۹۵۶ء	منتخب صدر	۲۷۰۰۰	۴۵۰۰	۳۵۰۰	۳۵۰۰۰	جدید
۴۵	ترکی	(د)	جمہوریت رفوجی ویٹو	۴۷۰۰۰۰	۵۲۰۰۰	۵۷۲۰۰	۵۷۹۲۰۰	جدید

Marfat.com

نمبر شمار	ملک	آزادی کا سال	طرزِ حکومت	بری	بحری	فضائی	کل تعداد	درجہ بندی
۴۶	ترکمانستان	۱۹۹۱ء	جمہوریت / فوجی ویٹو	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	جدید
۴۷	یوگنڈا	۱۹۶۲ء	فوجی	۷۰۰۰۰	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	۷۰۰۰۰	بنیادی
۴۸	متحدہ عرب امارات	۱۹۷۱ء	بادشاہت	۴۰۰۰۰	۱۵۰۰	۲۵۰۰	۴۴۰۰۰	جدید
۴۹	ازبکستان	۱۹۹۱ء	جمہوریت / فوجی ویٹو	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	جدید
۵۰	یمن	۱۹۵۳ء (ہ)	منتخب صدر	۶۰۰۰۰	۳۰۰۰	۲۰۰۰	۶۵۰۰۰	اوسط
	مسلم افواج کی کل تعداد			۳۷۳۹۰۳۰	۲۳۲۷۰۰	۵۲۱۷۰۰	۴۴۹۳۴۳	

(الف) کویت کا نیا آئین ۱۹۶۲ء میں تیار ہوا۔

(ب) مالدیپ ۱۹۵۳ء میں جمہوریہ بنا۔

(ج) قطر ۱۹۷۱ء میں اقوام متحدہ کا رکن بنا۔

(د) افغانستان، ایران، ترکی اور سعودی عرب نے طویل عرصہ سے مختلف شکلوں میں اپنی آزادی برقرار رکھی۔

(ہ) یمن میں مجاہدین آزادی نے ۱۹۵۳ء میں آزادی حاصل کی۔

(و) نیدرلینڈ کی مطلق العنان بادشاہت کا سلسلہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ختم کر دیا گیا۔

ذرائع۔ آزادی کا سال (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا، اور دی ورلڈ المنیک ۱۹۹۵ء)، اسلامی ممالک کا خاکہ، اسلامی پروپیگیشن ارگنائزیشن تہران ۱۹۸۹ء فوجی کوائف۔ دی یوروپا ورلڈ ایر بک ۱۹۹۲ء۔ فوجی درجہ بندی مصنف نے خود کی ہے۔

Marfat.com

(ج) موجودہ روحانی حالات:

۳۳۔ مذہبی اختلافات:

"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمھارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، وہی اُن کو بتائے گا کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔" (سورۃ ۶:۱۵۹)۔

مسیحیت کی طرح اسلام میں بھی متعدد فرقے پائے جاتے ہیں۔ سنی اور شیعہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقے ہیں جب کہ بہت چھوٹے چھوٹے فرقے بھی ہیں جن میں مختلف نوعیت کے اختلافات موجود ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت سینوں پر مشتمل ہے۔ قابل ذکر شیعہ آبادی والے ملک بہت کم ہیں۔ ایران، عراق، آذربائیجان اور بحرین میں شیعوں کی اکثریت ہے۔ کویت اور لبنان کی تقریباً ۳۰ فیصد آبادی شیعہ ہے۔ خود سنی اکثریت بھی چار بڑے مکاتب فکر حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی میں بٹی ہوئی ہیں تاہم ان کے درمیان کوئی بڑے اختلافات نہیں ہیں۔

مسلمانوں کے مابین اہم مسائل مثلاً حدیث، اسلامی فقہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ سنی کہتے ہیں کہ جانشینی کی جو ترتیب سامنے آئی وہ درست تھی۔ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جانشین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہونا چاہیے تھا اور خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان ہی میں رہنی چاہیے تھی۔ شیعوں اور سنیوں کے درمیان ہر سال خصوصاً محرم کے مہینے میں، اسی جانشینی کے مسئلہ پر تصادم اور تشدد کے واقعات پیش آتے ہیں۔

دوسرے نسبتاً چھوٹے فرقوں میں، اسماعیلی فرقہ آغاخاں کو اپنا روحانی پیشوا مانتا ہے۔ امریکہ میں علیجاہ محمد نے نیشن آف اسلام قائم کی جس نے محمد علی اور مالکم ایکس جیسے باکسنگ چیمپین پیدا کیے۔ عقیدہ میں اہم اختلافات کے باوجود علیجاہ محمد کے "سیاہ فام مسلمانوں" نے مکہ کی زیارت کی اور مسلمانوں کی طرح حج کیا۔

احمدیہ فرقہ کے لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں اور مقررہ مذہبی رسوم اور عبادات کی پابندی

Marfat.com

بھی کرتے ہیں مگر انھیں حج کی اجازت نہیں اور دائرہ اسلام سے انھیں خارج تصور کیا جاتا ہے۔ انھیں دائرہ اسلام سے خاص طور پر اس لیے خارج کیا گیا کہ وہ اپنی تحریک کے بانی غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔ اسلام سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق رکھنے والے دیگر گروپوں میں "بہائی" اور سکھ بھی شامل ہیں مگر نہ تو یہ امت مسلمہ کا حصہ ہیں اور نہ یہ خود کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

۳۴۔ عقیدہ بمقابلہ رواج:

روحانی طور پر مضبوط ہونے کے باوجود مسلمان کمزور ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ اور قرآن کی صداقت اور یوم حشر پر بلا پس و پیش ایمان کا بدستور برملا اظہار کیا جاتا ہے تاہم اکثر و بیشتر ہمارے روزمرہ کے معمولات ہمارے اس عقیدہ کی عکاسی نہیں کرتے۔ مذہبی معمولات میں یہ بڑھتی ہوئی غفلت مسلم معاشرتی نظام میں سنگین اختلال کا سبب بن رہی ہے۔ شہری علاقوں میں بہت سے مسلمان، بالخصوص اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان، غیر مسلموں کے ساتھ ربط و ضبط کی بنا پر مغربی نظریات قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مغربی ذرائع ابلاغ کے اثرات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ امریکہ کو جسے مسلم ممالک میں لادینی اقدار کے پرچار میں مدد دینے پر مطعون کیا جاتا ہے، حال ہی میں خود اپنے رائے دہندگان کی طرف سے اخلاقی اقدار کی پاسداری کے مطالبے کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ مطالبہ داعیان اسلام کی طرف سے بنیادی مذہبی شعائر کی جانب رجوع کرنے کے مطالبے ہی کی بازگشت ہے۔ پورے عالم اسلام میں روحانی بیداری کی تند و تیز لہر آئی ہوئی ہے جس کے اثرات مسلم نوجوانوں میں سب سے زیادہ محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

تمام مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سلوک کو انسانی رویہ کا مثالی نمونہ مانتے ہیں۔ آپ کی حیات طیبہ، اسوہ حسنہ اور فرمودات کو بڑی تفصیل سے ضبط تحریر میں لے آیا گیا ہے۔ بہت سے مسلمان آپ کی سنت پر من و عن عمل پیرا ہونے مثلاً صحیح طرز کی داڑھی، لباس اور آداب مجلس پر بہت زور دیتے ہیں۔ بدعات کو مذہب کے لیے اگر تباہ کن نہیں تو ضرر رساں ضرور سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ

Marfat.com

خصوصاً دورِ جدید میں آپ ﷺ کی روحانی مثال، اللہ پر ایمان، عاجزی، اور کریم النفسی پر عمل پیرا ہونا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

۳۵۔ قرآن:

مسلمان قرآن کی بے پناہ تعظیم کرتے ہیں۔ قرآن کو اونچی پاک جگہ پر رکھا جاتا ہے۔ یہ کبھی زمین سے مس نہیں ہونے دیا جاتا۔ اکثر و بیشتر اسے چوما بھی جاتا ہے۔ اہم اجتماعات کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا جاتا ہے جسے بڑے ادب و احترام سے سنا جاتا ہے۔ حسن قرأت کے مقابلوں میں بہترین قاریوں کو انعامات دیے جاتے ہیں۔ تاہم عربی بولنے والے ممالک سے باہر چند ہی لوگ صحیح طریقے سے قرآن پڑھ سکتے ہیں اور اس کو سمجھنے والوں کی تعداد تو اور بھی کم ہے۔ زیادہ تر مسلمان دوسری زبانوں میں اس کے تراجم اور تفاسیر پڑھتے ہیں مگر علما کرام برابر یاد دلاتے رہتے ہیں کہ کلام پاک معانی و مطالب کا بحر بیکراں ہے اور عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر ہم علم و حکمت کے اس بیش بہا خزانہ سے استفادہ کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے مسلمانوں کی تعداد تو بہت ہی کم ہے۔

۳۶۔ یوم حساب:

مسلمان روز قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ موت سے کسی کو رستگاری نہیں موت بوڑھوں، جوانوں، حتیٰ کہ بچوں کو بھی نہیں چھوڑتی۔ اس کے باوجود زیادہ تر مسلمانوں کی زندگی میں چند ہی اعمال ایسے ہوتے ہیں جو موت، آخرت اور حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی پر ایمان و ایقان کے حقیقی جذبے کے عکاس ہوں۔

د۔ موجودہ فوجی صورتحال:

۳۷۔ فوجی افرادی قوت:

دی یوروپا ورلڈ ایئر بک ۱۹۹۲ء سے حاصل کردہ کوائف کی بنیاد پر مسلم ممالک کی فوجی افرادی قوت کے اعداد و شمار کا خلاصہ مذکورہ بالا جدول میں دیا جا چکا ہے۔ بری، بحری اور فضائی افواج کے اعداد و شمار بعض صورتوں میں جون ۱۹۹۲ء اور دوسری صورتوں میں جون ۱۹۹۱ء کے مطابق ہیں۔ پانچ وسط ایشیائی جمہوریاؤں اور افغانستان سمیت بڑی مسلح افواج رکھنے والے

Marfat.com

متعدد ممالک کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ سعودی عرب اور کویت کی فوجی طاقت میں حالیہ اضافے کے بارے میں بھی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ تاہم دستیاب کوائف کی بنیاد پر تمام مسلم مسلح افواج کی مجموعی تعداد ۴۴۹۳۰۰۰ کے لگ بھگ ہے جس میں بری افواج کی تعداد ۳۷۳۹۰۰۰، بحریہ کی ۲۳۲۰۰۰ اور فضائیہ کی نفری ۵۲۱۷۰۰ ہے۔ ہر معیار سے مسلم ممالک کی مسلح افواج کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

مندرجہ ذیل جدول میں امریکہ، بھارت، برطانیہ جاپان، اسرائیل اور چین کی تقابلی فوجی افرادی طاقت کا خلاصہ دینے کے علاوہ مسلم افواج کی مجموعی تعداد بھی پیش کی گئی ہے:

ملک	بری فوج	بحری فوج	فضائی فوج	کل تعداد
امریکہ	۷۳۱۷۰۰	۷۷۹۵۰۰	۵۱۷۴۰۰	۲۰۲۸۶۰۰
بھارت	۱۱۰۰۰۰۰	۵۵۰۰۰	۱۱۰۰۰۰	۱۲۶۵۰۰۰
برطانیہ	۱۴۹۶۰۰	۶۱۸۰۰	۸۸۷۰۰	۳۰۰۱۰۰
جاپان	۱۵۶۰۰۰	۴۴۰۰۰	۴۶۰۰۰	۲۴۶۰۰۰
اسرائیل	۱۳۴۰۰۰	۱۰۰۰۰	۳۲۰۰۰	۱۷۶۰۰۰
چین	۲۳۰۰۰۰۰	۲۶۰۰۰۰	۴۷۰۰۰۰	۳۰۳۰۰۰۰
تمام مسلم ممالک	۳۷۳۹۰۳۰	۲۳۲۷۰۰	۵۲۱۷۰۰	۴۴۹۳۹۳۰

(خاکہ ۱: فوجی طاقت)

عددی اعتبار سے مسلم ممالک کی مجموعی مسلح افواج بہت بڑی اور اہمیت کی حامل نظر آتی ہیں۔ یہ دنیا کی کسی بھی طاقت کے مدمقابل ہو سکتی ہیں۔ برسہا برس تک دفاع پر بے تحاشہ اخراجات نے مسلم معیشتوں کو انتہائی ضروری اقتصادی ترقی سے تو محروم کر دیا مگر دفاعی مقاصد کے لیے انھوں نے بہت بڑی اور معقول حد تک اسلحہ اور ساز و سامان سے لیس افواج تیار کر لی ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ملک کے پاس نیم فوجی دستے اور پولس جمعیتیں بھی موجود ہیں۔ جنھیں عموماً داخلی امن و امان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ (اس وقت جاری مزاحمتی

Marfat.com

تحریکوں کے ارکان کو، جن میں سے ممکن ہے بعض انتہائی اعلیٰ تربیت یافتہ بھی ہوں، یہاں شامل نہیں کیا گیا ہے)۔ بڑی بڑی خانہ جنگیوں کے سوا (مثلاً صومالیہ) یہ غیر فوجی ادارے اندرون ملک نظم وضبط برقرار رکھنے کے لیے کافی ہیں۔

۳۸۔ فوجی ساز و سامان:

بہت سے مسلم ممالک کے پاس نسبتاً جدید فوجی ادارے موجود ہیں۔ ترکی، پاکستان، انڈونیشیا، مصر، شام، ایران اور سعودی عرب نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ دیگر ممالک مثلاً بنگلہ دیش، نائجیریا، مراکش، تیونس، اردن، ملائیشیا، الجزائر اور کویت کے پاس معقول حد تک فوجی ساز و سامان موجود ہے۔ یہ گروپ آپس میں مل کر کام کریں تو افرادی قوت اور روایتی فوجی سامان کے لیے ایک دوسرے کی جملہ ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ مشترکہ طور پر ان گروپوں کی مسلح افواج بہت سے دشمنوں کے مقابلے میں مسلم ممالک کا دفاع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ انفرادی طور پر مسلم ممالک کی یہی فوجیں مختصر، کمزور اور مدد کے لیے غیر ملکی فوجوں کی دست نگر ہیں۔

۳۹۔ حوصلہ:

عراق کی جانب سے ایران اور کویت پر فوج کشی اور پھر لیبیا اور عراق پر امریکہ کے حملوں کے بعد سے انفرادی طور پر مسلم ممالک کا حوصلہ پست پڑ گیا ہے۔ بہت سے ملک مغرب بالخصوص امریکہ کے ساتھ دوطرفہ تعلقات بہتر بنانے کے لیے بے قرار ہیں۔ لیکن وہی مسلم ممالک ایک دوسرے کی فوجی حتیٰ کہ مالی مدد اور حمایت میں بھی ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ ان میں کمزوری اور تنہائی کا ایک مشترک احساس موجود ہے۔ اسلامی سیاسی سوچ میں اضافے کے ساتھ اس صورت حال میں کسی حد تک تبدیلی آتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔

۴۰۔ بیرونی ٹکنالوجی پر انحصار:

تمام مسلم ممالک جدید ترین ساخت کے فوجی سامان اور ٹکنالوجی کے لیے کسی نہ کسی حد تک مغرب، روس یا چین پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ اپنے پاس ترقی یافتہ عسکری۔ صنعتی اداروں کی موجودگی میں مغربی قوموں کو فنی شعبوں میں مسلمانوں سے کوئی زیادہ خطرہ نہیں تاہم روایتی

Marfat.com

فوجی سامان تیار کرنے کی صلاحیت متعدد مسلم ممالک کے پاس موجود ہے۔ اس وقت زیادہ تر فوجی سامان بیرونی ممالک ہی سے خریدا جارہا ہے تو پھر ان مسلم ممالک کے فوجی بجٹ دیگر مسلم ملکوں سے روایتی اسلحہ کی خریداری کے لیے یا مقامی طور پر ہتھیاروں کی تیاری کے لیے بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

۴۱۔ فوجی مقاصد:

مسلمانوں کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ نئے عالمی نظام کے تحت وہ پرامن طور سے مگر برابر کے حصہ دار بن کر رہیں جو اپنی افرادی سیاسی، اقتصادی اور فوجی حیثیت کی بنا پر ان کا حق بھی بنتا ہے۔ اکثر لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے لیے دنیا میں پرامن بقائے باہم سے آگے کچھ سوچنا حماقت کی بات ہوگی۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ مسلمان بنیادی طور پر اپنے انفرادی اور اجتماعی دفاع کے لیے اپنی فوجی صلاحیت کا معیار بہتر بنانے اور فوجی سامان اور ٹکنالوجی میں خود کفالت حاصل کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اگر کوئی مسلمانوں کی فوجی طاقت پر تردد کا اظہار کرے تو اسے مسلمانوں کو متاثر کرنے والے فوجی تنازعات کی مثال دے کر یہ باور کرایا جاسکتا ہے کہ ان کے عزائم حقیقتاً دفاعی ہیں، جارحانہ نہیں۔

اس وقت متحد کرنے والا ایسا کوئی فوجی مقصد نظر نہیں آتا جس میں تمام مسلمان قومیں شریک ہوں۔ مذہبی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی طور پر ان کی پراگندہ خیالی کسی قابل ذکر یکجہتی میں مانع ہے۔ جن مسلم ملکوں میں جدید عسکری صلاحیتیں موجود ہیں ان میں سیاسی اور اقتصادی تعاون کمیاب ہے۔ ایران اور سعودی عرب کے درمیان جاری آویزش اس کی بڑی واضح مثال ہے۔ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی ایک مسلم ملک تمام مسلمانوں کا رہنما بن کر ابھرے۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ مسلم ممالک بھی یورپی یونین کے طرز پر اقتصادی اتحاد اور "ناٹو" کے طرز پر فوجی اتحاد قائم کرنے کے بارے میں غور کریں گے۔

Marfat.com

حواشی

(۱) سابقہ تخمینوں کی بنیاد پر لبنان کی آبادی ۲ء۸ ملین، عراق کی ۱۸ء۸ ملین، سوڈان ۳۰ ملین، افغانستان ۱۸ء۱ ملین۔

(۲) یہاں جو اقتصادی اعداد و شمار دیے گئے ہیں وہ بنیادی طور پر عالمی بینک کی عالمی ترقیاتی رپورٹ بابت ۱۹۹۴ء سے اخذ کیے گئے ہیں۔ خود یہ اعداد و شمار زیادہ تر ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۲ء تک کے عرصے سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) سوڈان، لبنان، عراق، افغانستان کے مستند کوائف کی عدم دستیابی کی وجہ سے انھیں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

(۴) عالمی بینک، عالمی ترقیاتی رپورٹ، ۱۹۹۴ء، جدول ۳۰ صفحہ ۲۲۰

(۵) ڈاکٹر عماد احمد سمیت بعض اسکالرز کا کہنا ہے کہ اسلام ایک "Nomocracy" (یعنی ایسی حکومت ہے جس میں قانون کی عملداری ہو)۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۳

مسلمانوں کی قوت

مسلمان کئی لحاظ سے بہت مضبوط ہیں جن میں سے بیشتر کی نشان دہی اس باب میں کی گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان خود ہی اپنی طاقت اور کمزوریوں کو پہچانیں، انھیں تسلیم کریں اور ان کا تجزیہ کریں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ وہ (الف) موجودہ مسائل کو سمجھ سکیں (ب) خود اعتمادی میں اضافہ کر سکیں (ج) اپنی قوت بڑھا سکیں اور (د) کمزوریوں کا تدارک کر سکیں۔ عالمی ذرائع ابلاغ اکثر خوابیدہ طاقتوں بالخصوص چین اور بھارت کی نشان دہی کرتے رہتے ہیں اور بعض اوقات ان میں مسلمانوں کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو اگر ایک بار خود اپنی طاقت کا احساس ہو جائے تو پھر انھیں بھی ایک بڑی عالمی طاقت تصور کیا جا سکتا ہے۔

> "... سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اُس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمھارے دل جوڑ دیے اور اُس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے..." (سورۃ: ۳: ۱۰۲۔ ۱۰۳)۔

Marfat.com

۴۲۔ قرآن:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، مسلمان اللہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نزول قرآن کی بنیاد پر مذہب کے مشترکہ بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ تمام مسلمان قرآن کے عربی متن کی صداقت پر متفق ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے رسول اللہ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی تھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ترجموں میں تو معمولی نوعیت کا فرق ملتا ہے اور اسی طرح تفسیروں اور تشریحوں میں بھی مگر تمام مسلمان ایک ہی عربی متن کی تلاوت کرتے ہیں۔

۴۳۔ اخوت:

فرقہ وارانہ، ثقافتی اور نسلی اختلافات سے قطع نظر مسلمان قرآن کے اس حکم کی بنیاد پر مضبوط جذبہ اخوت سے سرشار ہیں کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہیں، روزانہ باقاعدگی سے پانچ وقت کی نمازوں میں اسی جذبہ کا اظہار ہوتا ہے۔

۴۴۔ عبادات کی زبان:

اگرچہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت نہ تو عرب ہے اور نہ عربی زبان بولتی ہے مگر تمام مسلمان کسی نہ کسی حد تک عربی سیکھ لیتے ہیں۔ یہ قرآن کی تلاوت اور پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے۔ دنیا کا کوئی بھی ملک ہو مسلمان مسجد میں آسودہ اور مطمئن رہتے ہیں اور وہ عبادت کے وقت سیاسی حدبندیوں کو فراموش کر دیتے ہیں۔

۴۵۔ حج:

عیسائیت کے برعکس، مسلمان ہر سال کسی قسم کی فرقہ وارانہ تفریق کے بغیر فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ (سعودی عرب) میں اکٹھا ہوتے ہیں جو مسلمانوں کو متحد کرنے والا مذہبی اجتماع ہے۔ مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے اور امت واحدہ کی شکل دینے میں حج کا جو کردار ہے کسی اور مذہبی شعار کا نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال سے لے کر آج تک مسلمانوں کے اختلافات میں اضافہ ہی ہوا ہے مگر حج اور قرآن میں سرمو فرق نہیں آیا ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو متحد رکھتے ہیں۔

Marfat.com

۴٦۔ یوم حساب پر یقین:

تمام مسلمان دنیاوی زندگی کے عارضی ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ان میں نیکی اور بدی کا مشترکہ شعور پایا جاتا ہے جو اکثر اوقات کمزور ہونے کے باوجود قائم ودائم ہے۔ جس کی بنا پر نیک عمل کرنے اور برائی سے بچنے کی ضرورت کا احساس رہتا ہے۔

۴۷۔ نماز اور روزہ کے فوائد:

دن میں پانچ وقت فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے روحانی اجر کے علاوہ بھی بڑے فوائد ہیں۔

(الف) وضو (ہاتھوں، منہ، نتھنوں، چہرے، کہنیوں، سر، گردن اور پیروں کی صفائی) سے پانچ مرتبہ نماز کے وقت جسم یقینی طور پر صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ وضو سے مسلمانوں میں عملاً دن بھر صاف ستھرا رہنے کے رجحان کو تقویت ملتی ہے۔ صفائی کی اتنی تاکید کے نتیجے میں مومنین دن بھر ہر قسم کی برائی سے اجتناب برتتے ہیں۔

(ب) نماز کے لیے عورتوں اور مردوں دونوں کا لباس پاک اور ستر پوش ہونا ضروری ہے۔ اس سے تمام مسلمانوں میں صاف ستھرا لباس زیب تن کرنے اور ہر قسم کی عریانی سے گریز کے رجحان کو تقویت ملتی ہے۔

(ج) ہر نماز کے دوران میں بار بار جسم حرکت میں بھی لانا پڑتا ہے (قیام، رکوع، سجدہ اور جلسہ) اس طرح نماز دن میں پانچ مرتبہ اور ہر بار کئی منٹ تک جسمانی ورزش کا موقع فراہم کرتی ہے۔

(د) نماز میں بندہ اپنے رب سے براہ راست مخاطب ہوتا ہے اور یہ کم از کم مراقبہ کی ایک شکل تو ہے ہی ارتکاز فکر کا یہی وہ حصہ ہے جس کی اطبا بھی پرزور سفارش کرتے ہیں۔

حتیٰ کہ پوپ جان پال دوئم بھی مسلمانوں کی نماز سے بہت متاثر ہیں۔ "کراسنگ دی تھری شولڈ آف ہوپ" میں پوپ لکھتے ہیں:

> "نسخہ شفا (Nostra Aetate) سے متعلق بیان میں ہم پڑھتے ہیں:
> چرچ مسلمانوں کا بھی بے حد احترام کرتا ہے جو اس ایک خدا کی عبادت

Marfat.com

کرتے ہیں جو حیّ وقیوم ہے رحیم و کریم ہے اور وہی اس ارض و سما کا خالق ہے۔ (Nostra Aetate3)۔ اپنی توحید پرستی کی بنا پر اللہ پر ایمان رکھنے والے بالخصوص ہم سے بہت قریب ہیں، مسلمانوں کی دین داری اور پرہیزگاری لائق احترام ہے۔ (۱)

مثلاً نماز سے ان کے لگاؤ کی ستائش نہ کرنا قطعی ناممکن ہے۔ موقع اور جگہ کی کوئی پروا کیے بغیر گھٹنوں کے بل گرا استغراق کے عالم میں مصروف عبادت اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کا جو پیکر ابھرتا ہے وہ ان تمام لوگوں کے لیے ایک مثال ہے جو سچے خدا سے مدد کے طالب ہوتے ہیں خصوصاً ان عیسائیوں کے لیے جنھوں نے گرجا گھروں سے منھ موڑ لیا ہے اور بہت کم عبادت کرتے ہیں یا اس سے بالکل ہی بیگانہ ہو چکے ہیں۔" (۲)

ماہ رمضان میں ہر روز طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا ہوتا ہے۔ روح کی صفائی کے علاوہ اس سے غذائی احتیاط اور جسم کا وزن حد اعتدال میں رکھنے کا نہایت اچھا موقع ملتا ہے۔ دن بھر کی بھوک اور پیاس سے ان ناداروں کے حال زار کا احساس ہوتا ہے جو بھوکے رہنے پر مجبور ہیں۔ روزہ سے ضرورت مند افراد کی فراخدلانہ امداد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ماہ رمضان کے دوران میں صدقہ خیرات اور دیگر نیکیوں کا اللہ خصوصی اجر دیتا ہے۔

۴۸۔ کثیر آبادی:

دنیا کے ایک سو ستر آزاد ممالک میں تقریباً پچاس ملکوں کی آبادی مسلم اکثریت پر مشتمل ہے۔ مسلمان اقوام متحدہ میں قوموں کے بڑے بلاک میں سے ایک بلاک کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مسلم مبصرین کو یقین ہے کہ اگر مسلمان مناسب طور پر آپس میں تعاون کریں تو ایک بلاک کی حیثیت سے وہ نئے عالمی نظام کے تحت بجا طور پر سلامتی کونسل کی ایک مستقل نشست کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور اسے حاصل بھی کر سکتے ہیں۔ دنیا میں تقریباً پانچ ارب کی آبادی میں ایک ارب کے لگ بھگ مسلمان ہیں۔ مسلم اکثریتی ممالک کے علاوہ عملاً دنیا کے تمام ہی ملکوں میں مسلمان نمایاں تعداد میں آباد ہیں۔ صرف بھارت میں مسلمانوں کی تعداد

Marfat.com

پندرہ کروڑ کے قریب ہے۔ امریکہ، روس، چین، یورپ اور اسرائیل میں خاصی بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔ اس گروپ میں خواندگی کی شرح کم ہے تاہم عمدہ تربیت یافتہ افرادی قوت کا وسیع حلقہ موجود ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے میں بیروزگاری زیادہ ہے۔

۴۹۔ تنوع:

مسلمانوں میں ہر قسم کی نسلیں، ثقافتیں اور نسلی گروپ ملتے ہیں۔ مسلمانوں میں کالے بھی ہوتے ہیں گورے بھی، سانولی اور پیلی رنگت والے بھی اور ان میں بہت سے رنگوں کا امتزاج ہے۔ رسمی طور پر مسلمان نسل پرستی سے پاک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیوں کہ قرآن اور رسول اللہ نے اسے بالصراحت مسترد کیا ہے۔ لیکن ثقافتی، قوم پرستانہ اور نسلی اختلافات ہمیشہ موجود رہے، ان اختلافات کو نوآبادیاتی نظام کی حکمت عملی کے ذریعے اُبھارا گیا۔
مسلمان تمام براعظموں، بہت سے ملکوں اور بہت سی ثقافتوں میں رچ بس گئے ہیں۔ وہ بہت سی زبانیں بولتے ہیں، صحراؤں، میدانوں، پہاڑوں اور سواحل سمندر پر رہتے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی جگہ ہو مسلمان وہاں گھل مل کر رہتے ہیں۔ ان کے مزاج کی اس رنگارنگی کی وجہ سے لوگوں نے ان کا استحصال بھی کیا اور اسے ان کی کمزوری بھی سمجھا۔ تیزی سے سکڑتی ہوئی اس دنیا میں سیاسی، اقتصادی اور فوجی نقطہ نظر سے یہ فرق ایک بہت اہم اثاثہ ہے اور دنیا میں یہ خیر و فلاح کی قوت بھی بن سکتا ہے۔

۵۰۔ وسیع زمین اور قدرتی وسائل:

تقریباً ۳۰ ملین مربع کلومیٹر یا دنیا کے زمینی رقبے کے پانچویں حصے سے زائد (۲۳ فیصد) مسلمانوں کے پاس ہے۔ اس کے کچھ حصے بنجر اور ناقابل رہائش ہیں لیکن ان میں ہر قسم کے جغرافیائی خطے اور قدرتی وسائل پائے جاتے ہیں۔
مسلم ممالک خاص طور پر تیل اور گیس کے وسائل سے مالا مال ہیں۔ اسی لیے مغرب ان علاقوں پر کنٹرول کرنے کے لیے مختلف اقدامات کرتا رہتا ہے۔ تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم (اوپیک) میں مسلم غلبے کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیل سے مالا مال سلطنتوں نے گزشتہ دنوں میں مغرب کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ ان وسائل کو صرف اپنے

Marfat.com

استعمال میں لانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتیں۔ جنگ خلیج مغرب کے لیے مسلم علاقوں کی اہمیت کی بڑی واضح مثال ہے۔

حال میں مسلمانوں پر جو سیاسی اور فوجی دباؤ ڈالا گیا ہے اس کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ مسلم قیادت توانائی کے سلسلے میں مغرب کے مفادات کی تکمیل کرتی رہے۔ کوئی بھی گروپ جس کی سیاست مسلمانوں کے وسائل پر مغربی غلبے کی مخالفت پر مبنی ہوگی یا ان وسائل پر قابلِ ذکر اثر ورسوخ کی حامل ہوگی اس کو لازماً امن، جمہوریت، انسانی حقوق حتیٰ کہ تہذیب و تمدن کا دشمن قرار دے دیا جائے گا۔

۵۱۔ کثیر مالی وسائل:

مسلمان کثیر مالی وسائل رکھتے ہیں جو (الف) اربوں ڈالر کے سرکاری ذخائر، (ب) نجی ملکیتی نقدی اور تجارتی املاک اور (ج) سونے کی شکل میں موجود ہیں۔ سونا محفوظ مالی سرمایے کی بہت عام شکل ہے جو نادار ترین مسلم گھرانوں میں بھی زیورات کی شکل میں موجود ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۱۶ افراد پر مشتمل ہر خاندان اوسطاً ۵ء۔ آونس، سونے کا مالک ہوتا ہے جس کی مجموعی مقدار ۸۳ ملین آونس کے لگ بھگ ہے۔ ساڑھے تین سو ڈالر فی آونس کی شرح سے اس کی مالیت ۲۹ بلین ڈالر بنتی ہے۔

مسلمانوں میں مالیاتی امور کی مہارت کی بھی کمی نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ دنیا بھر میں سیکڑوں مالیاتی اداروں کے مالک اور منتظم ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مسلمانوں کا زیادہ تر سرمایہ مغرب میں لگا ہوا ہے۔ ایران اور عراق کی سیاسی سوچ میں تبدیلی آتے ہی ان کے اثاثے منجمد کر دیے گئے۔ سعودی عرب اور کویت سمیت دیگر خلیجی ریاستوں کو جنگ خلیج میں ہونے والے اخراجات کا بھگتان بھگتنا پڑا۔ وہ دسیوں ارب ڈالر گنوا چکی ہیں اور ان کی سر زمین پر متعین فوجیوں کے اخراجات کی ادائیگی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلم ممالک اور مغربی ممالک کے مابین اس زبردستی کے تعاون کا نتیجہ جنگ خلیج میں عجیب و غریب اتحادوں کی شکل میں برآمد ہوا جس میں امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ مل کر سعودی عرب عراق کے مسلمانوں کے خلاف لڑ رہا

Marfat.com

ہے اور ایران غیر جانبدار ہے۔

مسلم ممالک میں قدرتی وسائل کی شکل میں موجود دولت بے پناہ طاقت کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ مگر یہی عنصر تفریق کا باعث بھی ہے۔ اس خطہ میں بے پناہ مالی وسائل کی ملکیت کا معاملہ اس قدر نازک اور حساس ہے کہ جب بھی انھیں کوئی خطرہ لاحق ہوا تو اسلامی بندھن اگر مکمل طور پر ٹوٹا نہیں تو بھی اکثر خاصا کمزور تو ضرور پڑ گیا۔

۵۲۔ قابل ذکر صنعتی اساس:

متعدد مسلم ممالک، کم از کم اشیا صرف اور درمیانہ سطح کی ٹکنالوجی کی حد تک، مضبوط صنعتی اساس کے حامل ہیں بہت سے مسلم ملک اشیا صرف مثلاً پارچہ بافی، جفت سازی، زرعی مصنوعات اور بنیادی الیکٹرانکس مثلاً ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کے معاملے میں بڑی حد تک خود کفیل ہیں۔ مسلمان بہت سی دوسری اشیا بھی غیر ملکی صناعوں کے لائسنس کے تحت تیار کرتے ہیں۔ بعض مسلم ممالک ایسی بھاری مشینری بھی بناتے ہیں جن سے دوسری اشیا تیار کی جا سکتی ہیں۔ بعض مسلم ممالک پر امن مقاصد کے لیے ایٹمی ٹکنالوجی استعمال کر رہے ہیں۔ ایک مسلم ملک ایٹمی ہتھیار بنانے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ صنعتی خام مال وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔

۵۳۔ تربیت یافتہ افرادی قوت:

اگرچہ مسلم ممالک مین خواندگی کی شرح بہت کم ہے لیکن اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مسلم ممالک میں بھی اور بیرونی ممالک میں بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں اور دیگر پیشہ ور افراد اقتصادی ترقی کے تمام شعبوں میں مصروف عمل ہیں اور ان کی ایک بہت بڑی تعداد اندرون ملک یا بیرونی ملکوں میں زیر تربیت بھی ہے۔

اس وقت مسئلہ پیشہ ورانہ صلاحیت کے حامل افراد کی قلت کا نہیں بلکہ ان کی زائد از ضرورت دستیابی مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ اقتصادی ترقی کا دائرہ اتنا وسیع نہیں کہ اس میں بیروزگاری یا کم حیثیت روزگار کے مسئلے سے دوچار تمام افراد کی کھپت ہو سکے۔ موزوں ملازمتوں کے حصول میں دشواری کی وجہ سے بہت سے لوگوں میں تعلیم پر اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے

Marfat.com

رجحان کی حوصلہ شکنی ہو رہی ہے۔ جہاں تک تربیت یافتہ افرادی قوت کا تعلق ہے تو مسلمان اور زیادہ وسیع اقتصادی سرگرمی میں حصہ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۵۴۔ ابلاغ کا تجربہ اور حکمت عملی:

پچاس سے زائد مسلم ممالک میں ان کا اپنا طباعتی، سمعی و بصری ابلاغ کا سلسلہ موجود ہے۔ ان کے اپنے (الف) ٹیلی ویژن اور ریڈیو اسٹیشن ہیں جنھیں وہ خود ہی چلاتے ہیں۔ (ب) وہ دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں اخبارات اور ماہنامے شائع کرتے ہیں (ج) ان کے پاس تخصیص سے تمام شعبوں میں ہزاروں صحافی موجود ہیں اور (د) دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ کے ساتھ وہ رابطے اور تعلقات کار رکھتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ مسلم ممالک کے کم ترقی یافتہ علاقوں میں ذرائع ابلاغ (بالخصوص ٹی وی) کی کارکردگی بہت معمولی ہے مگر اسے بہ آسانی بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ بس انھیں صرف سرمایہ کی ضرورت ہے۔ مصنوعی سیاروں کے ذریعے دنیا کے تمام ملکوں کو قومی سرحدوں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مغربی ٹیلی ویژن کی نشریات کی یلغار کا سامنا ہے۔ سی این این، اسٹار ٹی وی اور آسٹریلین ٹی وی ان کی بڑی مثالیں ہیں۔ بڑا انٹینا رکھنے والا کوئی بھی شخص یہ نشریات دیکھ سکتا ہے۔ اکثر صورتوں میں نشریاتی ادارے اپنی نشریات سے استفادہ کرنے والوں سے کوئی فیس وصول کرنے کے بجائے اشتہارات کی آمدنی پر انحصار کرتے ہیں۔ بعض ممالک بہ خوشی اپنے شہریوں کو ان نشریات کے حصول کی اجازت دیتے ہیں جب کہ ملائیشیا کی طرح کچھ ملکوں کو اس امر پر تشویش ہے کہ نشر کرنے والی قوموں کی خبروں، نظریوں اور ثقافت کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔

مسلمانوں نے اپنی ابلاغی پالیسی کے مضمرات پر غور و فکر شروع کر دیا ہے۔ عالمی سطح پر ایک اہم اور ممتاز متبادل ابلاغ کا درجہ حاصل کرنے میں فنی اور مالی پہلو رکاوٹ ہیں۔ نئی نشریاتی ٹکنالوجی پر مکمل عبور حاصل کرنا پڑے گا یا پھر اسے خریدنا ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ معلومات یا مواد اکٹھا کرنے میں بھرپور توجہ، مواد کی تجزیاتی درجہ بندی اور پھر اسے جامع اور مناسب طور پر پیش کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

Marfat.com

۵۵۔ اخلاقی ساخت:

قرآن و حدیث کے ذریعے اسلام بار بار مسلمانوں کو اچھا بننے اور پاکباز رہنے کا پیغام دے رہا ہے۔ دنیاوی زندگی کے بعد آخرت کی منزل پر نظر رکھنے اور ایک دوسرے سے تعاون کی تاکید کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی وسیع اکثریت نے نہ کبھی شراب کو ہاتھ لگایا اور نہ ناجائز منشیات استعمال کیں۔ بیشتر مسلمانوں میں صبر و برداشت کا بے پناہ مادہ ہے اور وہ ابدی زندگی کے لیے بہ رضا و رغبت دنیاوی آسائشوں کو قربان کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ پوری دنیا میں اخلاقی انحطاط کا جو عالم ہے اسے دیکھتے ہوئے آج کے دور میں یہ پیغامات بیش قیمت بھی ہیں اور قابل قدر قوت کا ذریعہ بھی جنھیں اور تقویت بخشنے کی ضرورت ہے۔

۵۶۔ مضبوط جمعیتی احساس:

تمام مسلمانوں میں اخوت کا ایک مضبوط جذبہ پایا جاتا ہے، بھائی چارے کا نہ ختم ہونے والا ایک ایسا جذبہ جو سیاسی سرحدوں سے ماورا ہے۔ وہ جب مسلمانوں میں آپس کے تنازعات یا غیر مسلموں کی جانب سے کی جانے والی ناانصافیوں کی خبریں سنتے ہیں تو تمام مسلمانوں کو یکساں دکھ ہوتا ہے۔ جب جنگ خلیج میں مسلمان ہی مسلمان کے خلاف نبرد آزما تھے اور جب بوسنیا میں سربوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا تو تمام مسلمانوں نے یک زبان ہو کے اس کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ اگرچہ یہ احساس بڑی حد تک بے نتیجہ ہے کیوں کہ احتجاج کرنے والے لوگوں میں ایسی صورت حال کی مزاحمت اور جاندار جواب دینے کی اہلیت نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمان غیر ملکی سرزمینوں پر مصائب سے دوچار اپنے دینی بھائیوں کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ نماز جمعہ کے اجتماعات میں خطیب بڑی باقاعدگی سے ایسی مضبوط اور مخلص قیادت کی دعائیں کرتے ہیں جو مسلمانوں کے دفاع میں ان کی رہنمائی کر سکے۔

۵۷۔ مسلم قوم کی وحدت پر یقین:

قرآن میں مسلمانوں کو ایک "امت یا قوم" قرار دیا گیا ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو مسلمانوں کو اس سے بے پناہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر امت مسلمہ کی وحدت پر واقعی یقین ہو تو اس کے نتیجے میں سرحدوں کی پابندیاں ختم ہو سکتی ہیں اور پچاس سے زائد مسلم ممالک میں

Marfat.com

افرادی قوت، سرمایہ، سامان اور خدمات کی آزادانہ آمدورفت کی راہ نکل سکتی ہے۔

اس نوعیت کی متحدہ اسلامی تنظیم کے مقابلہ میں یورپی یونین اور دیگر مشترکہ منڈیوں کی حیثیت بہت معمولی اور مختصر ثابت ہو جائے گی۔ قرآن کے اس "فرمان" کو عملی شکل دی کس طرح جائے یہ مسلم قیادت بالخصوص او آئی سی کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ فاضل افرادی طاقت رکھنے والے غریب ممالک تو اس کے حق میں ہیں مگر نسبتاً مالدار ملکوں کو اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ تاہم انھیں قرآن کی تعلیمات کو یاد رکھنا چاہیے:

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے۔ انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں۔ اے نبی ﷺ ان سے کہو میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا عطا کرتا ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے۔" (سورۃ: ۳۴: ۳۴-۳۶)

مالدار طبقہ اس بارے میں مذہبی تعلیمات پر عمل کرے یا نہ کرے مسلمانوں کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ یہ ثابت کر دیں کہ "ایک مسلم قوم" کا نظریہ امیر اور غریب مسلم اقوام کے لیے یکساں طور سے پرکشش ہے۔ انھیں ان اسباب کا تجزیہ کرنا چاہیے جن کی بنا پر یورپی یونین کی نسبتاً مالدار قوموں نے غریب تر قوموں کے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور انھیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ امریکہ اور کینیڈا نے شمالی امریکی آزاد تجارتی معاہدے (این اے ایف ٹی اے) کے تحت میکسیکو جیسے غریب ملک کے ساتھ شمولیت کیوں اختیار کی۔ یورپی یونین اقتصادی طور پر تمام رکن ملکوں کے لیے سود مند ثابت ہوئی ہے۔ مسلم امت واحدہ پر یقین اور عملدرآمد سے امیر اور غریب تمام مسلمانوں کے حالات میں بہتری کا امکان ہے۔

۵۸۔ اچھی حکمرانی کے اصول:

اسلام اور اچھی حکمرانی میں بہت کچھ مشترک ہے۔ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی روایات

Marfat.com

سے باہمی مشورہ، عوامی خدمت، کمزور اور نادار کے تحفظ، مساوات، دادودہش، علمیت (تعلیم اورانسانی وسائل کے فروغ)،انسانی حقوق، فلاح انسانی کے لیے اخراجات اور اثاثوں کی مالیت کی بنیاد پر ٹیکس کے سادہ نظام کے نفاذ کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ یہ تو محض چند مثالیں ہیں۔ ورنہ مسلم ممالک میں حکمرانی کا جو انداز پایا جاتا ہے۔اس میں بڑی خامیاں ہیں اور انھیں ذیل میں زیر بحث لایا گیا ہے۔

۵۹۔خلاصہ:

جغرافیائی وسیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی طاقت کے بہت سے عوامل ہیں جو دوسروں کے لیے باعث رشک ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(الف) تیل اور گیس کے وسائل کی ملکیت (ب) مسلح افواج کی بھاری تعداد (ج) اہم علاقوں کی ملکیت اور (د) پچاس سے زائد ملکوں کی سیاسی قوت۔

مسلمان کئی لحاظ سے مضبوط ہیں تاہم انفرادی طور پر مسلم ممالک میں ان کی طاقت حکومتوں کو برسر اقتدار رکھنے پر مرکوز رہتی ہے۔اقتدار کو دوام بخشنے کی خاطر وہ بدعنوانی اور جبر سمیت ہر قیمت ادا کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ مسلمان اپنی قوت کو اجتماعی طور پر امت کی عمومی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنے میں اب تک ناکام رہے ہیں۔ وہ اپنے طاقت ور پیغام، مضبوط جذبہ اخوت، واحد مسلم قومیت پر یقین، اچھی حکمرانی کے اصول اور جغرافیائی وسیاسی قوت سے مشترکہ طور پر فائدہ نہیں اٹھاسکے۔اگر وہ متحد ہو جائیں توان کی تقویت کے دیگر اسباب (ابلاغ کا تجربہ، مالی وسائل، صنعتی اساس) کی اہمیت اور بڑھ سکتی ہے۔ تاہم غیر مسلموں کے مقابلے میں اسلامی ممالک میں بڑی پھوٹ ہے جو ان کے عقائد کے منافی ہے۔

حواشی

(۱) پوپ جان پال دوئم، کراسنگ دی تھری شولڈ آف ہوپ۔ نیویارک: الفرڈ اے نوف، انکارپوریٹیڈ، ۱۹۹۴ء ۔ صفحہ ۹۱)۔

(۲)ایضاً۔ صفحہ ۹۳)۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۴

مسلمانوں کو درپیش روحانی مسائل

مسلمانوں کی راہ میں بہت سی کمزوریاں حائل ہیں۔ وہ بٹے ہوئے ہیں۔ اکثر ساز باز اور جوڑ توڑ کا شکار رہتے ہیں۔ اور مالی فائدے کے لیے اپنی اقدار پر مفاہمت کر لیتے ہیں۔ روحانی طور پر ان میں اسلامی تعلیمات کی تشریح پر اختلاف ہے۔ ان میں مذہبی قیادت کا فقدان ہے وہ عربی نہیں سمجھتے من مانے طریقہ سے انھوں نے خواتین کا کردار محدود کر دیا ہے۔ اپنے عقائد سے غفلت برتتے ہیں اور مغربی رسم و رواج کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ بعض مسلمانوں نے اسلام پر عمل کو دشوار تر بنا دیا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر اصلاح کی ضرورت پر سب متفق ہیں۔ اس باب میں مختصراً روحانی مسائل کا تجزیہ کیا گیا ہے اور بعض اصلاحی اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔

"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمھارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، وہی اُن کو بتائے گا کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔" (سورۃ ۶:۱۵۹)

مسلمان قومی، نسلی، مذہبی فرقوں، لسانی، نسبی اور معاشی حیثیت کے لحاظ سے مختلف گروہوں

Marfat.com

میں بٹے ہوئے ہیں۔ مسلمان آپس میں لڑائی جھگڑے سے قطعاً نہیں جھجکتے اور نہ وہ ان عوامل پر مبنی ایک دوسرے کے "سچے عقیدہ" پر اعتراض ہی سے احتراز کرتے ہیں۔

اس کی ایک حالیہ مثال صومالیہ ہے جہاں مختلف قبائلی سرداروں میں خانہ جنگی کا نتیجہ وسیع پیمانہ پر ہلاکتوں، فاقہ زدگی اور امن وامان کی مکمل تباہی کی شکل میں برآمد ہوا۔ ۱۹۹۳ء کے اوائل میں صومالیہ میں قیام امن کے لیے تعینات اقوام متحدہ کی فوج میں پاکستانی مسلمان بھی شامل تھے۔۔ یہ واضح نہیں کہ صرف پاکستانیوں اور صومالی باشندوں ہی نے ایک دوسرے پر گولیاں کیوں برسائیں۔ بہرحال اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ امریکہ کے بحری فوجیوں نے مدغادیشو پر حملہ کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اکثر ایک دوسرے کی تباہی میں مدد دیتے رہتے ہیں۔

مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کی ایک اور اندوہناک مثال افغانستان ہے جہاں عدم استحکام کی موجودہ لہر ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اس وقت آئی جب صدر داؤد نے اپنے مسلم پڑوسی پاکستان اور ایران سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی اور سوویت یونین پر انحصار کم کر دیا۔ سوویت کٹھ پتلیوں کی طرف سے چند فوجی بغاوتوں کے بعد سوویت افواج اپنے مقامی کمیونسٹ ساتھیوں کی حمایت میں افغانستان پہنچ گئیں۔ مغرب اور افغانستان اور دوسرے ممالک کے بہت سے مسلمانوں نے متحد ہو کر کمیونسٹوں کو شکست دینے کے لیے برسوں جدوجہد کی۔ دونوں طرف کے ہزاروں افراد کی ہلاکت اور افغانستان کے بیشتر علاقے کی تباہی کے بعد سوویت افواج کی واپسی عمل میں آئی۔ بہرحال جب تمام معاملات افغان مجاہدین کے اپنے ہاتھوں میں آ گئے تو انھوں نے آپس میں ہی لڑنا شروع کر دیا اور انھوں نے اپنے شہروں، پیداواری ڈھانچوں اور زندگی کو فنا کرنے کے لیے جس طرح بھاری اسلحہ استعمال کیا اس کی اس ملک کی پر تشدد تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ صومالیہ کے برعکس افغانستان میں خاص خاص متحارب دھڑوں کی قیادت معروف مذہبی رہنما کر رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ اللہ اس کے ساتھ ہے۔

افغانستان میں مسلم اتحاد کا سبب یہ تھا کہ مغربی ممالک نے سوویت یونین کے مقابلے کے

Marfat.com

لیے اس کی حمایت کی، مالی امداد فراہم کی اور مختلف گروپوں کو اس کوشش میں شریک ہونے پر آمادہ کیا۔ اب جب کہ سوویت خطرہ باقی نہیں رہا تو مسلم اتحاد اور افغانستان میں ممکنہ بنیاد پرست حکومت کی شکل میں مغرب کو ایک نیا خطرہ نظر آ رہا ہے۔ مغربی ممالک سابق شاہ سے مطمئن تھے اور وہ ان کی واپسی کو ترجیح دیں گے۔ ایران۔ عراق جنگ کی طرح مغربی رہنماؤں کو یہاں بھی مسلمانوں میں آپس کی خونریزی بند کرانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں ان کی سابقہ پالیسی یہی رہی ہے کہ ان میں نااتفاقی کو فروغ دیا جائے اور انھیں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے دیا جائے۔ بعض حلقوں کا استدلال یہ ہے کہ پاکستان، سعودی عرب اور ایران اپنے منظور نظر گروپوں کو ہتھیار فراہم کر کے بالواسطہ طور پر مغربی حکمت عملی کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور خونریزی کا سلسلہ جاری رکھنے میں مدد دے رہے ہیں۔

اس کی ایک اور مثال بنگلہ دیش بھی ہے۔ پاکستان میں خانہ جنگی کا نتیجہ مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوج کی بے رحمانہ کارروائی کی شکل میں نکلا۔ بھارت نے مداخلت کی اور نوے ہزار سے زائد پاکستانی فوجیوں کو قیدی بنا لیا۔ اس کے نتیجہ میں آخر کار اسلامی جمہوریہ پاکستان دولخت ہو گیا اور ایک نئی مسلم قوم وجود میں آئی۔ بنگلہ دیش کی قیادت نے پاکستانی مسلح افواج کے مسلمان بھائیوں پر کھل کر الزام عائد کیا ہے کہ انھوں نے ۱۰ لاکھ سے زائد خواتین کو بے آبرو کیا۔ بچے کھچے پاکستان میں بھی نسلی جھگڑے جاری ہیں اور تعلیم کا فرق نیز لسانی اور ثقافتی اختلافات مزید اشتعال انگیزی کا سبب بن رہے ہیں۔

جنگ خلیج میں مسلمانوں نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے غیر مسلموں کا ساتھ دیا۔ ایران۔ عراق جنگ میں سنی مسلمان شیعہ مسلمانوں کے خلاف اور عرب مسلمان غیر عرب مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ امریکہ میں بھی ڈبلوڈی محمد کے پیروکار لوئی فرح خان کے معتقدین کے شدید مخالف ہیں حالانکہ دونوں گروپوں کی غالب اکثریت افریقی۔ امریکی نژاد ہے۔ ان گروپوں اور مسلم تارکین وطن میں مشکل ہی سے اشتراک و اتحاد کی کوئی علامت ملے گی جن کی اکثریت مشرق وسطیٰ اور ایشیا سے تعلق رکھتی ہے۔

متعدد اسلامی ملکوں میں داخلی بے چینی پائی جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال پاکستان میں صوبہ

Marfat.com

سندھ ہے۔ سندھ برصغیر میں اسلام قبول کرنے والا پہلا صوبہ تھا اور یہ باب الاسلام کہلاتا ہے۔ سندھی بڑے پکے مسلمان ہیں اور انھیں قیام پاکستان میں اپنے کردار پر بڑا فخر ہے۔ تاہم ۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد سے ہی پاکستان میں سندھیوں کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں کا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ سندھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ مادی اساسی ڈھانچے، انسانی وسائل کے فروغ، صنعت و تجارت، اور سب سے بڑھ کر غیر فوجی اور فوجی ملازمتوں کے حوالہ سے انھیں اقتصادی ترقی میں ان کا جائز حصہ نہیں ملا۔ سندھ کے چھوٹے قصبات اور دیہات بجلی، پانی اور طبی سہولتوں سے محروم ہیں جب کہ اسکول اور ہائی سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ سہولتوں کے حصول اور ان کی زبان و ثقافت کے فروغ کی تائید و حمایت کے بجائے (جو اردو، پشتو اور پنجابی بولنے والوں کو ملی) سندھی زبان و ثقافت کے فروغ میں دلچسپی لینے والوں کو ہراساں کیا جاتا ہے اور ان پر پاکستان دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا شک کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو داں شہری بھی کراچی میں امن و امان بحال کرنے اور اپنے اقتصادی حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ پاکستان میں سابقہ حکومتوں پر فرقہ وارانہ اختلافات پیدا کرنے اور انھیں ہوا دینے کا الزام عائد کیا جاتا رہا ہے۔ پاکستان میں اس حقیقی بے چینی اور دوسرے مسلم ممالک میں ایسی ہی بے چینی کے اسباب کا تدارک کرنے کی ضرورت ہے۔

> "اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو۔ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔" (سورۃ ۴۹: ۹-۱۰)

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق آپس کا نفاق کم کرنے کی کوشش کریں۔

Marfat.com

۶۰۔ ثقافتی اختلافات:

مبصرین کا خیال ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ثقافتی اختلافات خاصے اہم ہیں اور روحانی یا دنیاوی مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے ان اختلافات پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ عرب مسلمان، جنوبی ایشیا کے مسلمان، سیاہ فام افریقی مسلمان اور یورپی مسلمان ثقافتی اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ ثقافتی فرق کی شدت کا اندازہ بعض اخبارات میں شائع ہونے والی ان خبروں سے لگایا جا سکتا ہے کہ پناہ کے لیے پاکستان لائے جانے والے بوسنیائی مسلمان پاکستان میں قیام کے مقابلے میں اپنی موت کی وادیوں میں واپس جانے کو ترجیح دیں گے۔ مبینہ طور پر انھوں نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ وہ یورپی ہیں اور ان کے لیے جنوبی ایشیائی طرز زندگی اور اسلام کا وہ انداز اختیار کرنا ممکن نہیں ہے جو ان کے یہاں رائج ہے۔

اس قسم کی خبروں کی تردید یا اختلافات کے وجود سے انکار کرنا حماقت ہے۔ ان اختلافات کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے۔ معیار زندگی، روحانی رسوم و رواج میں رواداری، سیاسی آزادی، حتیٰ کہ حفظان صحت کے حالات وہ عوامل ہیں جن سے ثقافتی مرکب تشکیل پاتا ہے۔ مسلم رہنماؤں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اختلافات کو کم کرنے کی جدوجہد کریں۔

۶۱۔ اسلامی تعلیمات کی مختلف تشریحات:

قرآن تمام مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں دستیاب ہے۔ تاہم مسلمانوں کی مختلف مادری زبانوں میں وسیع پیمانہ پر اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور وہ بچپن سے ہی اسے پڑھنے لگتے ہیں۔ اگرچہ علما کے درمیان قرآن کے مندرجات اور اصولوں کی صداقت پر تو مکمل اتفاق پایا جاتا ہے مگر بعض رسوم ورواج کے بارے میں مکمل اتفاق رائے موجود نہیں ہے۔

مذہبی رہنما اور فرقے قرآن، حدیث اور شریعت کی تشریح و تعبیر میں ایک دوسرے کے مقابلے پر تلے رہتے ہیں اور اپنا نقطہ نظر منوانے اور دوسروں کے نقطہ نظر کو رد کرنے کے لیے انتہائی حد تک جانے پر بھی آمادہ رہتے ہیں۔ مسلمانوں میں بعض تنازعات صدیوں پرانے ہیں۔ جدید مسلم ممالک میں داخلی شورش اور ہنگامہ آرائی اکثر اوقات تاریخی تعصبات اور تنازعات کی عکاسی کرتی ہیں۔ ہر گروہ دوسرے تمام گروپوں کو گمراہ سمجھتا ہے

Marfat.com

یہاں تک کہ ان کے خلاف اعلان جنگ کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتا۔ بنگلہ دیش میں فوجی کارروائی، افغانستان میں جاری قتل عام، متعدد مسلم ممالک میں ہر سال محرم کے موقع پر ہونے والے فسادات کو بھی اسی بنیاد پر حق بجانب قرار دیا جاتا رہا ہے۔ مسلم اتحاد کے بارے میں قرآن کی بنیادی تعلیم کو نظرانداز کر دینا ایک معمول کی بات ہے۔

۶۲۔ مذہبی قیادت کا فقدان:

اسلام یہ درس دیتا ہے کہ ہر شخص کو اس دنیا میں اپنے اعمال کا حساب اللہ کے سامنے دینا پڑے گا۔ اللہ نے قرآن کے ذریعے ہر مسلمان اور غیر مسلم سے یکساں طور پر براہ راست خطاب کیا ہے اس لیے کسی واسطے اور وسیلے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمانوں (بالخصوص سنی اکثریت) میں کوئی مسلمہ مذہبی قیادت نہیں ہے۔

تاہم رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد خلفا (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین) نے مذہبی رہنما کے فرائض بھی انجام دیے اور سربراہ مملکت کی خدمات بھی۔ کسی نہ کسی شکل میں جانشینی کا یہ سلسلہ بیسویں صدی کے اوائل تک جاری رہا۔ جنگ عظیم اول کے اختتام پر ترکی میں برائے نام خلافت کا یہ سلسلہ ختم ہونے کے بعد سے پھر کوئی مرکزی اسلامی اقتدار قائم نہیں ہوا۔ مقامی ائمہ مفتیان حتی کہ بین الاقوامی شہرت کے حامل علما کرام بھی یہ خلا پُر نہیں کر سکے۔

ایک ایسا مسلم رہنما جسے موزوں انتظامی ڈھانچہ نیز افرادی اور مالی وسائل بھی مہیا ہوں وہ برادری کو درپیش سنگین مسائل سے نمٹ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ مذہبی، اخلاقی اور مالی مسائل کے بارے میں عالمی طاقتوں سے بالکل اسی انداز میں معاملہ کر سکتا ہے جیسے پوپ کیتھولک عیسائیوں کے لیے کرتا ہے۔ اگر مسلمان ایسے کسی شخص کا احترام کرنے لگیں اور وہ اسے دل سے قبول کر لیں تو پھر وہ آپس کے بہت سے تنازعات سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور دینی تعلیمات کی متنازعہ تشریحات کی وضاحت بھی کی جا سکتی ہے۔ ایسی کسی قیادت کی فوری ضرورت ہے۔ مختلف ملکوں کے علماء اور سیاسی رہنماؤں اور او آئی سی کی کوششیں پاکستان، افغانستان اور صومالیہ میں تنازعات کی روک تھام میں بہت کم مددگار ثابت ہوئی ہیں۔

Marfat.com

واضح رہے کہ بعض اقلیتی فرقوں کی مسلمہ قیادت اپنے پیروکاروں میں مضبوط تر اتحاد اور ترقی کی بلند تر سطح کے حصول میں کامیاب رہی ہے۔ اسمٰعیلیوں کے آغا خان، احمدیوں کے خلیفہ اور شیعوں کے آیت اللہ یہی کردار ادا کر رہے ہیں۔

۱۹۲۰ء کی دہائی میں جب خلافت ختم کی گئی تو مسلمانوں نے اس پر بہت احتجاج کیا۔ مثال کے طور پر برصغیر کے مسلمانوں نے خلیفہ کی بحالی کے لیے تحریک شروع کی۔ حالیہ برسوں میں خلافت کے تصور کے بارے میں نئے سرے سے بحث مباحثہ ہو تا رہا ہے۔

سعودی عرب کے شاہ کو خادم حرمین الشریفین (متولی مقامات مقدسہ مکہ و مدینہ) ہونے کی بنا پر بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ او آئی سی کے سرپرست اور متعدد اسلامی اور فلاحی پروگراموں کے کفیل کی حیثیت سے وہ مسلمانوں کی بہت سی سرگرمیوں میں مرکزی اہمیت رکھتے ہیں۔ تاہم خلیفہ کا کردار ابھی تک کسی کو نہیں سونپا گیا ہے۔ اگست ۱۹۹۴ء میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی خلافت کانفرنس میں اسی موضوع پر توجہ مرکوز کی گئی تھی۔ کیسے، کب، کہاں اور کون کا سوال اس وقت بھی متنازعہ تھا اور آج بھی متنازعہ ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی اکثریت اس ضرورت کو تسلیم کرتی ہے مگر مستقبل قریب میں اس پر عملدر آمد کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

۶۳۔ مذہبی رہنماؤں کی پست تعلیمی سطح:

اسلام میں مذہبی قیادت بڑی حد تک اُن لوگوں پر چھوڑ دی گئی ہے جن کی دنیاوی یا مذہبی تعلیم بڑی معمولی ہے۔ مذہبی رہنما، بالخصوص دیہی علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے، ہائی اسکول بھی پاس نہیں ہوتے۔ مسجد کا امام بننے کے لیے اسی مسجد کے امام (رہنما) کی شاگردی اختیار کر لینا اور اکثر معنی و مطالب سمجھے بغیر قرآن کی چند آیات یاد کر لینا ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ جمعہ کے خطبات میں، جو مذہبی ربط و تعلق کا اہم ذریعہ ہیں، اکثر و بیشتر ساری توجہ مذہبی رسوم، عقیدے کے غیر متعلق مسائل یا اسلامی فقہ کے باریک نکتوں کی تکرار پر ہی مرکوز ہوتی ہے۔ ایک عام مسلمان اور اس کے امام کے درمیان رابطہ محض بنیادی قوانین پر یک طرفہ وعظ تک ہی محدود رہتا ہے۔ دنیا بھر کی لاکھوں مساجد میں ہفتہ وار اجتماعات کے

Marfat.com

مواقع سے بہت کم استفادہ کیا جاتا ہے۔ آج مسلمانوں کی اس روایت پر شاید ہی کہیں عمل ہوتا ہو جو رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے ہدایت یافتہ راست باز جانشینوں نے مساجد میں لوگوں سے روحانی، سیاسی، اور معاشی مسائل معلوم کرنے کے لیے قائم کی تھی۔ اس روایت پر عمل کے نتیجے میں برادری کی بہتر رہنمائی بھی ہو سکے گی اور مسلمانوں کے باہمی ربط و تعلق میں بھی اضافہ ہو گا۔

اسلام پر تعلیم یافتہ مسلمانوں کے مکمل طور سے عمل پیرا نہ ہونے کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ دانش مند اور الوالعزم قیادت کا فقدان ہے۔ روایتی اسلام کو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں قیادت کی ناکامی نے ایسی صورتحال پیدا کر دی ہے جسے تعلیم یافتہ مسلمان مذہب اور روزمرہ کے معمولات زندگی کے درمیان ایک تصادم سمجھتے ہیں اگر روحانی قیادت نے مسلمانوں کی جدید ضروریات پر توجہ نہ دی تو بہت سے مسلمان بھٹک کر دنیاوی آلائشوں میں پڑ جائیں گے جس کی زیادہ سے زیادہ بہتر شکل یہ ہو گی کہ وہ بے دلی کے ساتھ اسلامی شعائر پر عمل کرتے رہیں اور بدترین شکل یہ ہو گی کہ وہ مغربی لادینیت اختیار کر لیں۔ ائمہ کی تربیت کا معیار بڑھانے اور تعلیم کا دائرہ وسیع کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

۶۴۔ اسلامی قوانین پر ناقص اور ناکافی عمل:

بہت سے مسلمانوں کی جانب سے شعائر اسلامی سے بے اعتنائی کا ایک سبب تو روحانی قیادت کا فقدان قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اسلام میں ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے اور جس کا مظاہرہ اسے اپنے عقائد پر عمل کے ذریعے کرنا ہو گا دیگر تمام مذاہب کی طرح بہت سے لوگ جو اسلامی معاشرے میں پیدا ہوتے اور پروان چڑھتے ہیں وہ زیادہ تر مذہبی تعلیمات کو بلا رد و قدح تسلیم کر لیتے ہیں۔ ایک مکمل طرز حیات کے طور پر اسلام کی پابندی شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کی وسیع اکثریت اسلامی طرز زندگی کو نظرانداز کر دیتی ہے: "روایت پسندوں" نے اسے بڑی حد تک مذہبی ارکان نماز، روزہ اور حج تک محدود کر دیا ہے: ماڈرن مسلمان "ارکان" کو بھول جانا چاہتے ہیں اور روزمرہ زندگی میں صرف "اچھے انسانی" طرز عمل پر ہی توجہ مرکوز کرنا چاہتے ہیں۔ "روایت پسند" اور ماڈرن مسلمان

Marfat.com

ایک دوسرے کو کسی حد تک حقارت سے دیکھتے ہیں اور ہر ایک خود کو دوسرے سے برتر سمجھتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں متوازن سوچ اپنانے کی ضرورت ہے۔

۶۵۔ عربی سمجھنے میں دشواری:

"اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنا کر بھیجتے تو یہ لوگ کہتے کیوں نہ اس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا ہی عجیب بات ہے کہ کلام عجمی ہے اور مخاطب عربی۔ ان سے کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفاء ہے، مگر جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لیے یہ کانوں کی ڈاٹ اور آنکھوں کی پٹی ہے..." (سورۃ:۴۱:۴۴)

قرآن عربی زبان میں نازل کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب تھے اور ابتدائی طور پر آپ کا واسطہ عرب عوام کے ساتھ تھا۔ آج مسلمانوں کی اکثریت (تقریباً ۸۰ فیصد) غیر عرب ہے جو عربی نہیں بولتے۔ کچھ غیر عرب مسلمانوں نے عربی سیکھ لی ہے مگر زیادہ تر نے نہیں سیکھی۔ ان کے لیے قرآن ایک ایسی مقدس کتاب ہے جسے صرف پاک صاف حالت میں تعظیم کے ساتھ چھوا اور بوسہ دیا جائے، خوش الحانی سے اس کی تلاوت کی جائے، اور ادب واحترام کے ساتھ اسے سنا جائے۔ قرآن کو سمجھنے اور عام طور پر مشہور فرائض کے علاوہ قرآن میں دی ہوئی بیشتر ہدایات پر عمل کے سلسلہ میں صریح غفلت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مساجد اکثر ایسے نمازیوں سے بھری ہوتی ہیں جو یہ سمجھتے ہی نہیں کہ نماز میں کہا کیا گیا ہے۔

مسلمان یہ مانتے ہیں کہ عربی بڑی ہی زرخیز اور کثیر المعنی زبان ہے لہٰذا قرآن کا مکمل ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ ہر آیت کی روح کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے اسے عربی میں پڑھنا ضروری ہے۔ عربی نہ جاننے کی وجہ سے بہت سے غیر عرب مسلمانوں کو ایک قسم کی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے۔ اس سے انھیں بنیادی متفقہ ترجمہ نہ سمجھنے کا بہانہ بھی ہاتھ آجاتا ہے۔ ترکی کی جانب سے خود اپنی زبان میں نماز ادا کرنے کی کوشش دوسرے مسلمانوں کو اچھی نہیں لگی۔ تاہم اسلامی علوم تک عام مسلمانوں کی رسائی زیادہ آسان بنانے کی ضرورت ہے۔ قرآن

Marfat.com

کی وسیع تر تفہیم کو یقینی بنانے کی غرض سے زبان کے مسئلے سے نمٹنے کی اشد اور فوری ضرورت ہے۔

ایک ممکنہ راستہ اجماع اور اجتہاد کی شکل میں دستیاب ہو سکتا ہے۔ ان سے مسلمانوں کو متعدد متبادل پر غور و خوض کا موقعہ ملے گا جن میں تمام مسلم ممالک میں عربی کی لازمی تعلیم اور مذہبی معاملات میں اپنی مقامی زبانوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال شامل ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اجماع اور اجتہاد میں شرکت کرنے والے رہنما خود اپنے طور پر یا عربی زبان کے ماہرین کی مدد سے، جو تقریباً ہر ملک میں بہ آسانی مل جاتے ہیں، قرآن و سنت کو مکمل طور پر سمجھیں۔ یہ ایک غلطی ہوگی کہ اجماع اور اجتہاد میں شرکت کے عمل کو صرف دینی اسکالرز یا عربی پر براہ راست دسترس رکھنے والوں تک محدود کر دیا جائے۔ دیرینہ حل طلب مسائل طے کرنے کے لیے اجماع اور اجتہاد میں شرکت کرنے والے تمام مسلمانوں کو لازمی طور پر براہ راست یا اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے اظہار رائے کا حق ہونا چاہیے۔

۶۶۔ ناجائز اثرات قبول کرنے اور جوڑ توڑ میں بہ آسانی ملوث ہو جانے کی خاصیت:

مسلمانوں کے اختلافات کو نمایاں کرنے میں مغربی ذرائع ابلاغ نے بداندیشی اور کینہ پروری پر مبنی کردار ادا کیا ہے۔ وہ الجزائر میں بربروں، ترکی، ایران اور عراق میں کردوں اور پاکستان میں سندھیوں وغیرہ کی "امنگوں" کی نشان دہی کرنے کے لیے بڑی سرگرمی اور بے قراری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ بہ ظاہر مظلوم اقلیتوں سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں، جن کی واقعتاً جائز شکایات بھی ہو سکتی ہیں۔ تاہم مغربی ذرائع ابلاغ کے سیاست پر مبنی ایجنڈے کا مقصد اقلیتوں کی مدد کے بجائے مسلمانوں کو تقسیم کرنا ہوتا ہے۔ مسلم قومی حکومتیں جب اپنی رعایا کے جائز مفادات کو نظر انداز کر دیتی ہیں تو پھر وہ خود کو اس قسم کی نکتہ چینی سے نہیں بچا سکتیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ غیر مستحکم اور متلون مزاج مسلم افسران اپنے شہریوں کے احتجاج یا قرآن میں کیے جانے والے انتباہ کا لحاظ کرنے کے مقابلہ میں اکثر مغربی ذرائع ابلاغ کی نکتہ چینی سے زیادہ مضطرب ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

۶۷۔ بدعنوانی میں بہ آسانی ملوث ہو جانا:

حرص یا بے اعتقادی کی وجہ سے مسلم اہلکاروں کو بگاڑنا بہت آسان ہے۔ استہزا کے طور پر کہا جاتا ہے کہ مسلمان سرکاری اہلکاروں کو مفاہمت پر آمادہ کرنے کے لیے کسی مغربی عہدیدار کی ایک مسکراہٹ، کاک ٹیل پارٹی میں شرکت کی دعوت، کسی خوبصورت عورت کا ساتھ، یا ایک ویزا ہی کافی ہے۔ اگر اس سے کام نہ نکلے تو پھر انھیں دھمکی کے ذریعہ تعمیل حکم، تابعداری حتیٰ کہ غداری پر بھی آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ ذاتی مفادات کا معاملہ ہو تو قومی مفادات کو ثانوی حیثیت دے دی جاتی ہے۔ سابق مغربی عہدیداروں کی تحریر کردہ متعدد کتابوں میں مسلمانوں کی گراوٹ کی ایسی بہت سی مثالیں دی گئی ہیں۔

۶۸۔ مہمان کارکنوں سے خراب برتاؤ:

غریب ملکوں کے مسلمان تیل کی دولت سے مالا مال عرب ممالک میں روزگار کے مواقع کے لیے شکرگزار ہیں۔ ہر دستیاب ملازمت کے لیے خواستگار افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مقابلہ کی اس کیفیت اور زائد از ضرورت افراد کی فراہمی کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، مثلاً کارکنوں کو قید رکھنا، طے شدہ اجرت سے کم یا تاخیر سے اجرتیں ادا کرنا، خاتون کارکنوں کو جنسی تعلق پر مجبور کرنا، اونٹوں کی دوڑ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو جاکی کے طور پر استعمال کرنا۔ یہ تو صرف وہ برائیاں ہیں جن کی خبریں عام ہو چکی ہیں۔ غیر اسلامی رواجوں کا خاتمہ نجی آجر کے ساتھ ساتھ میزبان حکومتوں کی بھی ذمہ داری ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ:

(الف) معاہداتی حقوق کا احترام نہ کر کے مسلمان خود اپنے اسلامی عقائد اور قرآنی تعلیمات کی نفی کر رہے ہیں۔

(ب) اگر عرب مسلمان ہی غیر ملکی مسلمانوں سے اچھا سلوک نہیں کر سکتے تو پھر مسلمان غیر مسلم حکومتوں پر بھی مسلمانوں سے بدسلوکی (مثلاً ترکی سے آنے والے مہمان کارکنوں کے ساتھ جرمنی کی بدسلوکی) ختم کرانے کے لیے کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے۔

(ج) اگر کبھی ایک متحدہ اسلامی قوم کے نظریہ پر عملدرآمد ہوا تو کم از کم ابتدائی مراحل میں، مزدور آزادانہ طور پر قومی سرحدوں کے پار آنا جانا شروع کر دیں گے۔

Marfat.com

۶۹۔ خواتین کا محدود کردار:

''مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں...'' (سورۃ ۹:۷۱)

چودہ سو سال قبل خواتین کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنے کے باوجود آج ''اسلامی معاشرہ'' میں خواتین سے خراب برتاؤ اور زیادتی برابر دیکھنے میں آتی ہے، حتیٰ کہ انھیں بعض بنیادی اسلامی حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ بعض مسلم خواتین کچھ مسائل کے بارے میں کھل کر اسلامی اسکالرز کی تشریح کا شکوہ کرتی ہیں جن میں مردوں کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت، عورتوں کے لیے زائد نقاب اوڑھنے، بعض عدالتوں میں عورتوں کی گواہی آدھی تسلیم کرنے، عورتوں کو عام نمازوں حتیٰ کہ نماز جمعہ کے موقع پر بھی مساجد سے باہر رکھنے اور روزمرہ کی زندگی میں عورتوں سے عام طور پر امتیاز برتنے سے متعلق مسائل شامل ہیں۔ یہ خدشات بے بنیاد نہیں ہیں اور مغربی ذرائع ابلاغ انھیں برابر اچھالتے رہتے ہیں۔ بہت سے مسلم ممالک میں لڑکیوں اور عورتوں کے خلاف امتیاز بالخصوص کم آمدنی والے اور دیہی گھرانوں میں بڑا نمایاں ہے۔ دینی تعلیم سے آگے تعلیم کی ضرورت کم ہی محسوس کی جاتی ہے۔ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو بہت کم عمری میں ہی اسکولوں سے ہٹا لیا جاتا ہے اور گھر میں بٹھا کر ان پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ گھر سے باہر ملازمت پر ناک بھوں چڑھائی جاتی ہے۔ خاتون کارکنوں کو اس سے کم اجرت دی جاتی ہے جو اسی کام کے لیے مردوں کو ادا کی جاتی ہے۔ سیاست میں خواتین کی شرکت کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور وہ سیاست میں بہت کم حصہ لیتی ہیں۔ معاشی طور پر ان سے اپنے والد، بھائی یا شوہر کے زیر کفالت رہنے کی توقع کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر کوکب صدیقی کی کتاب ''مسلم خواتین کی جدوجہد'' (Struggle of Muslim Women) خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ اس کتاب میں قرآن و حدیث کے حوالوں سے عورتوں کے تعلق سے اسلامی تعلیمات کو مناسب تاریخی سیاق و سباق میں پیش کیا گیا ہے اور اسلام کے تحت مردوں اور عورتوں کو برابری کا جو درجہ حاصل ہے اسے دلیل سے ثابت کیا

Marfat.com

گیا ہے۔ دوسری باتوں کے علاوہ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ:

(الف) ایک سے زائد شادیوں کی اجازت مخصوص اور مشکل حالات کے تحت اکراہ کے ساتھ دی گئی ہے۔

(ب) قرآن نے عورتوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی واضح طور پر ممانعت کی ہے۔

(ج) اسلام نے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے اسلامی لباس اور حیاداری کا حکم دیا ہے۔ عورتوں کے لیے سر ڈھانکنے کے اضافی نقاب کا مقصد انھیں عزت بخشنا اور مردوں کو جنس کی غرض سے ان کی طرف متوجہ ہونے سے باز رکھنا ہے۔

(د) فواحش اور زنا کی سزائیں مردوں اور عورتوں دونوں ہی کے لیے ایک جیسی ہیں۔

یہ نظریہ کہ عورت حکمراں نہیں بن سکتی درست نہیں ہے۔ ڈاکٹر صدیقی نے قرآن سے بلقیس نامی خاتون کی حکمرانی کی مثالیں پیش کی ہیں (جو عیسائیوں میں ملکہ سبا کے نام سے مشہور ہیں) جو مسلمان ہو جانے کے بعد بھی اتفاق رائے سے حکومت کرتی رہیں۔ ڈاکٹر کوکب نے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مثال بھی دی ہے جنھوں نے مکہ سے بصرہ تک فوج کی قیادت کی تھی۔

دینی لحاظ سے عیسائیت اور یہودیت میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو کمتر حیثیت دی گئی ہے۔ جیسا کہ ولی عہد برطانیہ نے ۲۷/اکتوبر ۱۹۹۳ء کو آکسفورڈ سنٹر برائے اسلامک اسٹڈیز میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اگر آپ یاد کریں تو ترکی، مصر اور شام جیسے اسلامی ملکوں نے اسی زمانہ میں عورتوں کو ووٹ کا حق دے دیا تھا جب یورپ میں عورتوں کو یہ حق ملا تھا۔ اور سوئزر لینڈ میں تو کہیں بعد میں یہ حق دیا گیا۔ ان ممالک میں خواتین کو طویل عرصہ سے مردوں کے برابر تنخواہ اور اپنے معاشروں میں مکمل سرگرم کردار ادا کرنے کے مواقع حاصل ہیں۔ مسلم خواتین کے لیے جائیداد اور وراثت کے حقوق، طلاق کی صورت میں کسی حد تک تحفظ اور کاروبار کے حقوق کا تعین قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی کر دیا تھا خواہ ہر جگہ انھیں عملی شکل نہ بھی دی گئی ہو۔ کم از کم برطانیہ میں ان میں سے بعض حقوق تو میری دادی کی نسل کے لیے بھی نئے تھے!"

Marfat.com

۱۹۹۵ء میں یہ سب لکھتے وقت تین مسلم ممالک ترکی، بنگلہ دیش اور پاکستان میں خواتین ہی سربراہ حکومت کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ ان رہنماؤں نے اپنے اپنے ملک میں اور بھی بہت سی خواتین کو اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا۔ تاہم خواتین کے لیے اس سے کہیں زیادہ نمایاں اور وسیع تبدیلی گزشتہ پچاس سے سو سال کے عرصہ میں مغربی معاشرے میں رونما ہوئی ہے۔ بنابریں اکثر مسلم خواتین مغربی خواتین پر رشک کرتی ہیں حالانکہ وہ پوری طرح ظاہر اور باطن کا فرق نہیں سمجھتیں اور گھریلو زندگی اور بالعموم معاشرے پر ان تبدیلیوں کے جو تباہ کن اثرات مرتب ہو رہے ہیں وہ انھیں اکثر نظر انداز کر دیتی ہیں۔

تمام مسلم ممالک میں خواتین کو زیادہ با اختیار بنانے کی فوری ضرورت پائی جاتی ہے۔ تاہم کوئی بھی تبدیلی لانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورتوں کے بارے میں قرآن اور حدیث کے احکام کی واضح تشریح پر مبنی ہو۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی اسکالرز اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے تمام فریقوں (مورخین، ماہرینِ عمرانیات، خواتین کے نمائندوں وغیرہ) سے تبادلہ خیال کریں اور اتفاق رائے کے بعد اسے اپنالیں۔

۷۰۔ اصلاح ذات کی ضرورت:

"تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہتے ہو، مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے؟" (سورۃ: ۲: ۴۴)

مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر جھانکیں اور دلوں کو ٹٹولیں تاکہ پتہ چل سکے کہ وہ صحیح راستہ پر ہیں۔ جواب واضح ہیں۔ اصلاحی اقدامات سخت دشوار ہیں: تاہم اگر کوئی شخص واضح طور پر خود اپنی ہی اصلاح نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے دوسروں کی اصلاح کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اگر مسلمان اپنے ضمیر کی آواز سنیں تو انھیں درپیش بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔

۷۱۔ مغربی طرز زندگی کی جانب رغبت:

بہت سے مسلمانوں کو اور بطور خاص تعلیم یافتہ مسلمانوں کو مغربی طرز زندگی سے بڑا گہرا لگاؤ

Marfat.com

ہے۔انھیں مغربی تعلیم، ملازمت آمدنی، مکان اور آسائشوں کی بڑی خواہش ہوتی ہے۔اگر خود اپنے لیے نہیں تو کم از کم اپنے بچوں کے لیے تو ضرور۔ گھومنے پھرنے یا تعلیم کے لیے مغرب بالخصوص امریکہ جانے والے مسلمانوں کی اکثریت وہیں رک جانا چاہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب (الف) وطن میں خراب اقتصادی حالات یا سیاسی آزادی کا فقدان (ب) مغرب میں بہتر اقتصادی مواقع یا زیادہ سیاسی آزادی (ج) خواتین کے لیے سسرال سے آزادی اور علاحدہ گھر سنبھالنے کے مواقع یا (د) بچوں کے لیے بہتر مستقبل کی امید ہو۔

سبب جو بھی ہو بیشتر مسلمان مغرب میں قیام کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے لیے وہ غیر معمولی کوششیں بھی کرتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی "غیر اسلامی" بات نہیں ہے۔ سفر کرنے، دنیا دیکھنے اور آرام دہ زندگی گزارنے کی خواہش عین اسلامی ہے۔ بشرطیکہ یہ سب کچھ دیانت داری کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ تاہم ایک واضح خطرہ یہ موجود ہے کہ مغرب کی یہ کشش اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک اسلام پر مکمل مفاہمت نہیں ہو جاتی۔ بعض مسلم علما کا موقف یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کے سوا مغرب میں مسلمانوں کا کوئی کام نہیں۔ ان کے نزدیک مادی اسباب کے لیے کسی مسلم ملک کو چھوڑنا ناقابل قبول اسلامی طرز عمل ہے۔

روحانی اعتبار سے جن مسلمانوں کا واسطہ جدید ترقی یافتہ دنیا سے پڑتا ہے وہ اکثر اسلام کا موازنہ مغربی فلسفوں سے کرنے لگتے ہیں اور اس کی تعلیمات کو دور حاضر کے معیارات پر جانچتے ہیں جو مغرب ہی کے ساختہ معیار ہیں۔ ایسا کرتے وقت یہ لوگ وحی کے لازمی عناصر کی نفی کرتے ہیں اور انسانی نظریات و تصورات کو احکام الٰہی کی جگہ پیش کرتے ہیں۔

اس کے برعکس محمد اسد نے اپنی کتاب "اسلام ایٹ دی کراس روڈز" میں لکھا ہے: (۱)

> "اس قسم کی کوشش کا نتیجہ ایک ایسی نئی فقہ کے ظہور کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے جو اسلام کے دو سرچشموں ...... قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے نمونے کے عین مطابق ہو اور اس کے ساتھ ساتھ دور حاضر کی زندگی کے تقاضے بھی پورے کرتی ہو: بالکل اسی طرح جیسے قدیم فقہ نے ایک ایسے عہد کے تقاضوں اور دور قدیم کے حالات زندگی کا

Marfat.com

جواب پیش کیا تھا جس پر ارسطاطالیسی اور نوافلاطونی فلسفے کی گہری چھاپ تھی۔"

بیسویں اور اکیسویں صدی کے حالات کے تناظر میں اسلامی نظریات کے بارے میں اس نوعیت کی منظم تشخیص کے لیے بڑی کاوش کی ضرورت ہے جس میں بہت غور و فکر اور تحقیق کرنی ہوگی۔ تاہم اس سے بہت سے مسلمانوں کی کھوئی ہوئی خود اعتمادی دوبارہ حاصل کرنے میں مدد ملے گی: اس قسم کی مہم سے بالآخر مسلمانوں ہی کو فائدہ پہنچے گا۔

۲۷۔ مذہب کو اس سے زائد دشوار بنا دینا جتنا وہ ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو پاک چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں انھیں حرام نہ کرلو اور حد سے تجاوز نہ کرو..." (سورۃ ۵:۸۷)

مسلمانوں کی روز افزوں تعداد جدید آسائشوں اور آزادیوں پر مائل ہوتی جارہی ہے۔ دنیا بھر میں چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبات میں بھی ٹی وی پر مغرب کی آسودہ اور مطمئن زندگی کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ ایسی ہی زندگی گزارنے کی خواہش اگر نا قابل مزاحمت نہیں تو قوی ضرور ہے۔ کیا یہ سب خلاف اسلام ہے؟

اسلام کا ایک ضابطۂ حیات ہے جس میں ممنوعات بھی درج ہیں۔ تاہم اس امر کے تعین کے لیے کہ کس بات کی اجازت ہے اور کس بات کی نہیں، بعض وضاحتیں درکار ہیں۔ بعض مسلمانوں کی احتیاط پسندی کا یہ عالم ہے کہ وہ تقریباً تمام لذتوں اور آسائشوں سے خود بھی مکمل اجتناب کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں۔ بعض لوگ محض اس وجہ سے کھانسی کا شربت بھی پینے سے انکار کردیتے ہیں کہ اس میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے جب کہ بعض دوسروں کے خیال میں پی کر بدمست نہ ہوا جائے تو کبھی کبھار پینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مشرق وسطیٰ میں مالدار مسلمان چار بیویاں رکھتے ہیں اور "اسلامی قانون کی خلاف ورزی" کیے بغیر انھیں برابر تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

اسلام اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے کسی کو نہیں روکتا۔ یہ بنی نوع انساں کے لیے انتہائی فطری اور قانون قدرت سے مطابقت رکھنے والا مذہب ہے۔ اسی لیے اس امر کا

Marfat.com

تعین کرنے کے لیے مخلصانہ اور عالمانہ تحقیق کی ضرورت ہے کہ اسلام میں کن چیزوں سے "لطف اندوز" ہونے کی اجازت ہے۔ اس تحقیق و تعین سے ان مسلمانوں کو اسلام سے وابستہ رکھنے میں مدد ملے گی جو بصورت دیگر ترغیبات سے مغلوب ہو کر اسلام سے دور ہو سکتے ہیں۔ بعض راسخ العقیدہ مسلمان یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے "کمزور ایمان" والوں کی اسلام کو ضرورت بھی نہیں ہے اور یہ کہ اللہ کے احکام کے بارے میں مسلمانوں کو معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن کچھ لوگ یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ کسی کو یہ حق کہاں سے مل گیا کہ اللہ نے اسلام میں جو پابندیاں رکھی ہیں وہ انھیں اور زیادہ سخت اور مشکل بناڈالے؟

۷۳۔ غیر مسلم اقلیتیں:

تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی سرحدوں کے اندر آباد غیر مسلم اقلیتوں سے عموماً رواداری کا سلوک کیا ہے۔ یہودی، اسپین سے نکالے جانے کے بعد، برسہا برس مسلمانوں کی حفاظت میں رہے۔ تاہم حالیہ عہد میں اسلامی ممالک میں آباد غیر مسلم اقلیتوں نے شکوہ کیا ہے کہ وہ خود کو دوسرے درجہ کا شہری محسوس کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم اکثریتی ممالک میں لادینی (سیکولر) حکومتوں کی تائید و حمایت میں سب سے زیادہ شور غیر مسلم اقلیتیں ہی مچاتی ہیں۔ مثلاً لبنان میں غیر مسلموں نے آئینی طور پر مسلمانوں کو اپنے فرانسیسی نو آبادیاتی آقاؤں کی مدد سے دو گروہوں (سنی اور شیعہ) میں تقسیم کر کے اپنی شناخت اور طاقت یقینی بنائی ہے۔ اس کے بعد مسلم حکومت کے امکان کو معدوم کرنے کے لیے انھوں نے فوجی طاقت استعمال کی اور اسرائیل کے ساتھ اتحاد سے بھی گریز نہیں کیا۔ مسلم ممالک میں اقلیتوں کا اعتماد بحال کرنے اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے اور کیا کچھ کیا جا سکتا ہے اس کے بارے میں مزید غور و خوض کی ضرورت ہے۔ اس کا جواب بھی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے مختلف طبقات کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے دستور کی روشنی میں ہی تلاش کیا جانا چاہیے۔

۷۴۔ مسلمانوں میں شادی کا طریقہ:

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں میں بہت کم عمری میں شادی کا رواج تھا اور عام طور پر سن

Marfat.com

بلوغ کو پہنچتے ہی یعنی ۱۴ سال کی عمر تک شادی ہو جایا کرتی تھی۔ شادیاں خاندان میں، قریب اور دور کے رشتہ داروں اور دوستوں کے بچوں بچیوں کے درمیان ہی ہوا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ سن بلوغت کے آغاز پر لڑکوں اور لڑکیوں کے میل جول پر پابندی کے باوجود دُلھا، دُلھن بچپن سے ہی ایک دوسرے سے بخوبی واقف ہوتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ کسی نہ کسی حد تک دلچسپی رکھنے کی بنا پر خوشی سے شادی پر آمادہ ہو جاتے تھے۔

اس کے علاوہ بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت تھی اور مرد اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ طلاق اور دوبارہ شادی ہر فریق کے لیے آسان تھی۔ بعض شیعہ علما دوران سفر میں عارضی شادی (متعہ) کی اجازت بھی دیتے ہیں۔ ان انتظامات کی وجہ سے بلوغت کے آغاز سے مرتے دم تک جنسی تعلق صرف زن و شو تک محدود رکھنا آسان تھا۔ یہ بھی ایک سبب ہے جس کی بنا پر اسلام دین فطرت ہونے کا دعویدار ہے۔

اس وقت سے حالات بہت بدل چکے ہیں۔ شادیاں اب بڑی تاخیر سے اور عموماً ۲۵ سے ۳۵ سال کی عمر میں اس وقت ہوتی ہیں جب دُلھا معقول ملازمت حاصل کر چکا ہو۔ بہت سی صورتوں میں پہلے سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ شادی سے قبل دونوں نے ایک آدھ بار ایک دوسرے کی صورت دیکھی ہوتی ہے۔ خاندان سے باہر شادیوں کا رواج بڑھ رہا ہے۔ دُلھا، دُلھن کے درمیان شادی سے قبل جسمانی رابطے سے تو اب بھی گریز کیا جاتا ہے لیکن ایک دوسرے سے واقفیت کے سلسلے میں روایتی اسلامی طریقے ترک کیے جا رہے ہیں۔

بہت سے مسلم ممالک میں کثرت ازدواج ممنوع ہے۔ طلاق اور دوبارہ شادی کو سخت دشوار بنا دیا گیا ہے۔ مسلمانوں نے ایک انتہائی فطری مذہب کو اپنے لیے بتدریج انتہائی سخت بنا لیا ہے۔ جنسی طرز عمل میں تبدیلی کا نتیجہ جنسی بے راہ روی کی شکل میں بر آمد ہوا ہے جس میں جلق، ہم جنس پرستی اور ناکام شادیاں شامل ہیں۔ مسلم ازدواجی طرز عمل کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ اسے اتنا ہی فطری بنایا جا سکے جتنا فطری اسے ہونا چاہیے تھا اور جتنا وہ ماضی میں ہوا کرتا تھا۔

۵۔۷ مسلمانوں کی وضع قطع:

مسلمانوں کے مروجہ لباس پر کافی عرصے سے اعتراضات ہو رہے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ

Marfat.com

عرب پوشاک کے مترادف ہے۔ لہٰذا مغرب نے اسے ہمیشہ عجیب نظروں سے دیکھا ہے۔ بعض مسلمان خود بھی اس لباس سے لاتعلقی اختیار کرتے جا رہے ہیں، جب کہ کچھ لوگ بدستور اسلامی وضع قطع برقرار رکھنے پر مصر ہیں۔

۱۹۲۰ء کی دہائی میں ترکی نے عرب دشمن جذبات کی بنا پر "اسلامی لباس" پر پابندی عائد کردی تھی۔ اس لباس کو کام کے لیے ناموزوں سمجھا گیا اور مغربی نظر آنا امتیازی وصف ٹھہرا۔ جنگ خلیج کے دوران میں امریکی اور یورپی مسلمان اس لیے عرب لباس پہنتے ڈرتے تھے کہ کہیں انھیں عراقی نہ قرار دے دیا جائے۔ ۱۹۹۳ء میں عربی الجزائر جب اسلامی بنیاد پرستوں کے ساتھ زبردست معرکہ آرائی میں الجھا ہوا تھا تو سرکاری ملازمین پر عربی لباس پہننے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔

کیا مسلمانوں کو اس معاملے میں کوئی تشویش ہونی چاہیے؟ کسی بات پر مجبور کیا جانا تو بہتوں کو ناگوار گزرتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تقلید پسند یہودیوں کی وضع قطع (لمبی ڈاڑھی، ٹوپی) نہ صرف تسلیم کر لی گئی بلکہ یہودی طاقت اور افتخار کی علامت کے طور پر اس کا احترام بھی کیا جاتا ہے۔ مسلم لباس عرب، یا پاکستانی یا ملائی لباس کا مترادف نہیں ہے مگر اس کے کچھ قوانین مقرر ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے اپنے عقائد پر مفاہمت کیے بغیر انھیں اسلامی طور پر مقررہ لباس پہننے کے حق سے نہ روکا جا سکتا ہے اور نہ اس حق میں کوئی کمی کی جا سکتی ہے۔ اسلامی ممالک میں بھی اور مغرب میں بھی مسلمانوں کی طویل بقا کے لیے اس قسم کے حقوق کے تحفظ کی خاطر قانونی چارہ جوئی ضروری ہے۔ واضح رہے کہ اسلام کی رو سے مسلمان عورت کے لیے چہرے پر نقاب ڈالنے کی پابندی نہیں ہے پھر بھی بعض ملکوں بالخصوص بھارت اور پاکستان میں بعض مذہبی رہنما اسے ضروری سمجھتے ہیں۔

> "اور اے نبی ﷺ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں، بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے، شوہر، باپ..." (سورۃ: ۲۴:۳۱)

Marfat.com

اسلام مردوں اور عورتوں دونوں کو، بعض پابندیوں کے ساتھ، گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے پھر بھی بعض مسلمان اپنی عورتوں کو گھروں میں محدود کر دیتے ہیں۔ ان مسلمانوں کو اپنے اس عمل پر دوبارہ غور کرنا چاہیے۔

۷۶۔ خورد و نوش:

"پوچھتے ہیں: شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو: ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ اُن کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔" (سورۃ: ۲:۲۱۹)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں..." (سورۃ: ۵:۹۰)

دنیا بھر میں مسلمانوں کی غالب اکثریت نشہ آور مشروبات سے پرہیز کرتی ہے۔ تقریباً ایک ارب مسلمانوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی نشہ آور مشروب کو چھوا تک نہیں۔ بعض کٹر مسلمان تو بیماری کی صورت میں کھانسی کا شربت پینا بھی گوارا نہیں کرتے کیوں کہ اس میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے۔ تاہم ایسے مسلمان بھی ہیں جو کسی بھی قسم کا نشہ نہ کرنے کے واضح حکم کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہیروئن اور جدید قسم کی منشیات کی عادی ہو چکی ہے۔ پاکستان اور افغانستان میں ان منشیات کی لعنت انتہائی خطرناک حد تک پہنچ چکی ہے۔ ایک طویل عرصے سے بہت سے مسلمان سرور انگیزی کے لیے نشہ آور دوائیں اور پودے مثلاً افیون، چرس اور بھنگ استعمال کر رہے ہیں۔

صومالیہ، جیبوتی، یمن، کینیا اور ایتھوپیا میں لاکھوں افراد "کھات" نامی ایک پودا چباتے ہیں جس کا ذائقہ تلخ اور اور نشہ ہلکا ہوتا ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق کھات کے استعمال سے خون کی روانی اچانک تیز ہو جاتی ہے جس سے جسم کا درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے اور خون کے دباؤ اور جذبات کی تندی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ استعمال کرنے والے پر سرمستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ان کے شہوانی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں چند گھنٹے بعد اس پر سستی اور

Marfat.com

خوابیدگی کی کیفیت غالب آجاتی ہے۔ بہت سے لوگ استطاعت نہ رکھنے کے باوجود اس لت پر بھاری رقم خرچ کرتے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ "کھات" کا کاروبار سالانہ سو ملین ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے۔ مقامی علماء دین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ قرآن میں "کھات" کے بارے میں واضح طور پر تو کچھ نہیں ملتا مگر اس کا شمار یقینی طور پر ممنوعات میں ہوتا ہے اس لیے مسلمانوں کو اس سے دور ہی رہنا چاہیے۔ لاکھوں مسلمانوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

مسلمانوں کی اکثریت اسلامی تعلیمات پر عمل کرتی ہے اور سور کا گوشت کھانے اور شراب پینے سے تو گریز کرتی ہے مگر ایسے ہی یا اس سے بھی خراب اثرات رکھنے والی مذکورہ بالا اشیا کا استعمال مسلم ممالک میں بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ اشیا بے حد مہنگی اور استعمال کنندہ کے لیے سخت تباہ کن ہیں۔ پاکستان، افغانستان اور صومالیہ میں ان چیزوں کے استعمال کی وجہ سے بے شمار خاندان تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔ حکومت کی جانب سے اس صورتحال کا بغور جائزہ لینے کے بعد اور مذہبی رہنماؤں کی مدد سے زیادہ موثر قوانین و ضوابط بنانے سے ان معاشروں کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔

۷۷۔ ایک دوسرے کے خلاف تشدد:

مسلمان اپنا نقطہ نظر منوانے کے لیے ذاتی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایک دوسرے کے خلاف خوشی خوشی تشدد پر اتر آتے ہیں۔ حالیہ دور میں (الف) مشرقی پاکستان کی خانہ جنگی (ب) ایران۔ عراق جنگ (ج) کردوں اور شیعوں کے خلاف عراقی خانہ جنگی (د) فلسطینیوں کے خلاف اردن کی فوجی کارروائی (ہ) شام میں اندرونی مخالفین کے خلاف کارروائی اور (و) صومالیہ کی خانہ جنگی (اور پھر قحط) میں مسلمانوں نے اپنے لاکھوں مسلمان بھائیوں کو ہلاک اور زخمی کیا۔ الجزائر، مصر، پاکستان، صومالیہ، کویت اور دیگر مقامات پر تشدد کے یہ واقعات تشویشناک حد تک بڑھتے جا رہے ہیں۔ بعض لوگ بڑے افسوس کے ساتھ یہ بتا رہے ہیں کہ مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے مسلمانوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے بھائی کا بھائی کے خلاف تشدد پر اتر آنا جسمانی اور روحانی دونوں لحاظ سے انتہائی تباہ کن ہے۔

ہر مسلم معاشرے میں تشدد کے ارتکاب کے خلاف قوانین موجود ہیں خواہ وہ نوآبادیاتی

Marfat.com

آقاؤں سے ورثہ میں ملے ہوئے دیوانی اور فوجداری اصول قانون پر مبنی ہوں یا اسلام کی نافذ کردہ حدود پر۔

"برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا" (سورۃ: ۴۲: ۴۰)

بہت سے مسلم ممالک میں عدلیہ پر بد عنوانی اور آزادی کے فقدان کا الزام لگایا جاتا ہے۔ انصاف کی فوری فراہمی کے لیے ان ممالک کی عدلیہ کو صحیح خطوط پر استوار کرنا، اس کی اصلاح کرنا اور اسے طاقتور بنانا ضروری ہے۔ انھیں یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ زیادتی کرنے اور انصاف نہ کرنے والوں کے لیے کیا وعید ہے:

"ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"
(سورۃ: ۴۲: ۴۲)

بین الاقوامی سطح پر تنازعات کے تصفیہ کے نظام (مثلاً او آئی سی) سے کچھ امید بندھتی ہے مگر اس کا قطعی حل صرف اتحاد اور اخوت کی ان اسلامی اقدار میں ہی مل سکتا ہے جو مذہب میں بڑی بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

۸۷ے مسلمانوں کے مابین تاریخی غلط فہمیاں:

مسلمانوں کے درمیان تاریخی نوعیت کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً بعض ترک باشندے سلطنت عثمانیہ کی شکست وریخت میں برطانیہ کے ساتھ عربوں کے اشتراک عمل کو نہیں بھول پائے ہیں۔ اسی وقت سے عرب مقاصد کی حمایت میں ترکوں نے سرد مہری اختیار کر رکھی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں سے متعلق معاملات پر عربوں اور ایرانیوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور وہ اکثر ایک دوسرے کی مخالفت پر کمربستہ نظر آتے ہیں۔ تاریخی طور پر اکثر ایرانی عربوں کو غیر مہذب سمجھتے ہیں۔ عرب اور ایرانی (اہل فارس) خاصے عرصے تک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہ چکے ہیں۔ ایران۔ عراق جنگ اس کی حالیہ مثال ہے۔ رسول اللہ ﷺ دونوں ہی کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے تھے۔ حدیث شریف (ترمذی) کے مطابق: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کلام پاک کی

Marfat.com

یہ آیت تلاوت فرمائی "اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے، تو وہ تمھاری جگہ اور لوگ لے آئے گا اور وہ تمھاری طرح نہیں ہوں گے۔" اس پر انھوں نے کہا "اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم نے پیٹھ دکھائی تو وہ ہماری جگہ انھیں لے آئے گا اور وہ ہمارے جیسے نہیں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے سلمان فارسیؓ کو شفقت سے تھپتھپایا اور پھر فرمایا کہ یہ اور ان کے لوگ۔ اگر دین کہکشاں کے قریب بھی ہوتا تو کچھ عجمی یقیناً اسے حاصل کر چکے ہوتے۔"

مغرب میں جرمنی نے پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے اپنے دشمنوں سے مفاہمت کر لی ہے۔ جاپان امریکہ کا اتحادی ہے حالانکہ امریکہ نے جاپانی شہریوں پر ایٹم بم گرائے ہیں۔ مسلمان بھی اپنے ماضی کے تنازعات طے کر لیں تو انھیں بے حد فائدہ پہنچے گا۔

> "البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑی الوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔" (سورۃ: ۴۲: ۴۳)

۷۹۔ برسر اقتدار حکومتوں کے ذاتی مفادات:

بہت سے مسلم ممالک میں اصل اہمیت برسر اقتدار حکومت کے معمولی مفادات کو بھی دی جاتی ہے۔ ہر حکمران گروپ خود اپنے اقتدار، مرتبے اور قلیل المیعاد مقاصد میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ یہ بات آمریت اور بادشاہت، پر خاص طور سے صادق آتی ہے۔ ان کے حامیوں نے عوام کی حمایت کے سلسلے میں مذکورہ بالا آیت کو اکثر سند اور جواز کے طور پر پیش کیا ہے:

> "... اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں..." (سورۃ: ۴: ۵۹)

وہ اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ نااہل حاکموں کی اطاعت نہ کرنے کے بارے میں بھی حکم ہے کہ:

> "اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اُن بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔"
> (سورۃ: ۲۶: ۱۵۰-۱۵۲)

Marfat.com

مختصر یہ کہ اسلام عادل اور صالح حکمراں کے لائے ہوئے استحکام کی حمایت کرتا ہے مگر وہ یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ حکومت عادلانہ اور دیانت دارانہ انداز میں چلائی جائے گی۔ اسلام بد عنوان حکمراں کی نافرمانی حتیٰ کہ اس کا تختہ الٹنے کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

ایرانیوں کے نزدیک (جہاں بارہا انتخابات ہو چکے ہیں)، ان کے اپنے قومی اثر و رسوخ میں اضافہ، شیعہ مذہب کی ترویج اور مغرب کو سبق سکھانے کا عمل عموماً اسلامی یکجہتی سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، مسلم حکومتوں کو فائدہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب وہ یہ محسوس کر لیں کہ انفرادی اعتبار سے دنیا میں ان کی طاقت بہت کم ہے اور انھیں بڑی آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح یورپ میں یورپی یونین مصروف عمل ہے مسلمان بھی، ایک بلاک کی شکل میں اکٹھے ہو کر، غیر معمولی کامیابیاں حاصل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ قرآن میں بادشاہوں اور مضبوط حکمرانوں کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ یہودیوں کے ایسے پیغمبروں میں، جو بادشاہ بھی تھے (۲) حضرت طالوت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام شامل تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر (بادشاہ) کی حکومت میں مامور تھے۔ قرآن میں ان بادشاہوں کا ذکر ان کے خطاب یا اختیار کی مذمت کے بغیر کیا گیا ہے۔ تاہم کافی مسلم حکومتوں کے سربراہوں کا بنیادی مقصد ہی ہے برسر اقتدار رہنا خواہ وہ بادشاہ ہوں جو اپنی موروثی بادشاہت کو دوام بخشنا چاہتے ہیں یا آمر ہوں جو تاحیات اقتدار میں رہنے کے خواہاں ہیں۔ وہ اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے خود اپنی مسلم رعایا کو کچلنے کی غرض سے غیر مسلم بیرونی طاقتوں کو دعوت دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

آج مسلم حکمراں اپنے تحفظ کے لیے عموماً مغرب خصوصاً امریکہ کی طرف دیکھتے ہیں کیوں کہ اس کی طاقت اور اپنے "موجودہ" دوستوں کی مدد کے لیے آن پہنچنے کے سلسلہ میں اس کے ریکارڈ سے وہ متاثر ہیں۔ تاہم پرانے دوستوں (پاکستان، ایران یا عراق) کو مطلب نکل جانے کے بعد نظر انداز کر دینے اور ان کے (ایران، عراق وغیرہ) اثاثے منجمد کرنے کے بارے میں امریکہ کے ریکارڈ کو بھلا دیا جاتا ہے۔ مسلم رہنما اپنے مشترکہ عقائد کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ مدد کے لیے مغرب کے سوا انھیں اور کوئی جگہ مل ہی نہیں سکتی۔

Marfat.com

اگرچہ ایران اپنے اثاثے منجمد ہونے کی بنا پر اپنی خاصی دولت گنوا چکا ہے اور عرب بادشاہ جنگ خلیج میں اقوام متحدہ کی فوجی کارروائی کے لیے خطیر رقوم کی ادائیگی پر مجبور ہو چکے ہیں لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے مسلمانوں پر انحصار کے تصور پر سنجیدگی سے غور و فکر کا اب بھی بہ ظاہر دور دور کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

۸۰۔ تنازعہ طے کرانے کے اصول:

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

(سورۃ ۴۹:۱۰)

مسلمانوں کے مابین متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں تنازعہ کے تصفیہ کی ضرورت ہے۔ سوسن ایل۔ کارپنٹر اور ڈبلو جے ڈی کینڈی نے اپنی کتاب "مینجنگ پبلک ڈسپیوٹس" میں تنازعات کے تصفیہ کے ذرائع پر بحث کی ہے اور اس کا گراں قدر تجزیہ کیا ہے۔ (۳) ان کا کہنا ہے کہ اگر کوئی تنازعہ طویل عرصہ تک تصفیہ کیے بغیر چھوڑ دیا جائے تو پھر جھگڑے ہوں گے، حمایت اور مخالفت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، موقف میں سختی آ جائے گی، رابطے ختم ہو جائیں گے، ہر فریق وسائل کا قیدی بن جائے گا، تنازعہ برادری کی حدود سے باہر نکل جائے گا، خیالات مسخ ہو جائیں گے اور بحران کا احساس جنم لے گا۔

فریقین پر تنازعات کے متعدد نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں: الجھن میں اضافہ ہو جاتا ہے، احساسات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے، موقف میں سختی آ جاتی ہے، غیر جانب داروں کو پہچاننے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، عجلت کا احساس پیدا ہوتا ہے، تنازعہ کے اثرات فرد کے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں اور انتقام کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ بنا بریں تنازعات پر توجہ دینے اور جس قدر جلد ممکن ہو انھیں طے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا عدالتی اصلاحات کی بنیاد پر ہر ملک اپنے دائرہ اختیار میں ان تنازعات کے تصفیہ کے لیے خود اپنا عدالتی نظام استعمال کر سکتا ہے۔ تاہم مسلمانوں کے مابین بین الاقوامی مسائل کے حوالے سے تنازعات طے کرانے کے لیے ثالثی پر مبنی نظام کچھ زیادہ اچھا اور مضبوط نہیں ہے۔

Marfat.com

ایران۔ عراق جنگ، کویت۔ عراق جنگ اور دیگر تنازعات طے کرانے کی غرض سے او آئی سی کے بھیجے ہوئے وفود غیر موثر ثابت ہوئے۔ اس ناکامی کا ایک جزوی سبب یہ بھی تھا کہ اس سلسلے میں ان کے لیے کوئی واضح سمت اور ٹھوس طریقہ کار متعین نہیں کیا گیا تھا۔ یہ مسئلہ اس حقیقت کی بنا پر مزید پیچیدہ ہو گیا ہے کہ مسلم حکومتیں اپنے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں قرآن و سنت کے حوالے پیش کر دیتی ہیں۔ لہٰذا تنازعات کے تصفیہ کا کوئی نظام رائج کرنے کی ضرورت ہے جسے مسئلے کی جڑ تک پہنچنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۸۱۔ حاصل کلام:

اسلامی تاریخ علمائے دین، فقہی ماہرین، محدثین سے بھری پڑی ہے جن میں امام ابو حنیفہ، مالک بن انس، امام شافعی، ابن حنبل، البخاری، مسلم، الغزالی، ابن تیمیہ اور دیگر جید علماء و فقہا شامل ہیں۔ ان کے علاوہ جمال الدین افغانی، شیخ عبدالوہاب، شاہ ولی اللہ جیسے مصلحین اور دیگر اہم شخصیات نے اپنے اپنے عہد میں ان مسائل کو واضح کرنے کی کوشش کی جن کی وضاحت درکار تھی۔ اس مرحلے پر بہت سے ایسے روحانی مسائل حل طلب ہیں جن میں سے کچھ کی نشان دہی اوپر کی جا چکی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن و سنت، علماء کے علم و فضل، باعمل مسلمانوں کی اجتماعی فکر اور انفرادی استدلال سے استفادہ کریں اور ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ مسلمانوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اختلاف رائے اور تنازعات کے تصفیے کی کوششیں شروع کر دیں اور ان کوششوں کے نتیجے میں طے پانے والے معاملات اور تصفیوں پر جلد از جلد عملدر آمد کرانے کا اہتمام بھی کریں۔

حواشی

(۱) محمد اسد: اسلام ایٹ دی کراس روڈز۔ اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی، ۱۹۹۰ء۔ صفحہ ۸۲)۔

(۲) (حضرت طالوت بادشاہ تھے مگر پیغمبر نہیں تھے۔ مترجم)

(۳) سوسن ایلی کارپنٹر اور ڈبلو۔ جے ڈی کینیڈی "مینجنگ پبلک ڈسپیوٹس۔ جوزی باس، سان فرانسسکو، ۱۹۸۸ء۔

Marfat.com

باب۔ ۵

اقتصادی مسائل

مسلمانوں کو بہت سے اقتصادی مسائل کا سامنا ہے۔ بحیثیت عمومی وہ معاشی طور پر کمزور ہیں۔ انھیں کم فی کس آمدنی، وسیع البنیاد غربت، وسائل کی ناقص تقسیم، اونچے درجے کی ناخواندگی، ناقص تربیت یافتہ افرادی طاقت، وسیع پیمانہ پر بے روزگاری، بدعنوانی، وسائل کے غلط استعمال اور غیر ملکی امداد پر حد سے زائد انحصار جیسے مسائل درپیش ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے مسلمان دنیا کی مجموعی آبادی کا تقریباً ۱۸ فیصد ہیں۔ تاہم مسلم اکثریتی ممالک کی مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) ۲۰/۱ (۱۴ اعشاریہ ۴ فیصد) سے بھی کم ہے۔ ان کی معیشتوں کا یہی نسبتاً مختصر حجم اس بات کا ایک سبب ہے کہ انھیں نئے عالمی نظام میں جو بنیادی طور پر مادیت زدہ ہے کوئی اثر و رسوخ حاصل نہیں۔ مسلمانوں کو درپیش بہت سے اقتصادی مسائل پر ذیل میں بحث کی گئی ہے۔ تاہم یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بنیادی اسلامی معیشتیں کس طرح دوسرے اقتصادی نظاموں سے مختلف ہیں۔

(الف) تقابلی نظام ہائے معیشت

۸۲۔ سرمایہ داری:

سرمایہ دار دولت رکھنے والے اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی دولت تجارتی منصوبوں میں منافع

Marfat.com

کمانے کی نیت سے لگاتا ہے۔ وہ ممکنہ نقصان کا خطرہ بھی مول لیتا ہے۔ سرمایہ داری میں متعدد بنیادی اصول شامل ہیں:

(الف) ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت جو تجارتی مسابقت یعنی دوسرے پیداکاروں اور اشیااور خدمات فراہم کرنے والوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی آزادی کے تابع ہو جس کا نتیجہ معیار میں بہتری اور قیمتوں میں کمی کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔

(ب) آزادانہ کاروبار یعنی حکومت کی پابندی کے بغیر کاروبار کرنے کی آزادی۔

(ج) محرک منافع ہونا یعنی اس انداز سے کاروبار کرنے کی آزادی جس میں زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو اور نقصان سے بچا جا سکے۔

خالص سرمایہ داری نظام میں صلاحیت کار اور منافع میں زیادہ سے زیادہ اضافے کے حوالے سے انفرادی کوششوں پر کوئی پابندی یا رکاوٹ نہیں ہوتی۔ کارکردگی کی صلاحیت سے عاری افراد کے لیے اس میں دلچسپی کا عنصر بہت کم ہوتا ہے۔

۸۴۔ اشتمالیت (کمیونزم):

کمیونزم یا "سائنسی اشتراکیت" کے بانی کارل مارکس نے تاریخ کو سرمایہ داروں (بورژوائیوں) اور مزدوروں (پرولتاریوں) کے درمیاں جدوجہد کے نقطہ نظر سے دیکھا۔ اس نے یہ محسوس کیا کہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مزدوروں کو گزراوقاتی اجرت سے کچھ ہی زائد اجرتیں ادا کی جاتی ہیں جب کہ مالکان تمام فاضل آمدنی کو منافع قرار دے کر خود رکھ لیتے ہیں۔ کارل مارکس کا خیال تھا کہ بورژوا طبقہ کے خلاف انقلاب کے ذریعے ہی مزدوروں کو انصاف مل سکتا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کے منشور میں اس نے مندرجہ ذیل مقاصد کے حصول پر زور دیا: (۱)

(الف) زمین کی نجی ملکیت کا خاتمہ اور کرایۂ زمین کا عوامی مقاصد کے لیے استعمال

(ب) آمدنی پر بھاری ترقی پذیر ٹیکس

(ج) وراثت کے تمام حقوق کا خاتمہ

(د) تمام تارکین وطن اور باغیوں کی املاک کی ضبطی

Marfat.com

(ہ) ریاست کے سرمایہ اور مخصوص اجارہ داری کے ساتھ قومی بینک کے ذریعے ریاست کے ہاتھوں میں قرضہ کا ارتکاز

(و) ذرائع مواصلات اور ٹرانسپورٹ کا ریاست کے ہاتھوں میں ارتکاز۔

(ز) ریاست کے ملکیتی کارخانوں اور پیداواری کل پرزوں کی توسیع: بنجر اراضیوں کو قابل کاشت اور زرعی زمین کو بہتر بنانا۔

(ح) محنت کے لیے سب کو برابر کے مواقع فراہم کرنا۔ صنعتی، جتھوں کا قیام۔ بالخصوص زراعت کے لیے۔

(ط) پیداواری صنعتوں کے ساتھ زراعت کا الحاق۔ ملک بھر میں آبادی کی مساویانہ تقسیم کے ذریعے بتدریج شہری اور دیہی تفریق کا خاتمہ۔

(ی) سرکاری اسکولوں میں تمام بچوں کی مفت تعلیم۔ کارخانوں میں بچوں کی محنت کا خاتمہ۔ تعلیم کو صنعتی پیداواری عمل وغیرہ سے ہم آہنگ کرنا۔

۸۴۔ اشتمالیت بمقابلہ اشتراکیت (سوشلزم):

(سوشلزم) اگرچہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ دونوں ہی کارل مارکس سے متاثر ہیں تاہم عملاً ان دونوں میں منجملہ اور باتوں کے کئی اعتبار سے فرق ہے جو حسب ذیل ہے:

(الف) کمیونزم صرف انقلاب کے ذریعے آسکتا ہے جب کہ سوشلزم انتخابات کی مدد سے پرامن انتقال اقتدار کے ذریعے لایا جاسکتا ہے۔

(ب) انقلاب کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ ایک کمیونسٹ حکومت پرولتاری آمریت پر مبنی ہو جب کہ سوشلسٹ حکومت کے لیے جمہوری ہونا ضروری ہے جو سیاسی آزادی اور معاشی انصاف پر مبنی ہو۔

(ج) کمیونزم میں پیداوار اور تقسیم کے تمام ذرائع حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں اور وہی، انھیں چلاتی ہے جب کہ سوشلزم میں صرف اہم صنعتوں کو قومی تحویل میں لیا جاتا ہے۔(۲)

۸۵۔ مسیحی معاشی طرز فکر:

اگرچہ دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام پر عمل پیرا زیادہ تر ملک عیسائی ہیں مگر وہ سب لازماً عیسائیت

Marfat.com

کی معاشی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔ انجیل مال و دولت رکھنے کی حوصلہ شکنی کرتی ہے اور یوم حساب پر دولت مندوں کے لیے مشکلات کی وعید دیتی ہے۔ اس کے علاوہ سود کی آمدنی صدیوں ممنوع رہی حتیٰ کہ اصلاح کلیسا کی احتجاجی تحریک (پروٹیسٹینٹ ریفارمیشن) نے اس کے استعمال کے لیے رعایات دے دیں۔

۸۶۔ مسلم معاشی طرز فکر:

اسلام نے معاشی مسائل پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اللہ نے دن کام اور رات آرام کے لیے بنائی ہے......

> "اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے..." (سورۃ: ۷۳: ۲۰)
>
> "پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، شاید کہ تمھیں فلاح نصیب ہو جائے۔" (سورۃ: ۶۲: ۱۰)

جیسا کہ ڈاکٹر عماد اے احمد نے اپنے مقالہ "اقوام کی دولت کا اسلامی تناظر" میں وضاحت کی ہے:

> قرآن میں متعدد مخصوص اقتصادی مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ نجی املاک کا تحفظ کیا گیا ہے (سورۃ: ۲۰: ۱۸۸)۔ ذمہ داریاں پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے (سورۃ: ۲: ۱۷۷ اور سورۃ: ۵: ۱) اور اس کے ساتھ قانون معاہدہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں (سورۃ: ۲: ۲۸۲۔ ۲۸۳)۔ جعلسازی اور فریب دہی ممنوع قرار دی گئی ہے۔ (سورۃ: ۲۶: ۱۸۱) اور اوزان اور پیمانے درست رکھنے کی واضح ہدایت کی گئی ہے۔ (سورۃ: ۵۵: ۹)۔ (۳)

اسلام نجی املاک، آزاد تجارت، آزاد منڈی، حکومت کی کم از کم مداخلت اور ذاتی کوشش کا صلہ دینے پر یقین رکھتا ہے۔ تاہم اسلام کا مقصود دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی انسان کی فلاح ہے۔ مادی فوائد کی اہمیت ہے مگر یہ اصل مقصد حیات نہیں۔ سرمایہ داری کی طرح اسلام بھی کارکردگی اور منافع میں زیادہ سے زیادہ اضافے کے لیے افراد کی حوصلہ افزائی کرتا

Marfat.com

ہے مگر اسلام افراد کو کمزوروں کی مدد اور حفاظت کی تلقین بھی کرتا ہے۔

ڈاکٹر ایم عمر چھاپرا نے "اسلام اور اقتصادی چیلنج" میں اسلامی اقتصادی حکمت عملی کا بڑا اچھا خلاصہ پیش کیا ہے جو چار ناگزیر اور باہمی تقویت پہنچانے والے عناصر کے مجموعے کے ساتھ پورے اقتصادی نظام کی تنظیم نو پر مشتمل ہے:

(الف) معاشرتی طور پر متفقہ چھان بین کا نظام

(ب) فرد کو خود اپنے مفاد میں اور معاشرے کے مفاد میں اپنی بہترین خدمات کی انجام دہی پر راغب کرنے کے لیے مضبوط تحریک پیدا کرنے والا نظام۔

(ج) قلیل وسائل کے باوجود بنیادی مقاصد کے حصول کی غرض سے پوری معیشت کی از سر نو ترتیب اور

(د) حکومت کے لیے واضح مقصد کے حصول پر مبنی مضبوط اور مثبت کردار کا تعین۔ وسائل کی تقسیم خاص طور پر ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اسلامی سوچ (الف) مسلمانوں کی عالمگیر اخوت (ب) انسانی آزادی (ج) وسائل کو بطور امانت برتنے (د) سب کے لیے بنیادی ضروریات کی تکمیل (ہ) عاجزانہ طرز زندگی (و) آمدنی اور دولت کی مساویانہ تقسیم (ز) تمام لوگوں کے لیے باعزت ذریعہ آمدنی (ح) ترقی اور (ط) استحکام کی متقاضی ہے۔

غربت، ممالک کے مابین اور ان کے اندر وسائل کی ناقص تقسیم، بیروزگاری اور روزگار کی کمی، معیشت سے خواتین کا اخراج، غیر ملکی امداد پر بہت زیادہ انحصار، زکوٰۃ کی وصولیابی میں ناکامی، بلاسودی قرضہ کے لیے سرمایہ کا فقدان، ناخواندہ اور غیر تربیت یافتہ افرادی قوت اور پانی کی قلت...... یہ فوری اہمیت کے چند مسائل ہیں جو مسلم ممالک کو درپیش ہیں۔ مندرجہ بالا چار عناصر کو اگر مخلصانہ طور پر بروئے کار لایا جائے تو ان اقتصادی مسائل کے حل کی صورت نکل سکتی ہے۔ جدید دور میں، مسلمانوں کو ابھی اپنے مسائل کے بارے میں اسلامی طرز فکر کا مظاہرہ کرنا ہے۔

(ب) غربت

۸۷۔ کم فی کس آمدنی:

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ۹۲۔ ۱۹۸۰ء کے عرصے میں فی کس مجموعی قومی پیداوار

Marfat.com

(جی این پی) میں بیشتر مسلم ممالک کی شرح نمو منفی یا بہت کم تھی۔ چین اور بھارت کو چھوڑ کر تمام ملکوں کی اوسط شرح نمو ۲ء۱ فیصد سالانہ رہی۔ صفر شرح نمو پر فی کس آمدنی، ہمیشہ یکساں طور پر قائم رہتی ہے جب کہ ایک فیصد شرح نمو پر تقریباً ستر سال میں، ۲ فیصد پر پنتیس سال میں، ۳ فیصد پر چوبیس سال میں اور ۴ فیصد پر اٹھارہ سال میں دوگنی ہو جاتی ہے۔ منتخب مسلم اور غیر مسلم ممالک میں مختلف شرح نمو کی حالت میں فی کس آمدنی، بیان کردہ برسوں میں دوگنی ہونے کی توقع ہے:

ملک	فی کس آمدنی	۱٪ شرح نمو	۲٪ شرح نمو	۳٪ فیصد شرح نمو	۴٪ فیصد شرح نمو
	۱۹۹۲ء (ڈالر)	سال ۲۰۶۲ء	سال ۲۰۲۷ء	سال ۲۰۱۶ء	سال ۲۰۱۰ء
یوگنڈا	۱۷۰	۳۴۰	۳۴۰	۳۴۰	۳۴۰
پاکستان	۴۲۰	۸۴۰	۸۴۰	۸۴۰	۸۴۰
مصر	۶۴۰	۱۲۸۰	۱۲۸۰	۱۲۸۰	۱۲۸۰
مسلمانوں کا اوسط	۱۰۳۴	۲۰۶۸	۲۰۶۸	۲۰۶۸	۲۰۶۸
امریکہ	۲۳۲۴۰	۴۶۴۸۰	۴۶۴۸۰	۴۶۴۸۰	۴۶۴۸۰
سوئزرلینڈ	۳۶۰۸۰	۷۲۱۶۰	۷۲۱۶۰	۷۲۱۶۰	۷۲۱۶۰

(خاکہ ۲۔ فی کس آمدنی کی شرح نمو)۔

یہ بات واضح ہے کہ اگر اقتصادی ترقی کا موجودہ انداز جاری رہا تو پھر امیر اور غریب ملکوں کے درمیان تفاوت بڑھ جائے گا۔ مثلاً ۹۲۔۱۹۶۰ء کے درمیانی عرصے میں ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمانوں کی اوسط شرح نمو ایک فیصد تھی۔ گویا اسی شرح پر یوگنڈا کی فی کس آمدنی میں اگر اگلے ستر برسوں میں ایک سو ستر ڈالر اضافہ ہوگا تو سوئزرلینڈ کی فی کس آمدنی میں ۳۶۰۸۰ ڈالر کا اضافہ ہو جائے گا۔ شرح نمو زیادہ ہونے کی صورت میں فی کس آمدنی کے اضافے میں کم عرصہ لگے گا۔ تاہم مسلمانوں کے لیے لازمی ہے کہ مغرب کے مقابلہ میں ان کی شرح نمو زیادہ ہو ورنہ وہ کبھی بھی مغرب کے برابر نہیں پہنچ سکیں گے۔

جب تک مسلم ممالک کی ترقیاتی پالیسیوں میں زبردست تبدیلیاں رونما نہیں ہوتیں اس وقت تک شرح نمو میں کسی اضافہ کی توقع عبث ہے۔ صورتحال کی بہتری کے لیے مالیہ کی

Marfat.com

حرکت پذیری، اخراجات، قرضہ، انسانی وسائل کے فروغ اور دفاع سمیت اقتصادی ترقی پر اثر انداز ہونے والے تمام اہم عوامل پر از سر نو غور و خوض کرنا ضروری ہے۔ بیشتر مسلم ممالک میں اقتصادی ترقی کی شرح دو یا تین فیصد ہے جو کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔ اس فرق کو کم کرنے کے لیے اس سے کہیں زائد شرح ترقی کا حصول ان کے لیے ضروری ہے (جیسا کہ چین اور کوریا میں ہے)۔ مسلم رہنماؤں پر لازم ہے کہ وہ پانچ، دس، بیس اور پچاس سالہ ولولہ انگیز ترقیاتی منصوبوں پر عملدر آمد پر متفق ہو جائیں۔

پاکستان کے سابق نگراں وزیر اعظم معین قریشی نے دسمبر ۱۹۹۰ء میں اپنی تقریر میں ملک کی ناقص اقتصادی کارکردگی کے مندرجہ ذیل اسباب کی نشان دہی کی تھی:

(الف) ایک واضح طویل المیعاد لائحہ عمل کے بغیر ناکافی اقتصادی نظم کاری (مینجمنٹ) اور پالیسی

(ب) سماجی شعبہ میں کم سرمایہ کاری جس کا نتیجہ انسانی وسائل کی ناکافی ترقی کی شکل میں نکلا۔

(ج) مادی سرمایہ میں کم سرمایہ کاری جو مجموعی داخلی پیداوار کی فیصد شرح کے طور پر انحطاط پذیر شرح سرمایہ کاری کا ایک جزوی نتیجہ ہے۔

(د) مسابقت اور تحریک کا کمزور نظام

(ہ) ٹیکس کا ایسا پیچیدہ اور بے قاعدہ نظام جو بر آمدات کے لیے حوصلہ شکن ہے: اور

(و) ایسے سیاسی اور سماجی اداروں کا فقدان جو ترقی کے لیے قوم کو متحرک کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

اقتصادی ترقی کے لیے طویل المیعاد پالیسیوں کے نمونے کے طور پر معین قریشی نے اپنے ملک کے لیے مندرجہ ذیل مقاصد اور اصلاحی اقدامات تجویز کیے:

(الف) معیشت کا حجم ۱۰ سال میں دو گنا کر دیا جائے جس کا مطلب آبادی میں اضافے کی گنجائش نکالنے کے بعد معیشت کی شرح نمو میں سات فیصد سالانہ یا فی کس آمدنی میں تقریباً ۴ فیصد اضافہ ہوگا۔

(ب) ٹیکس کے نظام اور انتظامیہ کی اصلاح کے ذریعے سرمایہ کی شرح میں تیزی سے اضافہ

Marfat.com

کیا جائے۔

(ج) وسائل کی ترتیب و تنظیم کی سطح کا اندازہ لگانے اور انھیں حرکت میں لانے نیز معیشت کے شعبوں (مثلاً دفاع) اور علاقائی اخراجات کے حوالے سے ترجیحات کے تعین کے بارے میں قومی اتفاق رائے کا اہتمام کیا جائے۔

(د) کھلی معیشت قائم کی جائے جس میں حکومت منتظم کا کردار ادا کرنے کے بجائے ضابطہ کار کی نگرانی کی ذمہ داری سنبھالے، نجی شعبہ کو فروغ دیا جائے اور تجارت اور مبادلہ کے آزادانہ نظام کا اہتمام کیا جائے۔

(ہ) سماجی ترقی کے پروگرام کا اہتمام کیا جائے جس میں سب کے لیے صحت اور تعلیم کی بنیادی سہولیات کی فراہمی پر زور دیا جائے۔

(و) اور مالیاتی اداروں کو اپنے معاملات چلانے کی زیادہ آزادی دی جائے۔

۹۱-۱۹۸۰ء کے دوران تھائی لینڈ کی سالانہ شرح ترقی ۵ء۹ فیصد چین کی ۸ء۷ فیصد اور عوامی جمہوریہ کوریا کی ۷ء۸ فیصد رہی۔ آٹھ فیصد کی شرح پر فی کس آمدنی پر نو سال میں دوگنی ہو جائے گی۔ اسی شرح ترقی پر مثال کے طور پر پاکستان کی فی کس آمدنی ۲۰۰۱ء تک آٹھ سو چالیس ڈالر اور ۲۰۱۰ء تک سولہ سو اسی ڈالر ہو سکتی ہے۔ یہ کم از کم ہدف ہو گا۔ اس کے باوجود یہ امریکہ اور دیگر ترقی یافتہ ملکوں کی فی کس آمدنی کے ایک حصے کے برابر ہو گی۔

ہر مسلم ملک کے پاس محنت کشوں کی ایک دولت موجود ہے اس کے علاوہ زمین اور سرمایہ بھی ہے اور ایسے باصلاحیت افراد کی بھی کمی نہیں جو مجموعی قومی پیداوار میں اضافہ کے لیے ان سب عوامل کو یکجا کر سکتے ہیں۔ آسان زبان میں یوں کہہ لیں کہ کم سے کم خرچ کے عوض زیادہ سے زیادہ پیداوار مقصود ہے۔ دوسری قوموں نے مختلف تکنیکوں مثلاً وسیع پیمانہ پر پیداوار، کفایات پیمانہ (Economies of Scale) مصنوعات، میں تخصیص بہتر ٹکنالوجی اور کارکردگی میں اضافے کے ذریعے یہ مقصد حاصل کر لیا ہے۔ اس کے لیے صحیح اخلاقیات کار اور ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ان سب کو ممکن بنانے کے لیے انسانی وسائل کی ترقی کاروباری منتظمین کو مراعات کی فراہمی اور قانونی ڈھانچے میں تبدیلی پر توجہ

Marfat.com

دینا ہوگی۔ایسے نمونے موجود ہیں جنھیں بنیادی اسلامی تقاضوں کی تکمیل کے لیے مثال بنایا جاسکتا ہے تاہم سیاسی اور اقتصادی عدم استحکام سے دوچار مسلم ممالک کے لیے ترقی کی اتنی بلند شرحوں کا حصول دشوار ہوگا۔

۸۸۔غربت کی تخفیف:

''شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ تمھیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے، اللہ بڑا فراخ دست اور داتا ہے۔'' (سورۃ: ۲:۲۶۸)

غربت ایک شیطانی حیلہ ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ غربت کی مزاحمت اور اس کا مقابلہ کریں اور اللہ کا فضل تلاش کریں۔ غربت کم کرنے کا معاملہ طویل اور پیچیدہ ہے۔ سنگاپور، ملائیشیا، ہانگ کانگ، کوریا اور انڈونیشیا نے گزشتہ چند برسوں میں اچھی ترقی کی ہے۔ مسلم حکومتوں کے لیے غربت کم کرنے کا مقصد حاصل کرنے کی غرض سے اپنی اقتصادی پالیسی، سرکاری اخراجات اور اداروں کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ ساری توجہ ہر ایک کو زیادہ پیداواری پر آمادہ کرنے کے لیے ترغیبی پالیسیاں اپنانے پر، اجرت اور روزگار کی پالیسیاں تشکیل دینے پر لاکھوں بیروزگار اور کم اجرت پانے والے کارکنوں کے موثر استعمال کے لیے سرکاری اخراجات اور بالخصوص انسانی وسائل کی ترقی کے لیے کیے جانے والے اخراجات میں صرف شدہ رقم کے موثر ہونے پر اور نادار افراد کی نگہداشت سے متعلق اخراجات کی افادیت اور اثر پذیری پر رکھنی ہوگی۔ حکومتوں اور نجی شعبوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے پروگراموں اور منصوبوں کے لیے مختص رقوم میں اضافہ کریں جو غربت کی کمی میں معاون ومددگار ہوں۔

ہر شعبے (زراعت، دیہی وشہری اساسی ڈھانچے، صحت، تعلیم وغیرہ) کے لیے وضع کی جانے والی پالیسی میں غربت میں کمی کے پہلو پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے۔ ہر منصوبے کی تشکیل اور عملدرآمد میں نادار طبقے کو براہ راست شریک کرنا ضروری ہے۔ اہداف کا واضح تعین کیا جانا چاہیے۔ حکومت کی اعلیٰ ترین سطحوں پر ملک کی کارکردگی پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ سماجی

Marfat.com

اور معاشی اشاریوں کو مقررہ ہدف کے مطابق یقینی طور پر بہتر بنایا جاسکے۔
ہر حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی کوششیں او آئی سی کے ایسے دوسرے ارکان کی جو افلاس میں کمی کے لیے تعاون کرتے ہوں نیز اس میں دلچسپی رکھنے والے اندرون ملک اور بیرونی ممالک کے دوسرے گروپوں کی کوششوں کے ساتھ مربوط کرے تاکہ ان کے تجربہ اور تعاون کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا میں مسلمانوں کی نسبتاً کامیاب کوششوں سے بھی سبق حاصل کرنا ضروری ہے۔ صحیح سمت میں کی جانے والی مخلصانہ کوششوں کے ذریعے ہی مسلم حکومتیں افلاس کم کرسکتی ہیں۔

۸۹۔ بھوک سے نجات:

اللہ نے تمام مسلمانوں کو ضرورت مندوں کی مدد کا حکم دیا ہے۔ تاہم مسلم ممالک میں بہت سے لوگ بدستور فاقہ زدگی سے دوچار ہیں۔ صومالیہ اور سوڈان میں وسیع پیمانہ پر قحط کے چرچے عام ہیں اور ایشیا و افریقہ کے بیشتر ممالک کی سڑکوں پر بھکاریوں کی کثرت بھوک کے مسئلہ کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے ملکوں میں غذائی کمی کے اثرات کا اندازہ لوگوں کے چہروں پر نظر پڑتے ہی ہو جاتا ہے۔
معمول کی فاقہ زدگی کو غربت کے ساتھ مربوط کرنے کے علاوہ امریکہ کی ایک مخصوص انٹیلی جنس رپورٹ نے نیم صحرائی افریقہ کو دنیا کا سب سے زیادہ نزاعی خطہ قرار دیا ہے جہاں تقریباً تین کروڑ افراد ہنگامی امداد سے محرومی کی صورت میں غذائی کمی یا ہلاکت کے خطرہ سے دوچار ہیں۔ مختلف مدارج میں فاقہ زدگی کے خطرات سے دوچار افراد میں مسلم اکثریتی ممالک سوڈان، صومالیہ، سیرالیون، چاڈ، مالی حتیٰ کہ نائجیریا کے لوگ بھی شامل ہیں۔ بوسنیا، افغانستان، آذربائیجان اور تاجکستان کے مسلمانوں کے لیے بھی تھوڑی بہت امداد کی ضرورت برقرار رہے گی (۴)۔ اس صورتحال کا تدارک ممکن ہے اور عالمی بینک اور دیگر بین الاقوامی اداروں نے مشرقی ایشیا کے متعدد ملکوں اور دیگر ممالک میں اصلاح احوال کے لیے کامیاب اقدامات کیے بھی ہیں۔ بین الاقوامی، قومی اور خانگی ہر سطح پر عمل کرنا ضروری ہے۔
مسلمانوں کو ایک گروپ کی حیثیت میں اور دوسروں کے تعاون سے مندرجہ ذیل اقدامات کی

Marfat.com

ضرورت ہے:

(الف) زیادہ سے زیادہ تحقیق، توسیعی کام اور قدرتی وسائل کے تحفظ کے ذریعے خوراک کی فراہمی میں اضافہ کیا جائے۔

(ب) مناسب ذخائر کے اہتمام، قبل از وقت انتباہی اشاروں پر توجہ اور متعلقہ شعبوں میں زیادہ سے زیادہ تحقیق کے ذریعے خوراک کی رسد میں استحکام پیدا کیا جائے۔

(ج) ایسی مسلم معیشتوں کے تیز رفتار فروغ میں اشتراک عمل کیا جائے جو سب کو خوراک کی مطلوبہ مقدار کے حصول کے لائق بنائیں۔

انفرادی طور پر مسلمان خیرات اور اقتصادی مواقع کی فراہمی کے ذریعے حاجت مندوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

"پھر تباہی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں، اور معمولی ضروریات کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔" (سورۃ:۱۰۷:۴-۷)

"تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم عزیز رکھتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔" (سورۃ:۳:۹۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ اور خیرات روز حشر اہل ایمان کے لیے سایہ بنیں گے جب کوئی سایہ نہیں ہوگا اور صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا اور سکرات موت سے نجات دلاتا ہے۔

قومی سطح پر مسلمانوں کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ (الف) مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) میں اضافے کے ذریعے یا نقدی یا جنس کی شکل میں بروقت امداد کے ذریعے آمدنی کی سطح بڑھائیں۔ (ب) غذائی پیداوار میں اضافہ، مطلوبہ مقدار مین خوراک کی بروقت درآمد، مناسب ذخائر کے اہتمام، اور فصل کی کٹائی کے بعد ضیاع کے خاتمے کے ذریعے خوراک کی رسد مین اضافہ کریں۔ (ج) مناسب ذخائر، تجارت کی سہولت اور ممکنہ غذائی

Marfat.com

قلت کے قبل از وقت انتباہی اشاروں پر نظر رکھنے کا اہتمام کر کے خوراک کی رسد میں استحکام پیدا کریں (د) تقسیم کا نظام بہتر بنائیں اور (ہ) حسب ضرورت کھپت میں اضافے کے لیے اقدامات کریں۔

ملکی سطح پر (الف) پیداوار میں اضافے (ب) سوشل سیکورٹی، بیروزگاری بیمے اور خوراک کے لیے زر تلافی یا واؤچرز کے ذریعے آمدنی کی بہتر تقسیم (ج) ہنگامی صورتوں اور خشک سالی کے دنوں میں امداد، دودھ اور غذائی اشیا کی فراہمی کے پروگرام اور امدادی شرح پر غذائی راشن کے ذریعے کھپت میں اضافے اور (د) بہتر تعلیم اور معلومات بہتر آب رسانی اور حفظان صحت وغیرہ کی مدد سے بہتر قوت بخش غذا اور صحت وغیرہ میں اضافے کی ضرورت ہے۔

۹۰۔ "بھوک کے عالمگیر مسئلے" پر قابو پانے کے بارے میں کانفرنس:

۱۹۹۳ء کے اواخر میں واشنگٹن میں منعقدہ اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل نکات پر زور دیا گیا تھا جن کا اطلاق مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے:

(الف) بھوک پر قابو پانے کی ذمہ داری بالآخر ہر ایک ملک اور اس کے عوام پر ہی عائد ہوتی ہے۔ بین الاقوامی ادارے تو صرف مدد کر سکتے ہیں۔

(ب) بھوک سے متعلق مسائل سے نمٹنے میں متعدد بین الاقوامی ایجنسیاں سرگرم عمل ہیں۔ ہر ایجنسی اپنا حل تجویز کرتی ہے۔ ان سب کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپس میں رابطہ بڑھائیں۔ یہ ضروری ہے کہ وہ ہر ملک میں غریبوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنی پالیسیاں تبدیل کرتے رہیں۔

(ج) متعدد غریب ممالک بالخصوص نیم صحرائی افریقی خطے میں واقع ملکوں کی حکومتیں کمزور ہیں۔ امداد فراہم کرنے کے خواہاں بین الاقوامی اداروں کو متعلقہ ملک اور اس کی قیادت کی سکت اور صلاحیت کا صحیح ادراک ہونا چاہیے اور انھیں عملی مشورے دینا چاہیے۔ پروگرام ہر ملک کے مخصوص حالات اور صورتحال کے مطابق ہونے چاہییں۔ امداد کا مقصد صرف سہارا دینے اور اس امر کو یقینی بنانے کی حد تک ہونا چاہیے کہ ملک کے اندر ہی حالات سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اس عمل میں خواتین کی شرکت پر خصوصی توجہ دی جانی چاہیے۔

(د) بین الاقوامی ایجنسیوں کو یہ امر یقینی بنانا چاہیے کہ ان کے کسی بھی اقدام سے غریبوں کو

Marfat.com

نقصان نہ پہنچے۔ ہو سکتا ہے کہ ماضی میں معاشرے میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی بعض اسکیموں سے نقصان پہنچا ہو۔ انھیں غریبوں اور ان کے نمائندوں کی بات سنی چاہیے اور اپنے عملے کو بھی غریبوں کی مدد کی ترغیب دینی چاہیے۔

۹۱۔ وسائل کی ناقص تقسیم:

عملاً دنیا کے تمام حصوں میں اقتصادی وسائل کی تقسیم غیر مساویانہ اور ناہموار ہے۔ آبادی کے دس فیصد اونچے طبقے کے لوگ اکثر پچاس فیصد سے زائد وسائل کے مالک ہوتے ہیں جب کہ انتہائی نچلی سطح کے بیس فیصد یا اس سے زائد آبادی کے لوگ خط افلاس سے نیچے زندگی گزارتے ہیں۔ خاص طور پر جنوبی ایشیا اور افریقہ کے مسلم ممالک میں وسائل کی یہ ناقص تقسیم بڑی ہی تکلیف دہ ہے۔ مسلم ممالک میں فی کس آمدنی کے فرق سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسلام عوام کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وسائل میں انھیں ان کا بنیادی حصہ (نصاب) دیا جائے اور اسلام ان ضروریات کی تکمیل کے لیے نظام قائم کرنے کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔

(ج) معاشی نظم وضبط:

۹۲۔ عدم مرکزیت کی ضرورت:

مسلم ممالک کو دستیاب محدود وسائل پر عموماً مرکزی حکومتوں کا کنٹرول ہوتا ہے۔ غیر نمائندہ نظام ہائے حکومت کا چلن عام ہونے کی بنا پر قومی وسائل اکثر چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ مندرجہ بالا بحث کے مطابق وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی شکل میں نکلتا ہے۔ اس مسئلہ سے نمٹنے کا ایک طریقہ تو جمہوری اداروں کا قیام ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرکزیت ختم کر دی جائے اور حکومت کی انتہائی نچلی سطح پر اختیارات اور ذمہ داریوں کی تفویض ممکن بنائی جائے۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفا راشدین نے بہت سے اختیارات اور ذمہ داریاں مقامی برادریوں اور ان کے رہنماؤں کو سونپ دی تھیں۔

دیہی، بلدیاتی اور صوبائی سطح پر لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اپنے مقامی مسائل کو وہی سب

Marfat.com

سے بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ اگر مرکزی حکومتیں انھیں اس کی اجازت دے دیتی ہیں تو وہ ان مسائل کا حل اکثر نکال لیتے ہیں۔ اس انتظام کے تحت آب رسانی، صفائی ستھرائی، مقامی ٹرانسپورٹ، علاقہ کی ترقی وغیرہ سے متعلق خدمات کی فراہمی مقامی حکومت کے ہاتھوں میں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ عدم مرکزیت کی حامی بعض سیاسی جماعتیں تو مرکز کے اختیارات صرف دفاع، امور خارجہ اور کرنسی تک محدود رکھنا چاہتی ہیں۔

افلاس زدہ علاقوں میں رہنے والے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ قومی سطح پر انھیں مواقع سے محروم رکھا جارہا ہے۔ وہ کمزوروں کے لیے ایسے محکم اقدامات چاہتے ہیں جن سے کم از کم ان کے اپنے علاقوں میں اقتصادی مواقع تو ان کے اپنے لیے محفوظ ہو جائیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ:

(الف) تمام غیر مقامی لوگوں کو نکال دیا جائے۔ ملازمت کے مواقع مقامی باشندوں کے لیے مخصوص کر دیے جائیں اور استثنائی صورتوں میں غیر مقامی کارکنوں کے لیے ورک پرمٹوں کا نظام رائج کیا جائے۔

(ب) مقامی افراد کو ممکنہ حد تک کم از کم قیمت پر بنیادی غذا، لباس، علاج معالجہ، رہائش اور انصاف کی فراہمی کو اولین ترجیح دی جائے۔

(ج) مقامی زبان اور ثقافت کو سرگرمی سے فروغ دیا جائے۔

(د) نو آبادیاتی آقاؤں یا مقامی آمروں کی خدمات کے صلے میں مقامی جاگیرداروں کو ملنے والی خصوصی مراعات پر پابندی لگائی جائے۔

(ہ) مقامی لوگوں کو کاروبار کے لیے فنی امداد اور قرضے فراہم کیے جائیں۔

(و) مکمل خواندگی اور روزگار کے حصول کی غرض سے تعلیمی نظام، نصاب اور اہداف کی اصلاح کی جائے۔

(ز) تمام ٹیکس مقامی طور پر وصول کیے اور محفوظ رکھے جائیں اور مرکزی حکومت کو صرف متفقہ کاموں کے لیے مطلوبہ رقوم ادا کی جائیں۔

(ح) مقامی طور پر امن وامان کو مقامی پولس یا ملیشیا کی مدد سے کنٹرول کیا جائے۔

Marfat.com

بہت سے مسلمان ان ایجابی اقدامات پر اعتراض کرتے ہیں۔ مسلم امت واحدہ کے تصور کے تحت کامیابی کے دروازے تمام مسلمانوں پر کھلے رہنے چاہییں۔ پہلی نظر میں یہ دلیل بڑی ٹھوس محسوس ہوتی ہے۔ تاہم یہ دلیل وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جن کے پاس طاقت اور دولت ہے اور جو اپنے مال میں اضافہ کرنے کے لیے قومی سطح پر نسبتاً فائدہ مند پوزیشن حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے برعکس غریب، کمزور اور ناموافق حالات سے دوچار مسلمان بہت پیچھے چھوڑ دیے گئے ہیں۔ برابری کی سطح کے لوگوں میں مقابلے کی آزادی ایک صحت مند علامت ہے اور اس کے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن مقابلے کے نام پر طاقتور لوگوں کو نسبتاً کمزور افراد کے استحصال کی کھلی چھوٹ کو اسلامی عمل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

تھوڑی بہت پابندی اور باقاعدگی ضروری ہے۔ جب لوگوں کو خود اپنے حلقے میں ترقی کرنے اور پھلنے پھولنے کی اجازت مل جاتی ہے تو استحصال کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ مقامی کوششوں اور غیر مقامی افراد کی مالی اور فنی امداد سے کم از کم مطلوبہ ترقی کے حصول کے بعد پھر تمام مسلمانوں میں وسیع تر قومی اور بین الاقوامی مسابقت کا مقصد بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ہر حکومت پر لازم ہے کہ وہ عدم مرکزیت کے اس انتہائی درجہ کا تعین کرے جو قابل قبول ہو یا مرکزی صوبائی اور مقامی حکومتوں کے مابین اختیارات کی بہترین تقسیم کا اہتمام کرے۔ عدم مرکزیت کے عمل کو فروغ دینے میں بڑی خوبیاں ہیں اور تمام مسلم رہنماؤں کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

۹۳۔ ناخواندہ اور ناقص تربیت یافتہ افرادی قوت کی کثیر تعداد:

۱۹۹۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق اونچی آمدنی کے حامل ملکوں میں بالغان کی شرح ناخواندگی چار فیصد، بحیثیت مجموعی پوری دنیا میں پینتیس فیصد، اور کم آمدنی والے ملکوں میں ناخواندگی کی شرح چالیس فیصد تھی۔ کم از کم سترہ مسلم اکثریتی ممالک میں بالغان کی شرح ناخواندگی پچاس فیصد سے بیاسی فیصد تک تھی۔ مسلم افریقہ میں ستر فیصد سے زائد افراد ناخواندہ تھے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش میں پینسٹھ فیصد، مصر میں باون فیصد، ایران میں چھیالس فیصد اور الجزائر میں تینتالیس فیصد افراد ناخواندہ تھے۔ یہ صورت حال مسلمانوں میں انسانی وسائل کے اس بے اندازہ

Marfat.com

نقصان کی عکاسی کرتی ہے جو نسبتی اور حقیقی دونوں اعتبار سے ہو رہا ہے۔

بعض مسلم ممالک اپنی مرکزی حکومت کے بجٹ کا ایک معقول حصہ تعلیم پر خرچ کر کے اپنی صورتحال بہتر بنانے کی کوششیں کر رہے ہیں جب کہ دیگر ممالک ایسا نہیں کر رہے ہیں تمام ملکوں کے مجموعی کوائف دستیاب نہیں ہیں۔ اور بعض ملکوں مثلاً امریکہ میں جائیداد ٹیکس سے حاصل ہونے والی رقم کے ذریعے تعلیم کے لیے فنڈ اکٹھا کرنا اور خرچ کرنا مقامی حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔ تاہم بعض تقابلی اعداد و شمار سے صورتحال بخوبی واضح ہوتی ہے۔

۱۹۹۱ء میں برائے نام ناخواندگی کے باوجود سنگاپور نے مرکزی حکومت کے اخراجات کی ۱۹ء۹ فیصد رقم تعلیم پر خرچ کی۔ اسرائیل نے ۱۰ فیصد جب کہ متعدد افریقی ممالک اور بنگلہ دیش نے بھی تعلیم پر ۱۰ فیصد کے لگ بھگ رقم خرچ کی۔ پاکستان کی مرکزی حکومت نے صرف ۱ء۶ فیصد رقم خرچ کی۔ ممکن ہے کہ پاکستان کی صوبائی حکومتوں نے باقی ماندہ مطلوبہ رقم کے کچھ حصہ کی فراہمی کی ہو۔

جیسا کہ ترقی پذیر ملکوں کا خاصہ ہے مسلم ممالک سائنس اور ٹکنالوجی میں بہت پیچھے ہیں۔ طارق حسین نے اپنے مقالے میں (جو ابھی شائع ہونے کا منتظر ہے) بڑے دلچسپ اعداد و شمار پیش کیے ہیں: جاپان میں ہر ۱۰ لاکھ کی آبادی میں ساڑھے تین ہزار سائنس داں اور انجینئر ہیں، امریکہ میں دو ہزار سات سو، یورپ میں سولہ سو، ایشیا میں (جاپان شامل نہیں) ۱۰۰ اور افریقہ میں ہر ۱۰ لاکھ کی آبادی میں سائنس دانوں اور انجینئروں کی تعداد ۵۰ ہے۔ ایک گروپ کے طور پر مسلمانوں کے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں مگر قیاس یہی ہے کہ سائنس دانوں اور انجینئروں کی تعداد ڈیڑھ سو اور سو فی ملین کے درمیان ہے۔ اس سے کسی حد تک مغرب کی ترقی اور مسلمانوں کی واضح پسماندگی کا سبب سمجھ میں آجاتا ہے۔ اسی رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دنیا بھر میں نوے فیصد تحقیق تقریباً پینتیس ملکوں میں مرتکز ہے جن کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا پچیس فیصد ہے۔

قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر تعلیم اور علم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے:

"اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر" (سورۃ: ۲۰: ۱۱۴)

Marfat.com

"البتہ نصیحت کرتے رہو، کیوں کہ نصیحت ایمان لانے والوں کے لیے نافع ہے۔" (سورۃ:۵۱:۵۵)

اس کے باوجود مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد بدستور ناخواندہ اور ناقص تربیت یافتہ ہے۔ سائنس اور تحقیق کے شعبوں میں تو مسلمان اور بھی پیچھے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان تقریباً مکمل طور پر مغرب کے دست نگر ہیں۔ سرد جنگ کے دور میں بہت سے مسلم ممالک کے سائنس دانوں اور محققین کی رسائی مغرب میں انتہائی اعلیٰ پایہ کی تحقیق تک ہوئی تاہم اب اس میں کمی آتی جارہی ہے۔

جب تک تعلیمی پالیسی میں تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تعلیم کی مد میں اخراجات میں نمایاں اضافہ نہیں کیا جاتا اس وقت تک مسلمان بنیادی علم، سائنسی تحقیق اور ترقی یافتہ ٹکنالوجی میں پیچھے ہی رہیں گے۔ ٹکنالوجی اور سائنس سے طویل المیعاد وابستگی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ سائنسی کاوشوں میں مغرب سے ٹکنالوجی کی منتقلی اور تعاون کا عمل بھی مفید ثابت ہوگا۔

مسلم مذہبی اسکالرز مغربی معاشرے بالخصوص خاندان کی اکائی پر بعض جدید ٹکنالوجی کے مضر اثرات کی اکثر نشان دہی کرتے رہتے ہیں۔ اس ضمن میں ماحول کی تباہی، نت نئی غیر قانونی منشیات کی تیاری، غیر اخلاقی تفریحی صنعت اور آلودگی کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ بہر حال مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کاموں کی حمایت کریں اور بری باتوں کو مسترد کر دیں۔

۹۴۔ وسیع پیمانے پر بے روزگاری:

اللہ مسلمانوں سے کام کرنے کی توقع رکھتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ خود بھی کام کرتے تھے۔ اللہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ کام کے ذریعے اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہوں۔ تاہم تیل برآمد کرنے والے چند مالدار ملکوں کو چھوڑ کر تمام مسلم ممالک بیروزگاری کے سنگین مسئلے سے دوچار ہیں۔ بنگلہ دیش، پاکستان اور مصر جیسے ممالک اور افریقہ میں بیشتر مسلم ممالک میں روزگار کے مواقع کا فقدان ہی اہم ترین اقتصادی مسئلہ ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ مسلم ممالک میں خواتین کو ان کے گھروں سے باہر کام پر رکھنے کا رواج نہیں ہے اور عمر رسیدہ والدین اور ضرورت مند رشتہ دار بھی خاندان کا حصہ ہوتے ہیں۔ ہر

Marfat.com

ملازمت کم از کم ایک گھرانے کی کفالت کرتی ہے۔ خاندانی سہارے کا نظام موجود ہونے کے باوجود اس ملازمت کے بغیر اس خاندان کی بقا دشوار ہو جاتی ہے۔ کم روزگاری کے متعلقہ مسائل، کم اجرتیں، ملازمت کا عدم تحفظ وغیرہ کے معاملات بھی سنگین ہیں۔ لیکن پہلی ضرورت ذریعے آمدن کے طور پر کسی ملازمت کے حصول کی ہے۔

مسلم حکومتیں دیہی اور شہری دونوں علاقوں میں روزگار کے مواقع بڑھانے کی کوششیں کر رہی ہیں۔ اقوام متحدہ، عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) نے ہر ملک کے لیے جامع اقتصادی رپورٹیں تیار کی ہیں۔ ہر رپورٹ میں بالعموم مزدوروں اور بیروزگاری کے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ مشورہ بہت اور سرمایہ کاری بعد میں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلم ممالک روزگار کے بڑھتے مطالبات کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکے ہیں۔ اس کی مختلف وجوہ ہیں:

(الف) مجموعی اقتصادی ترقی کی شرح کم ہونے کی بنا پر روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی ناکافی صلاحیت

(ب) شرح پیدائش زیادہ ہونے کی وجہ سے محنت کشوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ

(ج) شدید بیروزگاری سے دوچار علاقوں سے ملک کے اندر ہی مزدوروں کی نقل مکانی اور

(د) پڑوسی ملکوں سے روزگار تلاش کرنے والوں کی نقل مکانی۔

بڑی تعداد میں ہنر مند اور نیم ہنر مند کارکن تلاش معاش کے لیے بیرونی ممالک کا رخ کر رہے ہیں اور زیادہ تر تیل پیدا کرنے والی مالدار ریاستوں میں ملازمتیں حاصل کر رہے ہیں لیکن بیروزگاری کا مسئلہ بدستور موجود ہے۔ موجودہ اقتصادی فہم و دانش مندرجہ ذیل امور کی متقاضی ہے:

(الف) اعلیٰ درجہ کی اقتصادی ترقی کی پالیسیاں

(ب) آبادی میں اضافے کی کمتر شرح

(ج) دیہی ترقی کی رفتار تیز کرنا تاکہ پہلے سے گنجان آباد شہری علاقوں کی طرف دیہات سے وسیع پیمانہ پر مزدوروں کی نقل مکانی کی حوصلہ شکنی ہو۔

(د) مفید اور بامقصد سرکاری تعمیراتی منصوبوں پر عملدرآمد

Marfat.com

(ہ) ایسی اسکیموں میں مدد دینا جن میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں مزدوروں کی کھپت ہو
(و) کم از کم اجرتوں کی اونچی شرح کی حوصلہ شکنی
(ز) خود روزگار (سیلف ایمپلائنٹ) کی ترغیب۔
(ح) نجی شعبے میں ملازمت کے مواقع پیدا کرنے کے لیے ترغیبات۔
(ط) موثر تعلیمی پالیسی، ملازمت کے مواقع سے ہنر کا تطابق پیدا کرنا، اور
(ی) علاقائی، نسلی، قبائلی اور صنفی گروپوں کے درمیان تفریق کا خاتمہ۔

تمام مسلم حکومتوں کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ بیروزگاری کم کرنے کو اولین ترجیح دیں، نجی شعبے کے ساتھ قریبی تعاون ضروری ہے۔ ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمان ایک مربوط اور مؤثر لائحہ عمل کی منصوبہ بندی اور اس پر عملدر آمد بھی کر سکتے ہیں۔

۹۵۔ بد عنوانی:

> "اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض سے پیش کرو کہ تمھیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔"
>
> (سورۃ: ۲:۱۸۸)

ناجائز طریقے سے پیسہ حاصل کرنا بد عنوانی کی سب سے عام شکل ہے۔ اس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں، مثلاً حسب دلخواہ کام کرانے کے لیے نقدی کی شکل میں رشوت دینا، ادائیگی نہ کرنے کی نیت سے سرکاری بینکوں سے قرضے حاصل کرنا، زمینوں کے سودے وغیرہ جو قانونی نظر آنے کے باوجود غیر اخلاقی ہوں وغیرہ۔ یہ بد عنوانی دنیا کے تمام حصوں میں پائی جاتی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں کسی عام آدمی کو چھوٹے موٹے کام کرانے کے لیے کوئی اضافی رقم نہیں دینا پڑتی۔ البتہ مالدار اور طاقت ور افراد کسی خاص طرح کی کوئی خصوصی رعایت چاہیں تو وہ اس کے لیے اضافی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ بہت سے مسلم ممالک میں انتہائی آسان اور معمول کے لگے بندھے کام کرانے کے لیے بھی عام لوگوں کو پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ تفتیش کرانا ہے تو پولس کا منہ بھریے، مقدمے کا فیصلہ اپنے حق میں چاہیے تو ججوں کو خوش

Marfat.com

کیجیے۔ نجی تعمیراتی کاموں کی منظوری کے لیے سرکاری انجنیئرز، قرض منظور کرانے کے لیے بنکار، درآمدات کے لیے کسٹم حکام، ٹیکس کم ظاہر کرنے کے لیے انکم ٹیکس حکام کو رشوت دیجیے۔ ان میں سے بیشتر ادائیگیاں خفیہ ہوتی ہیں اور ان کا حساب لگانا مشکل ہے۔

خیال یہ ہے کہ سرکاری اخراجات کا ۱۰ سے ۳۰ فیصد حصہ سرکاری اہلکاروں کی تنخواہوں اور مراعات کی نظر ہو جاتا ہے۔ مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) کے اعداد و شمار کی مدد سے مرکزی حکومت کے اخراجات میں تنخواہوں کی مد میں ہونے والی ادائیگیوں کا سرسری سا اندازہ ''ملین امریکی ڈالر'' میں لگایا جاسکتا ہے۔

ملک	جی این پی (۱۹۹۲) (ملین امریکی ڈالر میں)	مرکزی حکومت کے اخراجات فی صد جی این پی	سرکاری اخراجات	تخمینی ادائیگیاں	
				۱۰ فی صد سرکاری اخراجات	۳۰ فی صد سرکاری اخراجات
بنگلہ دیش	۲۵۱۶۸	۱۵٫۰	۳۷۷۵	۳۷۷	۱۱۳۱
پاکستان	۵۰۱۰۶	۲۱٫۷	۱۰۸۷۳	۱۰۸۷	۳۲۶۱
انڈونیشیا	۱۲۳۴۸	۱۹٫۲	۲۳۷۰۸	۲۳۷۰	۷۱۱۰
تیونس	۱۴۴۴۸	۳۲٫۸	۴۷۳۷	۴۷۳	۱۴۱۹
مصر	۳۵۰۰۸	۳۹٫۶	۱۳۸۶۳	۱۳۸۶۱	۴۱۵۸

(خاکہ نمبر ۳ تخمینی سرکاری تنخواہیں وغیرہ)

یہ قیاس کرتے ہوئے کہ (الف) مسلم حکومتوں کے معاملے میں مرکزی حکومت کے اوسط اخراجات جی این پی کے بیس فیصد کے برابر ہیں اور (ب) سرکاری ملازمین کو کی جانے والی ادائیگیاں اخراجات کے بیس فیصد کے مساوی ہیں تو اس طرح ان ادائیگیوں کی مجموعی رقم سالانہ چالیس بلین ڈالر سے زائد ہوگی۔ مذکورہ بالا اعداد و شمار میں صوبائی اور مقامی حکومتوں کے اخراجات شامل نہیں ہیں اور نہ ان میں تنخواہوں کی محولہ بالا ادائیگیوں کے علاوہ دیگر متعدد اقسام کی ادائیگیاں شامل ہیں۔ مجموعی اقتصادی ضیاع بڑی آسانی سے مسلم ممالک کو

Marfat.com

ملنے والی مجموعی غیر ملکی امداد سے بھی تجاوز کر جائے گا۔

پاکستان میں آئین صدر، وزیر اعظم، وفاقی وزرا، صوبائی گورنروں، وزرا اعلیٰ اور وزرا کو ان کے منصب پر فائز مدت کے دوران میں ان کے تمام کاموں کے لیے عفو عام مہیا کرتا ہے۔ عہدہ داران اکثر اپنے اختیارات، بالخصوص صوابدیدی اختیارات کو سزا کے ہر خوف سے بے نیاز ہو کر اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

ایک عام تاثر یہ ہے کہ بد عنوانی ہر جگہ پائی جاتی ہے اور اسے روکا نہیں جا سکتا۔ ہر حکومت میں انسداد بد عنوانی کا محکمہ ضرور ہوتا ہے۔ نچلی سطح کے بہت سے اہلکار پکڑے بھی جاتے ہیں۔ اعلیٰ افسران کے خلاف مقدمات کے نتیجے میں انھیں کبھی سزا نہیں ہوئی اور وہ ہمیشہ بچ کر نکل جاتے ہیں۔ کبھی کبھار سینئر افسران کی چھانٹی بھی ہو جاتی ہے لیکن بد عنوانی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ پاکستان میں ۱۹۹۳ء کی عبوری حکومت نے اعلیٰ افسران کو قرضوں کی واپسی پر مجبور کرنے کے لیے کچھ اقدامات کیے بھی تھے مگر قانون میں اس قدر سقم اور سیاسی دباؤ اتنا زیادہ ہے کہ اُمہ کے یہ بڑے ڈاکو اکثر بچ نکلتے ہیں۔

جنوبی کوریا کے بتیس سال میں پہلے غیر فوجی صدر کم ینگ سام نے یہ فیصلہ کر کے کہ بنکوں کے تمام کھاتے ان کے اصل مالکان ہی کے ناموں سے ہونے چاہییں بد عنوانی کی راہ میں ایک رکاوٹ پیدا کی۔ اطلاعات کے مطابق ایرانی انقلاب نے کئی برس تک بد عنوانی کا راستہ بند کیے رکھا۔ بد عنوانی عوام پر بہت بڑا اور غیر ضروری بوجھ ہے۔ مسلم اُمہ اور حکومتوں کو اسے برداشت نہیں کرنا چاہیے۔

۹۶۔ معاشی اور کاروباری سرگرمیوں سے خواتین کا اخراج:

مسلمان اس اہمیت کو بھول جاتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے معاشی شعبے میں خواتین کو دی ہے۔ آپ ﷺ نے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے کام کیا جو حضور کے دور کی ایک خوش حال کاروباری خاتون تھیں۔ رسول اللہ ﷺ سے عقد کے بعد بھی وہ کاروباری خاتون کی حیثیت سے مصروف عمل رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے بی بی خدیجہ کو ہی ہمراز بنایا۔ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے چودہ سو سال

Marfat.com

قبل عورتوں کو وراثت کا حق دیا۔

"پاکستان میں خواتین، اقتصادی اور سماجی حکمت عملی" (عالمی بینک ۱۹۹۰ء) میں عمومی صورتحال بیان کی گئی ہے۔ جو دوسرے مسلم ملکوں میں بدتر بھی ہو سکتی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ملک کو ایک درمیانہ آمدنی والے متحرک ملک کے قالب میں ڈھالنے کی راہ میں حائل ایک بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ افرادی قوت بالخصوص خواتین پر ضرورت سے کم سرمایہ لگایا جاتا ہے۔ خواتین جو آبادی کا نصف حصہ ہیں، کسی کاروبار میں موثر طور پر نہ بحیثیت سرمایہ کار حصہ لے سکتی ہیں اور نہ بحیثیت منافع اندوز۔ متعدد معاشرتی حوالوں سے خواتین کو بڑی عزت اور اہمیت دی جاتی ہے مگر بعض صورتوں میں پاکستانی خواتین کی حیثیت دنیا میں سب سے کمتر درجہ میں شمار ہوتی ہے۔ خاندان کے اندر بچوں کی تربیت کی ذمہ داری خواتین ہی پر ہوتی ہے اور تین چوتھائی آبادی یعنی خواتین اور بچوں کے لیے خدمات کی فراہمی کے ضمن میں انھیں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ تاہم وہ اپنی صلاحیت سے بہت کم کارکردگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ پورے گھرانے کی تعلیم اور صحت کی بہتری کے لیے خاندان کا حجم خاندان کی اپنی خواہش کے مطابق رکھنے اور اقتصادی پیداواری صلاحیت میں اضافے کے لیے عورتوں کی تعلیم بہت ضروری ہے۔ غریب گھرانوں کی بقا کے لیے عورتوں کی آمدنی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ تعلیم کے بغیر عورتیں صرف گھر کی روایتی نگراں والا ہی کردار ادا کر سکتی ہیں۔ گھر سے باہر بے خبری اور دست نگری کی کیفیت سے دوچار رہتی ہیں۔ وہ خاندان کی ضرورت اور خواہش سے زیادہ بچے پیدا کرتی ہیں۔ غیر ضروری تعداد میں بچے ضائع ہو جاتے ہیں اور غربت مقدر بن جاتی ہے۔

خواتین کے خلاف قوانین و ضوابط میں صریحی امتیاز ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ سیاسی قیادت، اسلامی اسکالرز اور ذرائع ابلاغ اس سلسلے میں مرکزی کردار ادا کر سکتے ہیں، اقتصادی کارکردگی بہتر بنانے اور مساوات کو فروغ دینے کی غرض سے خواتین کے لیے مواقع میں لازماً اضافہ کرنا ہوگا۔ خواتین کے لیے ملازمت، قرضہ، نئی ٹکنالوجی، تجارتی سرگرمیوں اور کاروباری منڈیوں تک رسائی کے جتنے بہتر مواقع ہوں گے اتنا ہی ان کی پیداواری صلاحیت

Marfat.com

میں اضافہ ہوگا اور اس طرح وہ خاندان کی فلاح و بہبود اور مجموعی معاشی ترقی میں مددگار و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان شعبوں میں موجودہ کوششوں میں اضافے کی ضرورت ہے تاکہ ان کے نمایاں اثرات ظاہر ہو سکیں۔ (مثلاً بنگلہ دیش میں خواتین کے لیے قرضہ اسکیمیں)

۹۷۔ خاندانی معیشت کی غیر یقینی کیفیت:

بے شمار گھرانوں کے سربراہ خود اپنے یا اپنے خاندانوں کے معاشی مستقبل کے بارے میں کچھ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ سربراہ خاندان کی موت کی صورت میں، جو بالعموم دنیا کے زیادہ تر مسلم خاندانوں میں واحد کفیل ہوتا ہے، سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

> "لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت اپنے بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے۔ پس چاہیے کہ وہ خدا کا خوف کریں اور درستی کی بات کریں۔"
> (سورۃ: ۴:۹)

مذکورہ بالا آیت میں مجبور خاندانوں کے پسماندگان کے حال زار کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اپنے پیاروں کے لیے معاشی منصوبہ بندی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

۹۸۔ بہتر طبی سہولتوں کی ضرورت:

زیادہ تر مسلم ممالک میں صحت کا معیار بالعموم پست ہے جس کی عکاسی کم اوسط عمر اور نوزائیدہ بچوں کی زائد شرح اموات سے بھی ہوتی ہے۔ ہر خاندان بالآخر اپنی صحت کا ذمہ دار خود ہوتا ہے۔ تاہم صحیح فیصلے کرنے کی ان کی صلاحیت کا تعلق ان کی تعلیم بالخصوص حفظانِ صحت کے علم اور مالی حیثیت یعنی مطلوبہ طبی خدمات کے اخراجات برداشت کرنے کی سکت سے ہے۔ نادار افراد عموماً دونوں شعبوں میں محرومی کا شکار ہیں۔ مسلم حکومتیں مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کر کے ان کی مدد کر سکتی ہیں:

(الف) غریبوں کے فائدے کے لیے اقتصادی ترقیاتی پالیسیاں اختیار کی جائیں۔

(ب) صحت سے متعلق پروگراموں کے اخراجات میں کفایت کا موثر اہتمام کیا جائے۔

(ج) اسکولوں اور صحت سے متعلق تعلیم میں سرمایہ کاری کو فروغ دیا جائے خصوصاً لڑکیوں

Marfat.com

کے لیے۔

(د) علاج معالجہ کی بنیادی خدمات کی فراہمی خصوصاً بچوں کے تمام امراض سے بچاؤ کے لیے سرمایہ اور سہولیات کی فراہمی یقینی بنائی جائے۔

(ہ) متعدی امراض بشمول ایڈز، ماحولیاتی آلودگی اور غیر قانونی منشیات کے پھیلاؤ، اور نشہ کی لت پر قابو کے ذریعے صحت عامہ کو خارجی عوامل سے لاحق خطرات کم کیے جائیں۔

(و) طبّی عملے کے تعلیمی اور پیشہ ورانہ معیار کو بلند کیا جائے۔

(ز) سرکاری طبّی اداروں میں چوری اور بدعنوانی کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

(ح) ممکنہ حد تک عدم مرکزیت کے ذریعے سرکاری طبّی اداروں کے نظم و نسق کو بہتر بنایا جائے۔

(ط) دواؤں اور طبّی خدمات کی فراہمی کے سلسلے میں سرکاری اور نجی فراہم کنندگان میں مقابلے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

(ی) تمام شہریوں کے لیے بنیادی خدمات کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔

(ک) لازمی خدمات کے علاوہ کلینک کی خدمات کے لیے سوشل یا پرائیویٹ انشورنس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

(ل) انسداد امراض، تشخیص اور علاج کے شعبوں میں سائنسی علم میں مسلسل اضافے کی سہولت مہیا کی جائے۔

۹۹۔ وسائل کا غلط استعمال:

مسلم ممالک کی اکثریت سمیت زیادہ تر ترقی پذیر ملکوں کی، قومی آمدنی تو قرضوں کے سود کی ادائیگیوں، فوجی اخراجات اور سرکاری ملازمین کے اخراجات پورے کرنے کے لیے بھی کافی نہیں ہے۔ تقریباً تمام کے تمام ترقیاتی اخراجات غیر ملکی قرضے اور امداد سے پورے کیے جاتے ہیں۔ سال ۹۴۔ ۱۹۹۳ء کے لیے پاکستان کے قومی بجٹ میں آمدنی ۷ء۲۲ بلین ڈالر تھی قرضوں پر سود کی مد میں ادائیگی ۹۶ء۴ بلین ڈالر (آمدنی کا ۶۹ فیصد) تھی اور دفاع پر اخراجات ۳ء۳ بلین ڈالر (آمدنی کا ۴۶ فیصد) تھے۔ سرکاری اداروں کے ملازمین کے زیادہ تر

Marfat.com

اخراجات اور تقریباً تمام کے تمام ترقیاتی بجٹ کے لیے اندرون ملک یا بیرونی ممالک سے قرضہ لینے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ قومی دیوالیہ پن اور دوسروں پر مکمل انحصار کا یہ مرحلہ کیسے آیا یہ بڑی ہی افسوس ناک داستان ہے۔ کیا بہت سے مسلم ممالک اپنا وجود اور تشخص برقرار رکھ بھی سکیں گے، یہ ایک مشکل سوال ہے۔

۱۰۰۔ غیر ملکی امداد پر انحصار:

خود انحصاری کی باتیں تو بہت کی جاتی ہیں۔ مگر مسلمانوں نے غیر مسلموں سے مشروط غیر ملکی امداد کی جگہ کسی متبادل انتظام کے لیے کوئی کام نہیں کیا ہے۔ مسلمان اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے ذاتی مفاد سے قطع نظر اگر وہ کوئی ایسا قدم اٹھاتے ہیں جو مغرب کے مفادات کے منافی محسوس کیا گیا تو پھر بعد میں کسی مرحلے پر طاقت ور اور منظم مغربی ممالک انھیں اقتصادی مار ماریں گے بلکہ شاید وہ ان کے خلاف فوجی کارروائی بھی کر ڈالیں۔ غیر مسلموں سے ملنے والی غیر ملکی امداد پر انحصار کم کیا جانا چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بین الاقوامی ایجنسیوں سے باہمی مفید تعاون یا ناروا پابندیوں اور شرائط کے بغیر ملنے والی امداد کے دروازے بھی بند کر دیے جائیں۔ خود انحصاری کا سبق ان ملکوں کے تجربات سے حاصل کیا جا سکتا ہے جیسے:

(الف) ۱۹۴۰ء کی دہائی سے ۱۹۷۰ء کی دہائی تک چین کے تجربات سے۔

(ب) جنگ خلیج کے بعد عراق اور

(ج) انقلاب کے بعد ایران کے تجربات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے سختیاں برداشت کرنی ہوں گی اور جو معیار زندگی پہلے ہی سے کم ہے اسے اور گھٹانا پڑے گا تاہم مسلمان بالآخر زیادہ مضبوط اور طاقت ور بن کر ابھریں گے اور باقی دنیا سے برابری کی سطح پر معاملہ کر سکیں گے۔

۱۰۱۔ زکوٰۃ کی ادائیگی:

> ”نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ تم اپنی عاقبت کے لیے جو بھلائی کما کر آگے بھیجو گے، اللہ کے ہاں اسے موجود پاؤ گے۔ جو کچھ تم کرتے ہو، وہ سب اللہ کی نظر میں ہے۔“ (سورۃ: ۲: ۱۱۰)

Marfat.com

زکوٰۃ کی ادائیگی اسلام کا ایک انتہائی بنیادی قانون ہے۔ کسی کے ملکیتی اثاثوں کی مالیت کے ڈھائی فیصد کے مساوی زکوٰۃ سالانہ ادا کرنی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں بعض اہم مستثنیات بھی ہیں۔ مستحقین کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ترجیحات بھی مقرر کر دی گئی ہیں اور اس سلسلے میں ضرورت مند رشتہ داروں کو اولین ترجیح دی گئی ہے۔

"لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتہ داروں پر، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ اور جو بھلائی بھی تم کرو گے، اللہ اس سے باخبر ہو گا۔" (سورۃ: ۲:۲۱۵)

اس بارے میں اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں کہ مسلمانوں کے اثاثوں کی مجموعی مالیت کتنی ہے جس پر زکوٰۃ نافذ کی جا سکے یا اگر تمام مسلمان اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ دیں تو زکوٰۃ کی رقم کتنی ہو گی۔ تاہم مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ۱۹۹۲ء کے لیے مسلم ممالک کی مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) ۱۰۲۲ بلین ڈالر مالیت کے مساوی تھی: صرف اسی جی این پی پر ڈھائی فیصد (شرح زکوٰۃ) کی رقم ۲۵ بلین ڈالر کے لگ بھگ بنے گی۔ عام طور پر مجموعی اثاثوں کی کل مالیت جس پر زکوٰۃ واجب ہو گی صرف ایک سال کی مجموعی قومی پیداوار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہو گی اور اس سے کسی شک و شبہ کے بغیر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم ۲۵ بلین ڈالر سے زیادہ ہو گی۔ تقابلی مقاصد کے لیے یہ بات واضح رہے کہ عالمی بینک کی طرف سے دنیا کے تمام ممالک (مسلم اور غیر مسلم ممالک کو ملا کر) کو ہر سال دیے جانے والے قرضوں کی مجموعی رقم ۲۵ بلین ڈالر سے کم ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کی یہ رقم یقینی طور پر تمام ضرورت مند مسلمانوں کو مالی تحفظ فراہم کرنے کے لیے کافی ہو گی اور یہ رقم دیگر تمام، دو طرفہ اور کثیر اطرافی، ذرائع سے تمام مسلم ممالک کو ملنے والی غیر ملکی امداد کی مجموعی رقم سے تجاوز بھی کر سکتی ہے۔

تاہم بہت سے اور حل طلب مسائل بھی موجود ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اسلامی قانون کے تحت زکوٰۃ مسلمانوں کی آمدنی اور اثاثوں پر عائد کیے جانے والے ٹیکس کی حیثیت رکھتی تھی۔ (۵) آج مسلم حکومتیں اپنے مسلمان شہریوں پر ان کم ٹیکس، جائیداد ٹیکس، سیلز

Marfat.com

ٹیکس، کسٹمز، ڈیوٹی وغیرہ کی شکل میں پہلے ہی متعدد ٹیکس عائد کرتی ہیں۔ کیا مسلم حکومتوں کو دیگر تمام ٹیکس ختم کر کے محض زکوٰۃ کی وصولی پر ہی اکتفا کرنا چاہیے؟ مسلمانوں کو زکوٰۃ سمیت ٹیکس کے مختلف طریقوں کا جائزہ لینا چاہیے اور متفقہ ٹیکسوں کی وصولی کے انتظامات کو بہتر بنانا چاہیے۔ ٹیکسوں کے بہتر نظام اور ان کی وصولی میں بہتر کارگزاری سے مالی خساروں اور غیر مسلموں سے غیر ملکی امداد کی ضرورت میں بہت کمی ہو سکتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ معاشرے کی ترقی کے لیے کی جانے والی ادائیگیوں نے اولین دور میں اسلام کو قوت بخشنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ یہودیوں اور بعض مسلم فرقوں مثلاً اسمٰعیلیوں نے بھی مقررہ ادائیگیوں کے ذریعے اور انفرادی طور پر فیاضی اور سخاوت کی مدد سے اپنی حالت بہت بہتر بنالی ہے۔

۱۰۲۔ سود کی ادائیگی کے بغیر وسائل کی فراہمی:

مسلم نظام معیشت نجی کاروبار اور آزاد تجارت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ذاتی طور پر رہنمائی فرمائی۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام سے زیادہ مختلف نہیں اور اس میں یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ہر سودا اور لین دین "اخلاقی اعتبار سے صاف ستھرا اور درست ہو۔ تاہم سود خوری پر پابندی ہے۔ اکثر مسلمانوں کے خیال میں سود کسی بھی شکل میں منع ہے۔

قرآن میں "ربوٰ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے حد سے متجاوز یا بڑھا ہوا یا اضافہ۔ علماء کی اکثریت ربوٰ اور سود کو ہم معنی قرار دیتی ہے جب کہ دوسرے لوگ جن میں مصر کے موجودہ مفتی بھی شامل ہیں یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس سے مراد سود کی حد سے بڑھی ہوئی شرحوں سے ہے۔(۶)

> "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو..." (سورۃ: ۳:۱۳۰)

سود کی عام شرحوں کے نتیجے میں جلدی جلدی رقم دو گنی نہیں ہوا کرتی چنانچہ ہر صورت میں سود کی ممانعت مقصود نہیں ہے۔ اگر مالی بحران سے دوچار کسی شخص کی مدد کے لیے دی جانے والی رقم پر کوئی شخص سود وصول کرے تو اس پر پابندی کو حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاہم

Marfat.com

کاروبار میں رقم لگانے کے لیے حاصل کیے جانے والے قرضے کی صورت میں قرضہ دینے والا اپنی بچت کے استعمال سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر افراط زر یا دیگر اقتصادی عوامل کی بنا پر اس کے پیسے کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر عماد اے احمد نے اپنے مقالہ ''ربو اور سود: تعریف اور مضمرات'' میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ قرضہ دینے والے کے لیے پیسے کی قیمت میں کمی کا یہ نقصان قرین انصاف نہیں ہے۔ ''جسے قرآن نے یہ ضمانت دی ہے کہ اسے ایسا کوئی نقصان برداشت نہیں کرنا پڑے گا''(۷)

''اب بھی توبہ کرلو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔'' (سورۃ: ۲: ۲۷۹)

ڈاکٹر احمد نے ایک ایسے موجد کی مالی ضروریات کی مثال بھی دی ہے جسے منافع میں بھاری حصہ دینے کی پیشکش اور وعدے کے باوجود کوئی اس کے انقلاب انگیز اختراعی نظریہ کے لیے سرمایہ فراہم کرنے پر تیار نہیں ہے۔ ڈاکٹر احمد کا کہنا ہے کہ ربو کی محدود تشریح کی وجہ سے مسلم ممالک میں کٹھن منصوبوں کے لیے سرمایہ دستیاب نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں عالم اسلام میں اختراعات اور فنی ایجادات پر زوال آیا ہوا ہے۔

اس کے برعکس مغرب میں معقول شرح منافع پر سرمایہ کی فراہمی نے ایجادات اور فنی صلاحیت میں یقیناً اضافہ کر دیا ہے۔ اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے معاشیات کے مسلم طلبہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ربو سے مراد ہر قسم کا سود نہیں بلکہ اس کا تعلق حد سے بڑھی ہوئی شرح پر سود وصول کرنے سے ہے۔

مسلمانوں کو ربو کی تشریح پر اتفاق رائے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر مذکورہ بالا لچک قبول نہ کی جاسکے تو پھر ان لوگوں کے سرمایہ کو استعمال میں لانے کی کوئی راہ نکالنے پر غور کیا جانا چاہیے جو نفع و نقصان میں شرکت کے خواہاں نہیں ہیں۔ یہ صورتحال بچت کو استعمال کرنے کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے جس کی سرمایہ کاری کے لیے اشد ضرورت ہے۔

۱۰۳۔ پانی کی قلت اور آبی وسائل کے انتظام کا فقدان:

دنیا بھر کے تقریباً ایک ارب انسانوں کی زندگیوں کو غیر مصفا پانی پینے کی وجہ سے خطرات

Marfat.com

لاحق ہیں۔ تیرہ کروڑ سے زائد افریقی باشندے خشک سالی کی وجہ سے فاقہ کشی کی بنا پر ہلاک ہو رہے ہیں۔ مغربی افریقہ میں دریائے سینگال جو سینیگال، ماریطانیہ اور مالی کے بڑے حصہ کو سیراب کرتا ہے خشک ہو رہا ہے۔ دریائے نیل کے طاس میں بھی پانی کی قلت ہے جس سے مصر، سوڈان وغیرہ کے پچیس کروڑ افراد فیض یاب ہوتے ہیں۔ یہ تو معدودے چند وہ مثالیں ہیں جو اخبارات کی شہ سرخیاں بن چکی ہیں۔ جو بات کھل کر نہیں بتائی گئی وہ یہ ہے کہ متاثرہ افراد کی بہت بڑی تعداد مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ پانی کی مقدار اور معیار کے مسائل کا سامنا ہے۔ نقشہ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ کے بیشتر علاقے اور ساحل ریگستان ہیں۔ او آئی سی کے زیادہ تر رکن ممالک ان ہی خطوں میں واقع ہیں۔

بنگلہ دیش جیسے ملک کو بھی جہاں سے ڈھائی سو کے لگ بھگ دریا گزرتے ہیں اور جہاں سال کے زیادہ تر حصے میں پانی کی بہتات رہتی ہے، بھارت کی جانب سے دریائے گنگا کے منبع پر فرخابند کی تعمیر کے ذریعے دریا کے پانی کے یک طرفہ اور من مانے استعمال کی وجہ سے پانی کی شدید قلت پیدا ہو گئی ہے۔ گنگا۔ پدما طاس میں آباد تقریباً چار کروڑ بنگلہ دیشیوں کو خشک سالی کے مسئلے کا سامنا ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان برسوں کے دو طرفہ مذاکرات کے باوجود بنگلہ دیش کا یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا جو اس کے حل کے لیے اب اقوام متحدہ کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

پانی سے متعلق مسائل پر بہت زیادہ فنی کوائف اور جائزے بھی موجود ہیں۔ بہت سے ملک آبی وسائل کا پہلے ہی اندازہ لگا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف پالیسیوں پر غور وخوض کے بعد موزوں پالیسیاں بھی منتخب کر چکے ہیں۔ اسی طرح متعدد ملک ماسٹر پلان تیار کر چکے ہیں اور اپنی ضروریات کی تکمیل کی غرض سے سرمایہ کاری کے لیے منصوبوں کا تعین بھی کر چکے ہیں۔ بہت سے ملکوں میں بین الاقوامی اداروں کی مدد سے مختلف منصوبوں پر عملدرآمد کیا جا رہا ہے۔ تاہم مسلم ممالک میں کی جانے والی سرمایہ کاری آبادی میں بہت زیادہ اضافے کی وجہ سے زراعت، صنعت اور انسانی استعمال کے لیے آب رسانی کی موجودہ سطح پر قرار رکھنے کے لیے مشکل ہی سے کافی ہو گی۔ مسلمانوں کو ایک گروپ کی حیثیت سے پانی کی قلت سے

Marfat.com

متعلق مسائل کا جائزہ لینا چاہیے۔ بیشتر صورتوں میں آبی وسائل کے طویل المیعاد دوامی بندوبست کے سلسلے میں مناسب کارروائی کے لیے مندرجہ ذیل امور پر توجہ مرکوز کی جانی چاہیے:

(الف) پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار جمع کرنا یا روکنا۔

(ب) غریبوں کو پانی کی فراہمی کا نظام بہتر بنانا

(ج) سرکاری شعبے میں تقسیم شدہ ذمہ داریوں کو یکجا و مربوط کرنا۔

(د) آلودگی کم کرنے اور پانی کا معیار بہتر بنانے کے لیے اقدامات کرنا۔

(ہ) حقیقت پسندانہ قیمت کا تعین کرنا جو سب کے لیے کم از کم مطلوبہ مقدار کا حصول یقینی بنائے جس سے پانی کے ضیاع کی حوصلہ شکنی ہو اور اسے محفوظ کرنے کی حوصلہ افزائی ہو۔

(و) پانی کی مانگ اور فراہمی کے انتظام میں استعمال کنندہ کی شرکت کو یقینی بنانا۔

(ز) سرکاری شعبے کی سرمایہ کاری اور انتظام میں نجی شعبے کی شرکت میں اضافہ کرنا۔

(ح) پانی کی لائق اعتماد فراہمی میں اضافہ کرنا۔

(ط) بروقت منصوبہ بندی۔

(ی) بروقت سرمایہ کاری۔

(ک) تحقیق۔

بعض جائزوں کے مطابق تمام ترقی پذیر ممالک میں دس سال کے عرصے میں آبی وسائل کے لیے چھ سو بلین ڈالر تک کی سرمایہ کاری کی ضرورت ہے۔ ان میں تقریباً چالیس فیصد ملکوں کی آبادیاں مسلم اکثریت پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ ایک گروپ کے طور پر مسلم ممالک کو اس سرمایہ کاری کے چالیس فیصد حصے یا تقریباً دو سو چالیس بلین ڈالر درکار ہوں گے۔ مسلم ممالک میں دستیاب وسائل یا بحیثیت مجموعی امداد دینے والے ملکوں کے مقابلے میں یہ بے حد خطیر رقم ہے اور اس بات کا برسہا برس تک کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ مسلمانوں کو اتنی کثیر رقم دستیاب ہو سکے۔

۱۰۴۔ خلاصہ:

مسلمانوں کو بہت سے اقتصادی چیلنج درپیش ہیں۔ انفرادی طور پر ہر مسلم ملک اپنے اقتصادی مسائل

Marfat.com

حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تمام مسلم ممالک امداد دینے والے ملکوں سے مالی یا فنی امداد حاصل کر رہے ہیں۔ ترقی کی رفتار سست ہے۔ غور و فکر کے لیے ایک نیا منصوبہ اوپر پیش کر دیا ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم مضبوط جما دے گا۔" (سورۃ:۴۷:۷)

حواشی

(۱) کارل مارکس اور فریڈرک اینجلز، کمیونسٹ پارٹی کا منشور، ۱۸۴۸ء بمطابق خلاصہ ڈبلو سہاکیان اور ایم۔ سہاکیان، عظیم فلسفیوں کے نظریات۔ (نیویارک: بارنز اینڈ نوبل، ان کارپوریشن ۱۹۶۶ء صفحہ ۸۰-۸۱)

(۲) خلاصہ از اروِنگ ایل گورڈن، عالمی تاریخ کا جائزہ۔ ایمسکو اسکول پبلیکیشن ۱۹۶۴ء) صفحہ ۲۹۴۔

(۳) (عماد اے احمد: "اقوام کی دولت کا اسلامی تناظر" (انگریزی) یہ مقالہ اسلامی تناظر میں مسلم ممالک کی مجموعی ترقی کے بارے میں بین الاقوامی کانفرنس میں پیش کیا گیا (سوبانگ جاوا ملائیشیا۔ اگست ۱۹۹۴ء)۔

(۴) واشنگٹن پوسٹ، ۱۷ر دسمبر ۱۹۹۴ء۔ صفحہ (۲۲۴)۔

(۵) دیگر ٹیکسوں میں غیر مسلموں پر زکوٰۃ اور فوجی خدمات کے بجائے جزیہ عائد کیا جاتا تھا۔ صدقہ کی ادائیگی رضاکارانہ تھی۔ "خمس" مال غنیمت سے تعلق رکھتا تھا؟ اور "خراج" کا تعلق زمین سے تھا۔

(۶) اکنامسٹ "سروے آف اسلام۔ دی کیش فلو آف گاڈ" ۶ر اگست ۱۹۹۴ء۔

(۷) ڈاکٹر عماد احمد "ربا اور سود تعریف اور مضمرات" پر ڈاکٹر عماد احمد نے یہ مقالہ امریکی مسلم معاشرتی سائنس کے بائیسویں اجلاس ہارڈن ورجینیا میں ۱۵ تا ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو پڑھا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ٦

فوجی مسائل

"اور تم اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا" (سورۃ ۲:۱۹۰)

(الف) مسلمانوں کے فوجی خدشات:

۱۰۵۔ایک جائزاور اخلاقی مقصد:

اپنی سرحدوں کے دفاع، متاثرہ مسلم اتحادی کی مدد اور اہم مفادات کے تحفظ کی خواہش کا شمار جائز اور ارفع مقاصد میں ہوتا ہے۔اس پر سب ہی متفق ہیں اور کوئی بھی ان اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے فوجی ترقی پر معترض نہیں ہوگا۔اس میں اور دوسروں کے ملک فتح کرنے یا ان پر تسلط قائم کرنے کی غرض سے کی جانے والی فوجی مہم جوئی میں نمایاں فرق ہے۔

جو شبہات اور خدشات پیدا کرتے ہیں وہ دراصل روحانی دعوؤں کے سیاسی مظاہرے ہوتے ہیں، جنھیں مغرب کے الفاظ میں "مذہبی جنگ" (جہاد) کہا جاتا ہے۔بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب خود مغرب کے لادین ممالک بھی روحانی طور پر متاثر ہو کر "واضح منزل" (Manifest Destiny) اور "سفید فام کا بوجھ" (White Man's Burden)

Marfat.com

جیسے نظریات کی تائید و توثیق کیا کرتے تھے۔ روحانیت کے زیر اثر چلنے والی تحریکوں کی کامیابیوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ مشرق اور مغرب میں کچھ غیر مسلم دراصل اسلام کے اس سیاسی فلسفے سے خائف ہیں جس کے ایک فوجی طاقت بن جانے کا ان کے دل میں دھڑکا لگا ہوا ہے۔ یہ سوچ کہ اسلام سے نئی سرد جنگ کا خطرہ لاحق ہوتا جارہا ہے اور وہ مغربی تہذیب کو دفن کردینا چاہتا ہے معاندانہ رد عمل کا سبب بنتی ہے۔

۱۰۶۔ غیر مسلم اقوام کی فوجی برتری:

موجودہ زمانے کی فوجی صورتحال میں غیر مسلموں کو قومی واقتصادی طاقت نیز۔ سائنس اور ٹکنالوجی میں مسلمانوں پر واضح سبقت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ غیر مسلم قوموں میں نسبتاً زیادہ اتحاد، واضح مقاصد اور حکمت عملیوں اور آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کے لیے عمدگی سے وضع کیا ہوا معینہ نظام (مثلاً یورپی یونین، معاہدہ شمالی اوقیانوس کی تنظیم، اقوام متحدہ) بھی موجود ہے۔ مسلمانوں کو ابھی تک ان شعبوں میں خود کو مضبوط بنانا ہے۔

۱۰۷۔ مسلمانوں کی ممکنہ قوت، ایک خدشہ:

اگر قومی سرحدوں سے ماورا ایک متحدہ محاذ کی حیثیت سے دیکھا جائے تو مسلمان ممکنہ طور پر ایک طاقت ور گروپ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جو لیڈر اور عوام خواہ وہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں، روسی ہوں یا یہودی، امریکی ہوں یا عرب، مسلمانوں کو اپنا حریف تصور کرتے ہیں وہ ایسے کسی اسلامی اتحاد سے خطرہ محسوس کرتے ہیں اور اسے روکنے کے لیے کوشاں ہیں۔ مسلمانوں کے لیے پہلا چیلنج یہی ہے کہ وہ اپنے ان خودساختہ حریفوں کو موثر طور پر یقین دلائیں کہ وہ تو اپنے عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر ترقی کے لیے کوشاں ہیں اور مثبت مقاصد کے حصول کے لیے صحیح راہ پر گامزن ہیں۔ یہ تو دراصل کچھ عسکریت پسند مسلمانوں کے عزائم ہیں جو مخاصمانہ فضا پیدا کر رہے ہیں۔ مسلمان بحیثیت ایک گروپ کے عسکریت پسند نہیں ہیں اور انھیں یہ بات پوری طرح واضح کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔

۱۰۸۔ قیادت کی دانش مندی، جرات اور اخلاص:

جنگ کے دوران میں بے احتیاطی سے کام لینے والا جنرل آسانی سے مارا جاتا ہے اور اگر وہ

Marfat.com

مرنے سے خوفزدہ ہوتا ہے تو بڑی آسانی سے پکڑا جاتا ہے۔ اگر وہ مزاج کا تیز ہے تو اسے آسانی سے مشتعل کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ اپنے وقار کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہے تو بڑی آسانی کے ساتھ اسے بے عزت کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ اپنے جوانوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ فکر مند رہتا ہے تو اسے آسانی کے ساتھ پریشان کیا جا سکتا ہے۔ حالیہ جنگوں میں مخالفین نے مسلم قیادت کی دانش مندی، جرأت مندی اور اخلاص کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلم رہنما، جن میں ان کے جرنیل بھی شامل ہیں، بہت موٹے، بہت مالدار اور بہت حریص ہو گئے ہیں اور اپنے ذاتی مفادات کے اس حد تک اسیر ہو چکے ہیں کہ اب وہ اسلام کے مقاصد حتیٰ کہ اپنے متعلقہ قومی مفادات کا موثر دفاع نہیں کر سکتے۔

حریف قوموں کے جاسوس اداروں سے متعلق افسران اگر ان مسلمان افسروں کو ہمیشہ کے لیے اپنا ممنون احسان اور دوست بنانا چاہتے ہیں تو ان کے لیے صرف عشائیہ پر مدعو کر لینا، ان کے خاندان کے کسی فرد کے لیے ویزے یا اسکالر شپ کا اہتمام کر دینا ہی کافی ہوتا ہے۔ بدقماش قسم کے مسلمان رہنما پہلے ہی یہ فرض کر لیتے ہیں کہ حریف کے ہاتھوں انھیں شکست تو ہونی ہی ہے انھیں تو بنیادی طور پر ملک کے اندر یا ترجیحاً مغرب کے پر آسائش ماحول میں اپنے ذاتی تحفظ اور سلامتی سے سروکار ہوتا ہے۔

اس کے برعکس غیر تربیت یافتہ مسلمان شہری جدید ترین اسلحے سے لیس دشمن سے اس عالم میں نبرد آزما ہیں کہ اکثر ان کے ہاتھوں میں پتھروں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں ہوتا۔ انھوں نے دکھا دیا ہے کہ اسلامی مقاصد کے لیے وہ خود کو تباہ کر لینے پر بھی آمادہ ہیں۔ یہی لگن اور جذبہ جنگوں میں فتح کی ضمانت ہوتا ہے۔ اس سے خوف، شکوک و شبہات اور استبدادی رویہ بھی جنم لیتا ہے اور اگر اس جذبے کا غلط استعمال کیا جائے تو اس سے امن کے امکانات بھی ختم ہو سکتے ہیں اور جنگ بھی چھڑ سکتی ہے۔

۱۰۹۔ موزوں وقت کا تعین:

سیاسی حالات اور طبعی صورتحال (آب و ہوا، خطے کے جغرافیائی حالات، سامان رسد کی

Marfat.com

مناسب فراہمی وغیرہ) کی موزونیت کے حوالے سے صحیح وقت کا انتخاب بے حد اہم ہے۔ مشرقی یورپ میں پیدا ہونے والے بہت سے تنازعات براہ راست نتیجہ ہیں۔ سابق سوویت یونین کی مختلف جمہوریاؤں میں بگڑتے ہوئے سیاسی حالات کا اور بالخصوص ایرانی انقلاب کے بعد سے، اسلامی بیداری میں اضافے کا۔ جانی اور مالی نقصان کے حوالے سے جنگیں تباہ کن ہوتی ہیں۔ اسلام کا مطلب ہے اللہ کے حکم کی تعمیل کے ذریعے امن۔ مسلمانوں کا تسلیم شدہ مقصد حیات اپنے خالق کی عبادت کرنا ہے۔ اس اقرار صالح اور تصدیق کے باوجود اسلامی تحریکوں کے مخالفین نے اسلام کی کشش کا توڑ کرنے اور مسلم مقاصد سے کسی ہمدردی کی راہ مسدود کرنے کے لیے یہ سوچ عام کی ہے کہ مسلمان عسکریت پسند دہشت گرد ہیں۔

جس طرح ہر عالمی رہنما عزت اور بقائے باہمی کے ساتھ امن کا خواہاں ہے۔ اسی طرح مسلمان بھی یہی چاہتے ہیں اور انھوں نے حکمت عملی کے ذریعے جنگ سے بالعموم گریز کیا ہے جس کے لیے انھوں نے اتحاد تشکیل دیے ہیں اور امن کے لیے پیدا ہونے والے مواقع سے فائدہ اٹھایا ہے۔ بیشتر صورتوں میں تصادم آخری چارہ کار ہوتا ہے کیوں کہ عام طور پر جنگ سے کوئی فائدہ کم ہی حاصل ہوتا ہے اور فتح کی مکمل یقین دہانی بھی نہیں کرائی جاسکتی۔

۱۰۔۱۱۔ دستوں کی نفری، تنظیم اور نظم وضبط:

روایتی جنگ میں مغربی طاقتوں کی قوت کا مظاہرہ عراق کے ساتھ ان کی لڑائی میں بہ خوبی ہوچکا ہے۔ ایٹمی، جراثیمی، کیمیاوی اور وسیع پیمانہ پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی موجودگی اور محفوظ ذخائر بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ان حالات میں مغرب کے ساتھ آمادہ بہ جنگ ہونا بالکل فضول ہے۔ زیادہ امکانی صورت، جس کا تذکرہ بھی بہت کیا جاتا ہے، چھاپہ مار جنگ ہے جس میں تخریب کاری کی دہشت گردانہ کارروائیاں بھی شامل ہیں۔ ذرائع ابلاغ زیادہ تر اسی کی منظر کشی کرتے ہیں اور خوف پھیلانے اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کے جذبات ابھارنے کے لیے خوب خوب قیاس آرائیوں کے ساتھ انھیں پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

جیسا کہ ارض مقدس میں فلسطینیوں کا معاملہ ہے، مسلمان فوجی لحاظ سے تو کم ہی کسی خطرہ کا سبب ہیں۔ تاہم جب وہ شدید ظلم و ستم کے مقابلے میں اپنی زندگیاں قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو وہ کسی بھی قیادت کے لیے سنگین خطرے کا سبب بن سکتے ہیں۔

۱۱۱۔ حالیہ دور میں مسلم افواج کی کارکردگی:

مسلم ممالک میں فوج پر اکثر تنقید کی جاتی ہے۔ اس کی ایک وجہ بیرونی دشمنوں، مثلاً عربوں کی صورت میں اسرائیل اور پاکستانیوں کی صورت میں بھارت کے خلاف ان کی نسبتاً کمزور اور ناقص کارکردگی ہے۔ گزشتہ پچاس برس کے عرصے میں مسلم افواج شاذ و نادر ہی میدان جنگ میں فتح یاب ہوئی ہیں۔ بعض مواقع پر وہ ثابت قدم رہی ہیں (مثلاً ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اور ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ) جب کہ دیگر صورتوں میں ان کی کارکردگی افسوس ناک رہی ہے۔

اس کے برعکس مسلم افواج نے ایک دوسرے کو نسبتاً آسانی اور کامیابی سے تباہ و برباد کیا ہے۔ (مثلاً ایران۔ عراق جنگ، عراق۔ کویت جنگ اور مشرقی پاکستان، افغانستان، صومالیہ وغیرہ میں متعدد خانہ جنگیاں)۔ اس کے علاوہ بہت سے مسلم ممالک میں فوج کے داخلی جبر و استحصال میں ملوث ہونے کی اطلاعات ملی ہیں۔ اکثر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ فوج کا بنیادی مقصد حکمراں طبقہ کو ناراض عوام سے تحفظ فراہم کرنا ہے۔

۱۱۲۔ بھاری اخراجات:

مغرب کی طرح مسلم ممالک میں بھی قومی بجٹ کا بڑا حصہ مستقل افواج کی نذر ہو جاتا ہے۔ مسلمان اپنے قومی بجٹ کا بہت بڑا حصہ بدستور فوجی ساز و سامان، افسروں اور جوانوں پر خرچ کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صحت، تعلیم اور فلاحی امور کے لیے انتہائی ضروری اخراجات میں زبردست کٹوتی کرنا پڑتی ہے۔ سیاسی رہنما اکثر و بیشتر فوج کے بے پناہ اثر و رسوخ سے مجبور ہو کر سال بہ سال فوجی بجٹ میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

سپاہی چونکہ جوان العمری میں ہی ریٹائر ہو جاتے ہیں لہٰذا اکثر قومی میزانیوں (بجٹوں) میں سب سے زیادہ اخراجات فوجی پنشنوں کی ادائیگی کی مد میں ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض

Marfat.com

ممالک میں ریٹائرڈ فوجیوں کو قیمتی اراضی، لائسنس اور اثاثے دیے جانے کی روایت بھی قائم کر دی گئی ہے۔ "فوجیوں" کی فلاح و بہبود کے لیے فاؤنڈیشن اور ٹرسٹ کے ذریعے اضافی سہولتیں اور مراعات کی فراہمی کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

فوج کے لیے مختص وسائل کے حجم پر اعتراض کی ہمت کم ہی لوگ کرتے ہیں کیوں کہ اس قسم کی نکتہ چینی کرنے والے پر غیر محبّ وطن ہونے کا ٹھپّہ لگا دیا جائے گا یا پھر اسے ملک دشمنوں اور غیر ملکی ایجنٹوں کی حرکت قرار دے دیا جائے گا۔ مغربی ملکوں کی طرح مسلم ممالک میں بھی فوجی اخراجات اور اس کے فوائد کا کبھی معروضی تجزیہ نہیں کیا جاتا۔ فوجی مقاصد اکثر مبہم ہوتے ہیں اور نمائشی اقدامات، قومی تفاخر یا سیاسی تقاضے پورے کرنے کے لیے اخراجات کیے جاتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وطن کے دفاع کے لیے اجرت پر رکھے جانے والے لوگوں نے جبراً قومی دولت اپنے قبضے میں کر لی ہے اور رہ گئی قوم تو اس کی اکثریت جیسے تیسے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھے ہوئے ہے۔ میدان جنگ میں مسلم سپاہ کی کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے حالات کے خلاف کسی نہ کسی شکل میں عوامی جذبات کا ریلا کچھ ہی دیر کی بات ہے۔

قومی دفاع کی قربانی دیے بغیر فوجی اخراجات میں تخفیف کا مسئلہ مغربی اقوام اور مسلمانوں میں مشترک ہے۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ زیادہ تر مسلم فوجی سرد جنگ کے اُن کار آزمودہ سپاہیوں کے تربیت یافتہ ہیں جو اسلحے کی دوڑ کو اپنی فوجی ذمہ داریوں کا حل سمجھتے تھے۔ مسلمان اپنے ہتھیار اسی ذوق و شوق اور چاؤ سے خریدتے ہیں جو کریملن اور پنٹیگون سے متصف ہے۔ جنگ خلیج کی طرح آج جو ہتھیار ایک دوست کے ہاتھوں میں ہیں کل وہی ہتھیار دشمن کے ہاتھوں میں آ سکتے ہیں۔

مبصرین نے ان مسائل کے حل کے لیے سفارشات پیش کی ہیں۔ ان کی تجویز ہے کہ اقتصادی اصلاح حال کے لیے باقاعدہ فوجوں میں قابل ذکر حد تک کمی کی جائے۔ اس کے علاوہ تمام شہریوں کے لیے عام فوجی تربیت اور قومی سطح پر فوج میں لازمی خدمات پر انحصار

Marfat.com

میں اضافے سے فوجی اخراجات کم ہو جائیں گے۔اسلحہ سازی کی صنعت کی ترقی سے غیر ملکی ذرائع پر انحصار کم ہو جائے گا مگر اس کے لیے خطیر سرمایہ درکار ہوگا جس کا مطلب روٹی کی جگہ ہتھیار حاصل کرنا ہوگا۔ آخری بات یہ ہے کہ بیرون ملک سے ترقی یافتہ روایتی ساز و سامان کا حصول ایک انتہائی مہنگا اور غیر یقینی طریقہ ہے۔

مسلم ممالک ان میں سے کسی یا تمام متبادل صورتوں پر غور کر سکتے ہیں مگر پہلے مسلمہ اور مستند آرا پر مبنی مختصر اور طویل المیعاد مقاصد کا واضح تعین کیے بغیر ان پر بامقصد عملدرآمد کا امکان بہت کم ہے۔ کسی حکمت عملی کے کسی بھی منصوبے کی طرح اس پر عملدرآمد کرنے والی قیادت کو واضح طور پر متعینہ مقاصد سے پوری طرح متفق ہونا چاہیے۔

۱۱۱۳۔ پیشہ ورانہ اوصاف:

مسلم ممالک میں فوج پر اعلیٰ پیشہ ورانہ معیار کے فقدان کے حوالے سے برابر تنقید ہوتی رہتی ہے۔ یہ کسی حد تک اعلیٰ عہدوں پر شاہی خاندانوں یا نسلی گروپوں کے کنٹرول اور آبادی کے بڑے طبقات کو مکمل یا جزوی طور پر باہر رکھنے کا نتیجہ ہے۔اس کے علاوہ فوجی قائدین کی جانب سے متعدد مسلم حکومتوں پر قبضہ جمانے کی کوششوں یا ان پر واقعتاً قابض ہو جانے کی وجہ سے نچلے درجہ کے سپاہیوں کا نظم وضبط اور حوصلہ جاتا رہا ہے۔

چند مسلم ممالک میں جہاں کسی نہ کسی شکل میں جمہوری حکومت ہے وہاں فوج سیاست میں متواتر مداخلت کے ذریعے بادشاہ گر کا کردار ادا کرتی ہے۔ متعدد مسلم ممالک امن و امان برقرار رکھنے کے لیے پولس کی جگہ فوجیوں کو استعمال کرتے ہیں۔ کچھ ممالک ناراض شہریوں پر مارشل لا مسلط کر دیتے ہیں۔ اس طرح فوجی اہلکاروں کے ہاتھوں میں جب عدالتی اور انتظامی اختیارات آجاتے ہیں تو وہ اکثر حرص کا شکار ہو کر ذاتی مفادات کے حصول پر راغب ہو جاتے ہیں۔

معدودے چند مسلم ممالک ایسے ہیں جہاں فوجی معاملات کے انتظامات پر منتخب نمائندوں کے ذریعے سویلین کنٹرول کا اہتمام ہے۔ سویلین وزرا دفاع کی حیثیت ربراسٹیمپ سے زیادہ نہیں ہوتی جن کا کام فوج کے فیصلوں کی تائید و توثیق کرنا ہوتا ہے۔

Marfat.com

۱۴۔۱۱۔ایٹمی ہتھیار اور ٹکنالوجی:

یہ بات تو بڑی واضح ہے کہ ایٹمی ٹکنالوجی اور اسلحے پر غیر مسلموں کا مکمل کنٹرول ہے۔ امریکہ، فرانس، برطانیہ، چین اور سابق سوویت یونین کی چار جمہوریاؤں (روس، یوکرین، قازقستان اور جیارجیا) نے اپنے پاس ایٹمی ہتھیاروں کی موجودگی کا کھلم کھلا اعتراف کیا ہے۔ اسرائیل اور بھارت کے بارے میں اطلاعات یہی ہیں کہ ان کے پاس بھی ایٹمی ہتھیار اور ٹکنالوجی موجود ہے۔ جنوبی افریقہ کے بارے میں بھی عام تاثر یہی تھا کہ اس کے پاس ایٹمی ہتھیار اور ٹکنالوجی دونوں چیزیں موجود ہیں مگر اس بات کا امکان ہے کہ اس نے سیاہ فام "اکثریتی" حکومت کو اقتدار منتقل کرنے سے قبل انھیں ضائع کر دیا ہو۔

یورپ میں متعدد صنعتی ترقی یافتہ قومیں بالخصوص جرمنی اور جاپان اور کینیڈا ضرورت پڑنے پر تیزی سے ایٹمی ٹکنالوجی کے حصول یا اسے ترقی دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں جب کہ پاکستان، جنوبی کوریا، شمالی کوریا، ارجنٹائن اور برازیل سمیت متعدد ترقی پذیر ممالک کے بارے میں بھی قیاس یہی ہے کہ وہ ایٹمی صلاحیت رکھتے ہیں خواہ ان کے ہتھیاروں کی تعداد معیار اور انھیں فضا میں پھینکنے کا نظام کمتر درجہ کا ہی کیوں نہ ہو۔

بھارت کے پاس ایٹمی ٹکنالوجی موجود ہے اور وہ کامیابی سے ایٹم بم کا تجربہ بھی کر چکا ہے۔ پاکستان میں ہو سکتا ہے کہ سابق صدور بھٹو حتیٰ کہ ضیا کو بھی ایٹمی ٹکنالوجی کے حصول کی کوششوں کی وجہ سے ہی اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا ہو۔ پاکستان کے سابق صدر غلام اسحٰق خان نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ انھیں اپنے دور صدارت میں ایٹمی پروگرام کی وکالت کرنے پر بے شمار دھمکیاں ملیں۔ اس کے علاوہ امریکہ نے پاکستان کو کروڑوں ڈالر سالانہ کی امداد سے محروم کر دیا اور دہشت گرد ملک قرار پانے کا خطرہ بدستور اس کے سر پر منڈلا رہا ہے اس کا بنیادی سبب بھی یہی ہے، عراق ایٹمی پروگرام پر عملدرآمد کی خواہش کی بھاری قیمت مسلسل ادا کر رہا ہے۔ اسی طرح ایران کو بھی ایٹمی ٹکنالوجی کے فروغ کے سلسلے میں سخت مخالفت کا سامنا ہے۔

ایٹمی اسلحہ کا عدم پھیلاؤ ان مغربی حکومتوں کی خارجہ پالیسی کا بنیادی نکتہ ہے جو فوجی غلبہ اور

Marfat.com

تسلط بر قرار رکھنا چاہتی ہیں۔ ایٹمی کلب میں صرف "ذمہ دار" نئے ارکان ہی قابل قبول ہیں۔ مسلم قازقستان نے تسلیم کر لیا ہے کہ اس کے پاس ایٹمی صلاحیت موجود ہے۔ دیگر مسلم ممالک خیال رکھیں کہ ایٹمی پروگراموں کے لیے ان کی خواہش کی سخت مخالفت ہو گی۔ مزید برآں اس نوعیت کے پروگراموں کو آگے بڑھانے کے لیے مسلم ممالک کے درمیان اشتراک عمل کی یقیناً نگرانی بھی ہو گی اور اس میں رکاوٹیں بھی ڈالی جائیں گی۔

۱۱۵۔ پاکستان کی الجھن:

مسلم مبصرین خصوصاً پاکستانیوں کی دلیل یہ ہے کہ اگر پاکستان کے پاس صلاحیت ہے تو پھر بھارت کی طرح اسے بھی چھوٹے ایٹم بم کا تجربہ کھلے عام کرنا چاہیے۔ یہ بات بڑے اصرار کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ ایسا اقدام جارحیت میں مانع و مزاحم ہو گا۔ اگر پاکستان کے پاس یہ صلاحیت موجود ہے تو پھر اسے مختصر تعداد میں ایٹمی ہتھیار رکھنے کا اعلان بھی کر دینا چاہیے۔ اس قسم کی کارروائی سے مغرب کی ناراضگی مول لینی پڑے گی اور اس کا نتیجہ جاپان جیسے ملکوں سے ملنے والی بچی کھچی اقتصادی امداد سے محرومی کی شکل میں بھی برآمد ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ اس سے بالآخر تمام متعلقہ لوگ پاکستان کا احترام کرنے لگیں گے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھارت اور دلچسپی رکھنے والے دیگر فریقوں کو ذمہ دارانہ طرز عمل کے بارے میں دوطرفہ بنیاد پر قابل اعتبار یقین دہانیاں کرادے۔

امریکہ نے ایٹمی مسئلہ کی بنیاد پر پریسلر ترمیم کے تحت ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ پاکستان کو براہ راست اقتصادی اور فوجی امداد روک دی۔ پاکستان کو اس سے کچھ زیادہ نقصان اس لیے نہیں پہنچا کہ امریکہ نے دوستانہ تعلقات کا سلسلہ برقرار رکھا اور اپنی اعلان کردہ پالیسی پر پوری طرح عملدرآمد نہیں کیا۔ امریکہ سے براہ راست فوجی اقتصادی امداد اتنی اہم نہیں جتنی اس کے مجموعی مالی وسائل، تجارت اور اس کی فوجی طاقت کے اثرات اہمیت رکھتے ہیں جن میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں:

(الف) بین الاقوامی مالیاتی اداروں مثلاً عالمی بینک، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف)،

Marfat.com

ایشیائی ترقیاتی بینک اور اقوام متحدہ کی دیگر ایجنسیوں سے قرضوں اور امداد کی فراہمی۔
(ب) متعدد یورپی ملکوں اور جاپان سے دو طرفہ بنیاد پر امداد۔
(ج) امریکہ نواز عرب ممالک سے دو طرفہ بنیاد پر امداد۔
(د) بین الاقوامی نجی سرمایہ کاری۔
(ہ) اندرون ملک اور بیرونی ممالک میں مقیم ایسے پاکستانیوں کی جانب سے سرمایہ کاری جن کے راستے میں بصورت دیگر پاکستان کے خلاف امریکہ کا معاندانہ رویہ حائل ہوتا ہو۔
(و) امریکہ کی طرف سے بھارت، اسرائیل اور دیگر کو اشارہ کہ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی حکمت عملی جاری رکھیں۔
(ز) امریکہ کے اپنے ذخیرے یا دیگر دوست طاقتوں کے ذخیروں سے فوجی فاضل پرزہ جات کی فراہمی۔

اعلیٰ سطح کے سرکاری حلقوں کے انکشافات کی بنیاد پر چند ہی لوگوں کو اس بارے میں کوئی شک ہوگا کہ پاکستان بالفعل ایٹمی کلب کی رکنیت حاصل کر چکا ہے۔ بہر حال بحث یہ جاری ہے کہ آیا پاکستان کو اس "قیاس" سے زیادہ فائدہ پہنچے گا کہ اس کے پاس ایٹم بم موجود ہے یا اس کے لیے ایٹمی تجربات کرنا زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ خیال یہی ہے کہ پاکستان کے پاس اپنے روایتی دشمن بھارت کے خلاف ایٹم بم پھینکنے کا مناسب نظام بھی موجود ہے۔ اس خیال کو بھارت اور امریکہ کے ان الزامات سے برابر تقویت ملتی رہتی ہے کہ چین اور شمالی کوریا سے پاکستان کو ہارڈ ویر اور فنی امداد مل رہی ہے۔ مختصر یہ کہ "ایٹمی ثبوت" ملنے کی صورت میں مندرجہ ذیل نقصانات کا احتمال ہے:
(الف) امریکہ کی برہمی کے نتیجے میں مذکورہ بالا سزائیں اور پابندیاں۔
(ب) جاپان (جو دو طرفہ بنیاد پر سب سے زیادہ امداد دینے والا ملک ہے) اور یورپی ممالک کی طرف سے اقتصادی امداد میں کمی۔
(ج) اقتصادی، سیاسی اور فوجی میدان میں بھارت کی جانب سے مزید معاندانہ کارروائیاں۔
اس سے مندرجہ ذیل ممکنہ فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں:

Marfat.com

(الف) "نسبتاً مختصر" مدت کے اندر مغرب سے تعلقات میں بہتری بشمول مغربی مفادات کے از سر نو تعین کی بنیاد پر امداد کی بحالی۔

(ب) "قدر و منزلت" میں اضافہ جس میں مالدار عرب اور دیگر مسلم ممالک سے مالی معاونت بھی شامل ہے۔

(ج) بھارتی حکومت اور بھارتی شہریوں کے لیے رکاوٹ بننے والے موثر نظام کا قیام (جو شاید بھارتی حکومت کے لیے تو پہلے ہی موجود ہے مگر بھارتی شہریوں کی صورت میں شاید ابھی ایسا نہیں ہے)۔

(د) غیر مسلم بھارتیوں کی نظروں میں بھارتی مسلمانوں کی زیادہ عزت و احترام جس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ تشدد میں کمی اور کشمیری مسلمانوں سے بہتر سلوک کا امکان۔

(ہ) مسلمانوں کی خود اعتمادی میں اضافہ۔

۱۱۶۔ اسلحے کی خرید و فروخت:

روایتی اسلحے کی تیاری اور فروخت پر غیر مسلم قوموں کا تقریباً مکمل کنٹرول ہے۔ اسٹاک ہوم، انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۲ء میں امریکہ نے روایتی اسلحے کے سرکردہ برآمد کنندہ کی حیثیت سے عالمی سطح پر اپنی پوزیشن برقرار رکھی جس کا حساب یہ تھا کہ دنیا بھر میں فروخت ہونے والے اسلحے میں امریکہ کا حصہ چھیالیس فیصد تھا جب کہ ۱۹۹۱ء میں یہ شرح اکیاون فیصد تھی۔ یورپی برادری کے رکن ملکوں نے اپنے حصۂ فروخت کو ۱۹۹۲ء میں چھبیس فیصد تک پہنچا دیا جو صرف ایک سال پہلے بیس فیصد تھا۔ سابق سوویت یونین کی برآمدات ۱۹۹۰ء میں چونتیس فیصد ۱۹۹۱ء میں اٹھارہ فیصد اور ۱۹۹۲ء میں گیارہ فیصد رہیں۔ چین کی برآمدات ۱۹۹۲ء میں آٹھ فیصد رہیں۔ ۱۹۹۲ء میں اسلحے کی خریداری میں یورپی ممالک سرفہرست رہے جنھوں نے دنیا بھر میں خریدے جانے والے مجموعی اسلحے کا چھتیس فیصد حصہ خریدا جس کے بعد ایشیائی ممالک نے تیس فیصد اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں نے بائیس فیصد اسلحہ خریدا۔ ٹائم میگزین (۱۲ دسمبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۴۷۔۴۸) کی رپورٹ کے مطابق اسلحہ مارکیٹ کا مجموعی سائز تو سکڑ رہا ہے مگر اسلحے کی

Marfat.com

فروخت میں امریکہ کا حصہ بڑھتا جارہا ہے۔ ۱۹۸۹ء کے اواخر میں دیوار برلن کے انہدام کے بعد سے امریکہ نے سمندر پار ملکوں کو مجموعی طور پر ۸۲٫۴ بلین ڈالر مالیت کا اسلحہ فروخت کیا جو دنیا کے باقی ماندہ ملکوں کے فروخت کردہ اسلحے کی مجموعی مالیت ۶۶٫۸ بلین ڈالر سے کہیں زیادہ تھی۔ ۱۹۹۳ء میں امریکہ نے اسلحے کی منتقلی کے جو سمجھوتے کیے ان کی مجموعی مالیت ۲۲٫۳ بلین ڈالر تھی جب کہ دوسرے اور تیسرے نمبر پر رہنے والے ملکوں روس اور برطانیہ کے سمجھوتوں کی مجموعی مالیت بالترتیب ۲٫۸ بلین ڈالر اور ۲٫۳ بلین ڈالر تھی۔

جنگ خلیج نے اعلیٰ ٹکنالوجی کی ضرورت اور اہمیت پوری طرح واضح کردی۔ گو کہ عراق کے پاس جنگی ساز و سامان اور ہتھیار بہت تھے اور ایران کے ساتھ طویل معرکہ آرائی کے نتیجے میں تربیت یافتہ اور جذبہ و لگن سے سرشار افرادی قوت کی بھی کمی نہ تھی مگر اس کے پاس وہ اعلیٰ ترین ٹکنالوجی موجود نہ تھی جس کا مظاہرہ مغرب کر رہا تھا۔ جدید ہونے کے باوجود عراق کے ہتھیاروں کا اور زیادہ ترقی یافتہ مغربی اتحاد کے اسلحوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مسلم ممالک نے اپنی فوجی صلاحیتیں بنیادی طور پر مغرب اور سابق سوویت یونین سے خریدی ہیں۔ چاہے جارحیت سے باز رکھنے کے لیے یا حملوں سے تحفظ کی خاطر انھوں نے بہترین دستیاب ہتھیاروں کے حصول کی کوشش کی ہے۔ تاہم اس بات کا امکان نہیں ہے کہ مسلم حکومتیں مستقبل میں فوجی صلاحیت یا ٹکنالوجی کے اعتبار سے مغرب کا مقابلہ کر سکیں۔ غیر مسلموں کی موجودہ فوجی برتری کو محسوس کرتے ہوئے مسلم لیڈروں نے دانش مندی سے کام لیتے ہوئے بڑی حد تک مغرب کے ساتھ براہ راست ٹکراؤ سے گریز کیا ہے۔

(ب) کچھ تجربات:

۱۱۷۔ ماضی کی جنگوں کے تجربات:

جان جی اسٹوئزنگر نے ”قومیں جنگ کیوں لڑتی ہیں“ میں بیسویں صدی میں اہم جنگوں کے اسباب کا تجزیہ کیا ہے اور مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

(الف) اس صدی میں بڑی جنگ چھیڑنے والی کوئی بھی قوم فتح سے ہمکنار نہیں ہوئی۔

Marfat.com

(ب) ایٹمی طاقتوں کے درمیان جنگ خودکشی کے مترادف ہے۔

(ج) بڑے ملکوں کے دوست چھوٹے ممالک کے درمیان ہونے والی جنگوں کے غیر فیصلہ کن اور بے حد طویل ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔

(د) دوستوں سے محروم چھوٹی ریاستیں اب بھی ایک دوسرے کے خلاف حساب چکا سکتی ہیں۔

(ہ) بڑی طاقتیں دوستوں سے محروم چھوٹی ریاستوں کے خلاف آسانی سے فتح یاب ہو جاتی ہیں۔

(و) جب تک کہ شکست خوردہ فریق مکمل طور پر تباہ نہ ہو جائے فاتح کے لیے امن کم ہی پائیدار ثابت ہوتا ہے۔

(ز) برابری کی بنیاد پر طے پانے والے امن سمجھوتے زیادہ پائیدار اور مستقل نوعیت کے ہوتے ہیں۔

(ح) جنگ چھڑنے میں رہنماؤں کی شخصیت بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ زیادہ تر جنگیں رہنماؤں کی متلون مزاجی اور غیر ذمہ دارانہ رویے کی وجہ سے شروع ہوتی ہیں۔

(ط) ایک لیڈر کی خود اپنی ساکھ کے بارے میں غلط فہمی اور اپنے حریف کے کردار، عزائم یا صلاحیتوں اور طاقت کے بارے میں غلط اندازے جنگوں کے اسباب میں سب سے اہم سبب ہوا کرتے ہیں۔

(ی) جنگیں عموماً اس وقت ختم ہوتی ہیں جب متحارب قوموں میں ایک دوسرے کی طاقت کے بارے میں زیادہ حقیقت پسندانہ احساس پیدا ہو جاتا ہے۔

۱۱۸۔ مسلمانوں کے لیے نصیحت:

اُمہ کے لیے کسی جنگ میں الجھنا لاحاصل اور خود کو تباہ کرنے کے مترادف ہوگا خواہ وہ آپس کی جنگ ہو یا مغرب کے خلاف۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے امریکہ، برطانیہ، فرانس، اسرائیل اور بھارت کے پاس طویل فاصلے پر مار کرنے کی صلاحیت کے ساتھ ایٹمی ہتھیار

Marfat.com

موجود ہیں۔ مسلم ممالک میں پاکستان کی محدود ایٹمی صلاحیت بھارت سے لاحق خطرے کا توڑ کرنے کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ پاکستان کے پاس ایٹمی ہتھیار پھینکنے کی صلاحیت قریبی بھارتی علاقوں تک محدود ہے۔ لہٰذا کسی بھی مسلم ملک کی طرف سے کسی بھی عالمی طاقت کے خلاف تنہا یا بالاشتراک جنگ چھیڑنا لاحاصل اور ان کے اپنے لیے ہلاکت خیز اقدام ہوگا۔ ایسا سوچنے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔

اسی طرح کسی مسلم ملک کی جانب سے کسی عالمی طاقت کی خفیہ یا اعلانیہ مدد سے کی جانے والی کارروائیاں بھی لاحاصل ہیں۔ مسلم ملک کے حریف کی حمایت پر خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، کوئی ایک یا کئی عالمی طاقتیں کمر بستہ ہو جائیں گی۔ اس قسم کی جنگ زیادہ سے زیادہ غیر فیصلہ کن رہے گی اور جنگ شروع کرنے والے مسلم ملک کے لیے یقینی طور پر تباہ کن ثابت ہوگی۔ دوسرے ملکوں سے شکایات اور رنجش کی صورت میں مسلم رہنماؤں کے لیے بہترین مشورہ یہی ہے کہ وہ ان کا پر امن حل تلاش کریں۔ جنگ یقیناً صرف آخری چارہ کار ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اپنے رہنماؤں کو ان اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق جانچیں اور پرکھیں جن کا تعین قرآن میں کیا گیا ہے، ظالم و جابر اور معقولیت سے عاری رہنماؤں کی مخالفت کی جائے اور خدمت و اصلاح کی لگن رکھنے والے مخلص رہنماؤں کی حمایت۔ خود اپنی طاقت یا اپنے ممکنہ دشمنوں کی طاقت کے بارے میں غلط اندازہ لگانا بہت زیادہ تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔ لیڈروں کو ایسی لن ترانیوں سے روک دینا چاہیے جو ان کے ملکوں کو تنازعات میں الجھا دیں اور عوام کو مصائب سے دوچار کر دیں۔ قوم کو استحصال، بد عنوانی اور انحطاط سے نجات دلانے کی کوششوں میں ان کی مدد کی جانی چاہیے۔

مصر کے جمال عبدالناصر، پاکستان کے ایوب خان، یحییٰ خاں اور خود ذوالفقار علی بھٹو، لیبیا کے کرنل قذافی اور عراق کے صدام حسین چند ایسے متنازع مسلم رہنما ہیں جو جنگوں میں ملوث رہ چکے ہیں۔ ان کے اقدامات کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے مگر دیگر مسلم رہنماؤں کے مطالعہ کے لیے ان کی تاریخ خاصی واضح ہے۔(۱)

Marfat.com

۱۱۹۔ صلح حدیبیہ کی ضرورت:

بعض مسلمانوں کی رائے میں اس وقت صلح حدیبیہ کی طرح کے کسی معاہدے کی ضرورت ہے جس کا اہتمام رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت کے چھ سال بعد مکہ کے جنوب میں حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا۔ مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے جارہے تھے مگر مکہ کے سردار اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے اس وقت دونوں فریق جنگ کے لیے تیار تھے۔ مسلمانوں نے عہد کیا (بیعت رضوان) کہ وہ آخری آدمی تک لڑیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ امن جنگ سے زیادہ اہم ہے۔ اہل مکہ کو یہ باور کرانے کے لیے کہ وہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں نہ کہ جنگ کے لیے، آپ ﷺ نے تحمل اور اعتدال پسندی کی مثال قائم کی:

(الف) آپ ﷺ نے اہل مکہ کے بھیجے ہوئے مختلف وفود سے عزت واحترام سے مذاکرات کیے۔

(ب) آپ ﷺ نے قربانی کے ستر اونٹوں کو نمایاں جگہ پر رکھا تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ زائرین کا مقصد صرف حج کرنا تھا۔

(ج) آپ ﷺ نے چالیس پچاس افراد کو معاف کر دیا اور بغیر کوئی ضرر پہنچائے واپس کر دیا جنھوں نے مسلمانوں کے خیمے پر پتھراؤ کیا تھا اور انھیں مشتعل کر کے جنگ پر اکسانے کی کوشش کی تھی۔

(د) آپ ﷺ نے سخت خطرہ مول لے کر اپنے وفود مکہ بھیجے جن میں آپ کے محبوب دوست اور داماد حضرت عثمان بن عفان بھی شامل تھے۔

حتیٰ صلح نامے میں طے پایا کہ اس سال مسلمان مکہ نہیں آئیں گے اور اگلے سال حج کے لیے واپس آئیں گے؛ اور قریش کا کوئی شخص مسلمانوں کے ساتھ جا ملے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا جب کہ کوئی شخص مسلمانوں کا ساتھ چھوڑنا چاہے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ سخت ہتک آمیز تصور کیا گیا اور مسلمانوں نے اس کا برا منایا۔ شروع میں حضرت عمر ابن الخطاب سمیت بہت سے مسلمانوں نے اس پر بے چینی کا اظہار کیا مگر بالآخر یہ

Marfat.com

معاہدہ مسلمانوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا اور اس سے رسول اللہ ﷺ کی عمیق سیاسی دانائی، تدبر اور دوراندیشی بھی ثابت ہو گئی۔

ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو امن کی ضرورت ہے۔ انھیں الرضوان کی طرح کی ایک بیعت اپنے آپ سے کرنے کی ضرورت ہے۔ انھیں امہ کی فلاح کے لیے قربانی دینی ہو گی، اور اپنے پرامن مقاصد کے بارے میں اپنے اثباتی اقدامات کے ذریعے مغرب کو یقین دہانیاں کرانی ہوں گی، امن کو یقینی بنانا ہو گا اور خود کو ایک دوسرے کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کرنا ہو گا۔

حواشی

(۱) جان جی اسٹوئز نگر، why nations go to war (نیویارک: سینٹ مارٹنس پریس، ۱۹۹۲ء۔)، صفحہ ۲۰۵ تا ۲۱۲۔

Marfat.com

باب ۷

سیاسی مسائل

مسلمانوں کو واضح طور پر بہت سے سیاسی مسائل کا سامنا ہے جن میں خود اپنی حکومتوں پر بداعتمادی، دنیا کے مختلف حصوں میں جاری فوجی تنازعات اور تصادم، عربوں میں پھوٹ، پریس کی محدود آزادی، اسلامی حکومت کی تشریح پر عدم اتفاق، وسیع پیمانے پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں، اسلامی ریاستوں کا مغربی ممالک سے خوف اور تمام دنیا میں مسلمانوں کی خراب ساکھ جیسے مسائل شامل ہیں۔ لیکن مسائل انھیں تک محدود نہیں ہیں۔ اس باب میں سیاسی مسائل کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے اور امۃ اور اس کے رہنماؤں کے سوچ بچار کے لیے بعض سفارشات پیش کی جا رہی ہیں۔

(الف) حکومتوں کی بے اعتباری:

۱۲۰۔ معتبر قیادت کا فقدان:

مسلمانوں میں اگر ایک طرف ایسی مذہبی قیادت کا فقدان ہے جو ان کے روز مرہ کے روحانی مسائل کے حل میں مدد دے سکے تو دوسری طرف ان کے پاس سیاسی قیادت بھی نہیں ہے۔ کوئی ایسا مذہبی رہنما ملنا تو اور بھی دشوار ہے جو روحانی خصوصیات کا حامل ہونے کے علاوہ

Marfat.com

سیاسی طور پر بھی قیادت کا اہل ہو۔ کامیاب رہنماؤں میں بالعموم کئی مشترک اوصاف ہوتے ہیں۔ مسلم حکومتوں کے بہت کم رہنما مطلوبہ خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں ایمان داری اور دیانت داری یا ایفائے عہد کا عنصر کم ہی پایا جاتا ہے۔ اہلیت اور مطلوبہ مہارت بھی شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ ان کے اندر آگے دیکھنے، مستقبل کی پیش بندی اور واقعات و حالات سے مطابقت پیدا کرنے، عوام کے لیے تحریک اور جذبہ فراہم کرنے، انھیں سخت محنت اور مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے ایثار و قربانی پر آمادہ کرنے، نیکی کی تلقین اور بدی سے روکنے اور اس حقیقت کا ادراک کرنے کی اہلیت بھی بہت کم ہوتی ہے کہ اگر ان کے پاس سوالوں کے جواب نہیں ہیں تو باہمی صلاح مشورہ کرلیں۔ کبھی کبھار جب ان رہنماؤں نے مذکورہ بالا کسی ایک یا زائد خوبیوں کا عملی مظاہرہ کیا ہے تو ان کے عوام نے بھی اس کا مثبت جواب دیا ہے اور پورے جوش و خروش سے ان کا اتباع کیا ہے۔

صدیوں تک مسلمانوں پر خلفا، بادشاہوں اور سلاطین نے حکومتیں کی ہیں جن میں سے چند بجا طور پر متقی اور پارسا تھے جب کہ بہت سے جابر اور مطلق العنان فرماں روا تھے۔ عوام کی خود اپنی حکمرانی کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ حکمرانوں کو اپنے موروثی شاہی سلسلے کے تحفظ کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ شروع شروع میں قبائلی نمائندگی اور تحفظ کا ایک روایتی نظام موجود تھا جس میں ایک عام آدمی بھی خلیفہ کے اقدامات پر اعتراض کر سکتا تھا۔ آخر کار ایسی غیر نمائندہ حکومتیں قائم ہو گئیں جن میں کسی کی مجال نہ تھی کہ جابر اور مطلق العنان حکمراں کو چیلنج کر سکے۔

مسلمان عام طور پر اپنی حکومتوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس کی بہت سی وجوہ ہیں:

(الف) بہت سے لیڈروں کے بارے میں ان کے عوام یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ایمان داری، اہلیت، دور اندیشی، لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت اور عوام کی فلاح کے حقیقی جذبے اور لگن سے محروم ہیں۔

(ب) حکومت میں ان کی کوئی آواز نہیں ہوتی۔ متعدد حکومتیں غیر جمہوری ہیں (یعنی عوام کو اس بارے میں فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ کون برسر اقتدار رہے)۔ نام نہاد منتخب حکومتوں

Marfat.com

میں عوام انتخابات کے نتائج پر کھلا اعتراض کرتے ہیں یا پھر یہ محسوس کرتے ہیں کہ اقتدار میں آنے کے بعد منتخب رہنماؤں کی ترجیحات بدل جاتی ہیں اور وہ صرف اقتدار کا تسلسل جاری رکھنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔

(ج) حکمرانوں کو قانون کے تحت تحفظ اور استثنیٰ فراہم کر دیا جاتا ہے لہٰذا انتخابی وعدوں کے بارے میں ان کا کوئی احتساب بھی نہیں ہوتا۔ کبھی کبھار فوجی انقلاب کے نتیجے میں معزول افسران کو عبرت ناک سزا بھی دی جاتی ہے مگر زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ حکمرانوں کو سزا نہیں ملتی۔

(د) انقلابات کے ذریعے جمہوری عمل میں برابر خلل ڈالا جاتا ہے اور اکثر امیدوار ایک جیسے ہوتے ہیں۔

(ہ) قومی ذرائع ابلاغ پر کنٹرول قائم کر لیا جاتا ہے جب کہ مقامی ذرائع ابلاغ نسبتاً کم ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔

(و) بین الاقوامی ٹی وی اور دیگر ذرائع ابلاغ کی بدولت عوام اپنی اقتصادی حالت کا موازنہ دوسرے ملکوں سے کر سکتے ہیں جن میں سے بعض ملک تو پہلے خود ان کے ملک سے زیادہ غریب تھے۔ عوام یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان کے لیڈروں کے اقتصادی حالات میں تو بڑی ڈرامائی تبدیلی آئی ہے مگر عام آدمی کی حالت میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔

۱۲۱۔ بادشاہ معصوم عن الخطاء ہے:

یہ نظریہ کہ "بادشاہ کوئی غلط کام نہیں کر سکتا"، عبدالفتح میمن نے "پاکستان میں اعلیٰ ایگزیکٹوز کا تحفظ" (۱) میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ برطانوی نو آبادیاتی راج کے تحت قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کی دفعہ ۳۰۶ میں کہا گیا ہے کہ:

ا۔ ہندوستان کی کسی عدالت میں گورنر جنرل کے خلاف، کسی صوبے کے گورنر کے خلاف یا سکریٹری آف اسٹیٹ کے خلاف خواہ ان کی ذاتی حیثیت میں یا کسی اور طریقے سے کونسل میں ہز میجسٹی کی منظوری کے بغیر نہ کوئی کارروائی کی جائے اور نہ کوئی پروانہ جاری کیا جائے اور ہندوستان کی کسی عدالت میں کسی ایسے شخص کے خلاف جو گورنر جنرل، صوبہ کا گورنر یا

Marfat.com

سکریٹری آف اسٹیٹ رہ چکا ہو کسی ایسے کام کے لیے کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی جو اس نے اپنے عہدے کی میعاد کے دوران کارکردگی یا فرائض کی انجام دہی کے ضمن میں کیے ہوں یا اس کا ارتکاب کیا ہو...... منتخب حکام بھی پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۲۴۸ میں تو اس تحفظ کا دائرہ افراد کی کثیر تعداد تک وسیع کر دیا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ:

ا۔ صدر، گورنر، وزیر اعظم، وفاقی وزیر، وزیر مملکت، وزیر اعلیٰ اور صوبائی وزیر اپنے متعلقہ عہدوں پر فائز عرصے کے دوران اپنے اختیارات کے استعمال اور فرائض کی انجام دہی یا ان اختیارات کے استعمال اور امور کی انجام دہی کی نیت سے کیے جانے والے کسی بھی اقدام کے لیے کسی بھی عدالت کو جواب دہ نہیں ہوں گے......

بعد میں فوجی حکومت کے دوران فوجی اہلکاروں کی بہت بڑی تعداد کو بھی اسی طرح کی چھوٹ اور پردہ پوشی کی سہولت مہیا کر دی گئی۔ اس سے حکمران قانون سے بالاتر ہو گئے ہیں۔ تو پھر اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ منتخب حکام (اور مارشل لا کے دور میں فوجی افسران) بدعنوان ہو گئے۔ ایک مرتبہ وہ عہدہ سنبھال لیں تو پھر انھیں قانون پر بالادستی حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ ذاتی مفادات کے لیے اپنے اختیارات کا بھرپور استعمال کرتے ہیں کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قانونی طور پر کوئی انھیں چھو بھی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ اپوزیشن جماعتیں بھی اپنی زبان بند رکھتی ہیں کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ جب ان کی باری آئے گی تو ان ہی توانین کو وہ اپنے مفادات کی تکمیل اور فوائد کے حصول کے لیے استعمال کر سکیں گی۔

ظاہر ہے کہ ایک اسلامی حکومت میں ایسی باتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ چنانچہ کسی حد تک اصلاحات کا خوف بھی بعض مسلم حکومتوں کو علما و مصلحین کی مخالفت پر اکساتا ہے۔ حکومت چاہے سیکولر ہو یا مذہبی، اس کا احتساب بہر حال ضروری ہے۔

پرمودیا اننتا تویر نے ۱۸۹۰ء کے عشرے میں انڈونیشیا میں مسلمانوں کی سیاسی حالت کے بارے میں اپنی کتاب ''انسانوں کی یہ دھرتی'' (This Earth of Mankind) میں جو کچھ لکھا ہے اس کے بعض حصے آج بھی متعدد ممالک کے مسلمانوں پر صادق آتے ہیں۔ ولندیزی

Marfat.com

نوآبادیاتی حکومت کے ایک سنیئر اہلکار کی بیٹی اپنے ایک مقامی دوست کو تحریر کیے جانے والے خط میں کہتی ہے:

......انھوں نے یورپی استبداد کے خلاف اپنی جدوجہد میں کس طرح سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں لیڈر اور ہیرو پیدا کیے۔ ایک ایک کرکے وہ گرتے رہے، شکست کھاتے رہے۔ ہلاک ہوتے رہے، ہتھیار ڈالتے رہے۔ ہوش و حواس کھوتے رہے، تذلیل سے دوچار ہو کر مرتے رہے جلاوطنی کے عالم میں فراموش ہوتے رہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی جنگ میں فتح یاب نہیں ہوا۔ ہم نے یہ سب کچھ سنا اور اس سے متاثر ہوئے اور ہم کو یہ سن کر غصہ بھی آیا کہ آپ کے حکمرانوں نے کمپنی کو رعایات فروخت کیں ان سے ان کے اپنے علاوہ کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ پاپا کی کہانیوں کے مطابق آپ کے ہیرو ہمیشہ کمپنی کو مراعات کی فروخت کے پس منظر سے ہی ابھرے اور صدیوں تک بار بار یوں ہی ہوتا رہا اور کوئی بھی یہ نہ سمجھ سکا کہ پہلے جو کچھ ہو چکا ہے یہ سب اسی کی تکرار ہے اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا بغاوتیں مختصر ہوتی گئیں اور ان کا نمو رکتا گیا۔ اور یہ حال ہے ان لوگوں کا جنھوں نے اپنے جسم و جان کی تمام توانائیاں اور اپنی تمام تر مادی دولت اس ایک ان دیکھے جذبے کی حفاظت کے لیے جھونک دیں جسے عزت کہا جاتا ہے۔

پاپا کا کہنا ہے کہ اب اور مستقبل میں بھی بنی نوع انسان کی قسمت کا دارومدار سائنس اور علم پر اس کی کامل دسترس اور مہارت پر ہوگا۔ اس مہارت کے بغیر انفرادی اور عوامی دونوں حیثیتوں میں پوری انسانیت منھ کے بل آگرے گی۔ سائنس اور علم میں کمال حاصل کرنے والوں کی مخالفت کرنا اپنے آپ کو ذلت اور ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

......اسے اپنے عوام کی طرح نہیں ہو جانا چاہیے جو اپنے لوگوں کے درمیان

Marfat.com

تو یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا تعلق ایسی نسل سے ہے جس کے ٹکر کی کوئی اور نسل روئے زمین پر موجود ہی نہیں ہے مگر کسی یورپین کا سامنا ہوتے ہی، خواہ وہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو، ان کی سٹی گم ہو جاتی ہے اور ان میں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی......(۲)

۱۲۲۔ پریس کی محدود آزادی:

پریس کی آزادی اظہار خیال کی آزادی کے مترادف ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانشینوں کے دور میں پوری طرح عمل ہوتا تھا۔ اکثر مسلم حکومتیں اپنے ذاتی تحفظ کے لیے "قومی سلامتی" کے بہانے سے پریس پر پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ بعض مغربی ممالک میں پریس کی آزادی کا جو انداز ہے اس کی تقلید کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے میں فحاشی، تشدد اور فسق و فجور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فضول گوئی، افواہ سازی اور بہتان تراشی اس قدر عام ہو سکتی ہے کہ لوگوں کے لیے افسانے اور حقیقت میں تمیز کرنا دشوار ہو جائے۔ بعض مسلم ممالک میں نسل پرست پریس نے امن کے بجائے تشدد کا پرچار کیا ہے۔ مسلم ممالک میں تمام ذرائع ابلاغ نے سلمان رشدی کی تصنیف "شیطانی کلمات" کی مذمت کی مگر ترکی کے ایک اخبار نے اس کے اقتباسات چھاپ ڈالے جس پر مقامی مسلمان سخت برہم ہوئے۔ پریس کی آزادی کی صورت میں تمام معاملات میں اس امر کی ضمانت مہیا کرنے کی ضرورت ہے کہ جن لوگوں کو انفرادی یا اجتماعی طور سے بلاجواز رسوا اور بدنام کیا جائے ان کے لیے قانونی چارہ جوئی کا واضح راستہ موجود ہو۔ قومی مفادات، مقامی نوعیت کے حساس اور مذہبی معاملات کو قانونی تحفظ فراہم کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۳۔ قیادت کی ضروریات:

آج مسلمانوں کو موجودہ قیادت سے مختلف نوعیت کی قیادت کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو ایسے قائدین کی ضرورت ہے جنھیں امہ کی موجودہ کمزوریوں کا احساس ہو، ایسے قائد جو معاملات کو جوں کا توں رکھنے کے رجحان پر اعتراض کر سکتے ہوں اور جو تمام مسلمانوں کی

Marfat.com

بھلائی کے لیے اس میں تبدیلی لانے پر یقین رکھتے ہوں۔ مسلم رہنماؤں کی حیثیت سے ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے عقائد پر پختگی سے قائم رہیں اور انھیں رواج دیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ:

(الف) عبادت اور استغراق کے ذریعے اللہ سے امداد طلب کریں اور اقرار کریں کہ تمام کوششوں کا مقصد اس کی رحمت اور بخشش حاصل کرنا ہے۔

(ب) پورے اخلاص اور دیانت داری سے اُمہ کے مسائل کا تجزیہ کریں: اختیارات موثر اور کارگر طور پر استعمال کریں: اچھی مثال قائم کریں۔

(ج) مقامی سطح پر مسائل سے قریبی واسطہ رکھنے والے افراد، اسکالرز اور دیگر مذہبی رہنماؤں سے رہنمائی حاصل کریں، متبادل طریقوں کا تجربہ کریں اور خطرات مول لینے سے گریز نہ کریں۔

(د) کام کی انجام دہی کے لیے دوسروں کی تائید اور مدد حاصل کریں، دوسروں کو ذمہ داریاں تفویض کریں اور سکھائیں اور اس طرح حامیوں کو تقویت فراہم کریں اور ان سب میں یہ احساس پیدا کریں کہ قومی کوشش میں ان کا بھی حصہ ہے۔ اچھا کام انجام دینے پر لوگوں کی تعریف کریں۔

(ہ) پیروکاروں میں کامیابی کا ذوق پیدا کرنے اور نئی جان ڈالنے کے لیے فتوحات کی منصوبہ بندی کریں، خواہ وہ معمولی ہی سی کیوں نہ ہوں۔

ب۔ تصادم:

۱۲۴۔ متعدد لڑائیوں کے فریق:

۱۹۹۲ء کے دوران میں دنیا کے تقریباً تیس حصے شدید نوعیت کے مسلح تصادم سے متاثر ہوئے۔ ان میں مسلمان کم از کم بوسنیا، افغانستان، فلسطین، کشمیر، سوڈان، صومالیہ، مراکش (مغربی صحارا کے مسئلے پر) عراق، تاجکستان، آذربائیجان (نگونو۔ کراباخ کے مسئلے پر آرمینیا کے خلاف) اور برما اور حال ہی میں شیشان میں جنگ سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں۔ متعدد "خانہ جنگیاں" ہوئیں سوا الگ۔

Marfat.com

ان لڑائیوں سے، ان کے اسباب اور ذمہ داریوں سے قطع نظر، مسلمانوں کا بے پناہ جانی، فوجی، اقتصادی اور سیاسی نقصان ہوا ہے۔ ہر جنگ پہلے سے کمزور مسلمانوں کو مزید کمزور کرنے کا سبب بنی ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ:

"اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو۔ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (سورۃ ۴۹:۹)

۱۲۵۔ عربوں میں پھوٹ:

بنی نوع انسان پر تمام کتابی مذاہب کا نزول سامی النسل لوگوں کے ذریعے ہوا۔ عرب سامی النسل ہیں۔ ظہور اسلام کے بعد عربوں کے اتحاد نے عرب اور غیر عرب تمام مسلمانوں کو عظیم الشان رفعتوں، طاقت، علم اور تہذیب سے ہمکنار کیا مگر مسلمانوں کی پوری تاریخ برادر کش جنگ وجدل اور تباہ کاریوں سے بھری ہوئی ہے۔

اس کے بعد لارنس آف عربیہ نمودار ہوا جس نے عربوں کو باور کرایا کہ وہ دوسرے مسلمانوں سے برتر ہیں لہٰذا انھیں ترک مسلمانوں سے لڑ کر آزادی حاصل کر لینی چاہیے۔ عربوں کی مدد سے لارنس کی "ذریت" آخری مسلم قلمرو اور خلافت کو توڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ وعدے کے مطابق آزاد ہونے کے بجائے عربوں پر مغربی نو آبادیاتی طاقتوں کا تسلط قائم ہو گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر آزادی حاصل کرنے کے بعد وہ متحد ہوتے ہوئے نظر آئے۔ عرب لیگ نے کچھ وعدے پورے کیے۔ اب لارنس کی اولاد پھر نمودار ہوئی جس نے ہر عرب حکمراں کے کان میں پھونک دیا کہ بس وہی سب سے بلند و برتر ہے۔ اس وقت سے کم و بیش ہر عرب حکمراں اپنے اپنے طریقے پر چلتا رہا ہے۔ لارنس کی اولاد نے انھیں الگ الگ کر کے ایک ایک ملک کو چنا۔ مصر، شام، اردن، عراق، لبنان، لیبیا اور کویت سب

Marfat.com

ہی نے جنگ کا مزہ چکھا اور سوئز پر حملے سے لے کر لبنان پر ہونے والی حالیہ بمباری تک شدید نقصانات سے دوچار ہوئے۔ لارنس کی نسل کے ملکیتی ذرائع ابلاغ میں آج سب سے زیادہ تضحیک کا نشانہ یہی لوگ بنتے ہیں۔ عرب نہ صرف منقسم ہیں بلکہ مغربی پریس کے مطابق خفیہ طور پر وہ مغربی طاقتوں پر زور دیتے ہیں کہ ان کے عرب دشمنوں پر وہ ایسی ضرب لگائیں جو ان کی اپنی لگائی ہوئی ضرب سے بھی زیادہ شدید اور کاری ہو۔ ایک طرف اگر مسلمانوں، اور اکثر اوقات عربوں، کا خون بہہ رہا ہے تو دوسری طرف ان کے حریف (مسلمان عربوں) کے دل باغ باغ ہو رہے ہیں۔

اللہ نے سرزمین عرب کے ریگ زاروں کو تیل کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ تاہم بعض اخباری اطلاعات کے مطابق عربوں نے تیل سے جو کچھ کمایا ہے اس سے زیادہ جنگوں پر خرچ کر ڈالا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انتہائی مالدار عرب ممالک بھی لارنس کی نسل کے مقروض ہو چکے ہیں۔ عربوں کی حالت کا عکس بالعموم دوسرے مسلمانوں میں بھی نظر آتا ہے۔ ان میں بھی اندرونی طور پر ایسی ہی پھوٹ پڑی ہوئی ہے جو دنیا بھر میں مسلمانوں میں وبا کی طرح سرایت کر چکی ہے۔ وہ جہاں بھی ہیں ایک دوسرے سے فوجی، ثقافتی، سیاسی اور نظریاتی جنگ میں الجھے ہوئے ہیں۔

۱۲۶۔ اسلامی حکومت کی تعریف پر اختلاف:

مسلمان اس امر میں باہم متفق نہیں ہیں کہ دور حاضر میں ایک اسلامی حکومت کی شکل کیا ہونی چاہیے۔ مختلف مذہبی فرقوں اور حکمرانوں کے درمیان اس مسئلے پر بحث کا سلسلہ جاری ہے۔ جمہوریت کے حامیوں کی دلیل یہ ہے کہ چودہ سو سال قبل رسول اللہ ﷺ کے وصال کے موقع پر جانشینی کے لیے مشاورت کے جس طریقے پر عمل کیا گیا وہ "ایک شخص ایک ووٹ" سے مختلف اصول نہیں تھا۔

موجودہ غیر نمائندہ حکومتوں کے حامی ان قرآنی تعلیمات کا حوالہ دیتے ہیں جن کی رو سے حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے اور وہ موجودہ حکومتوں کے تسلسل پر اصرار کرتے ہیں۔ بعض مسلمان اس خیال کے حامی ہیں کہ اگر حکمران کسی وقت ضروری سمجھے تو مشاورت کے

Marfat.com

لیے بزرگوں پر مشتمل شوریٰ (اسمبلی) خود منتخب کرلے۔ اسکالرز اور متعدد دینی رہنما مختلف قرآنی آیات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ حکومت کوئی بھی ہو اللہ کے نزدیک وہ اس وقت تک پسندیدہ رہے گی۔ جب تک اس میں عدل و انصاف اور دیانت داری کے اوصاف موجود رہیں۔ وہ مختلف النوع متعدد نظاموں کا حوالہ دیتے ہیں جن کے بارے میں قرآن میں پسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی بادشاہت اور حضرت یوسف علیہ السلام کے وہ اختیارات جو انھوں نے فرعون کی حکمرانی میں استعمال کیے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ بڑے اصرار کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی حکومت کے سیاسی ڈھانچے کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی اس کی روحانی اور اخلاقی بنیاد کی یعنی دوسرے لفظوں میں ایک جمہوری طور پر منتخب حکومت بھی مطلق العنان اور جابر ہو سکتی ہے جب کہ ایک آمر مہربان بھی ہو سکتا ہے۔ اسلامی حکومت کی ہیئت کے بارے میں اختلاف رائے کی نشان دہی نیز ان مسائل کے حل اور اتفاق رائے کے لیے فوری کوششوں کی سخت ضرورت ہے۔

۱۲۷۔ مسیحی حکومت کا تجربہ:

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ماضی میں عیسائیوں نے مذہبی طرز ہائے حکومت کو آزمایا ہے۔ قرون وسطیٰ میں یورپ میں رومن کیتھولک چرچ سب سے اہم اور طاقت ور ادارہ ہوا کرتا تھا۔ مذہبی معاملات میں چرچ عوام کی زندگیوں پر پوری طرح چھایا ہوا تھا۔ غیر مذہبی معاملات میں بھی اس نے متعدد ایسے امور انجام دیے جو عہد وسطیٰ کی کمزور حکومتیں انجام نہیں دے سکتی تھیں۔ چرچ کے مذہبی اختیارات میں مندرجہ ذیل امور کی انجام دہی شامل تھی۔

(الف) پیدائش سے وفات تک روایتی مذہبی خدمات کا انتظام۔

(ب) چرچ کے مسلمہ عقائد سے مختلف نظریات رکھنے والے بدعتی افراد سے نمٹنے کے لیے مذہبی عدالتوں کا اہتمام (مقدس عدالتی تحقیقات)۔

(ج) چرچ کے عقائد کی سنگین خلاف ورزی کے مرتکب افراد کا اخراج (کلیسائی حقوق سے محرومی) اور انھیں معاشرے سے خارج کر کے ابدی لعنت اور پھٹکار کا مستحق قرار دینا۔

چرچ کے اقتصادی اختیارات میں حسب ذیل امور شامل تھے۔

Marfat.com

(الف) فصلوں اور دیگر پیداوار کی مالیت کے دس فیصد مساوی خصوصی ٹیکس عائد کرنا۔

(ب) اسکولوں، یتیم خانوں، اسپتالوں اور محتاج خانوں کی تعمیر اور ان کا انتظام کرنا۔

(ج) چرچ کی ملکیتی اراضی پر راہبوں کا کاشت کرنا اور عوام کو زراعت کے بہترین طریقوں پر عمل کے مشورے فراہم کرنا۔

(د) عیسائیوں کو قرضوں پر سود (ربا) لینے سے باز رکھنا۔

چرچ کے ثقافتی اختیارات میں درج ذیل معاملات شامل تھے:

(الف) چرچ اسکولوں کے ذریعے تحصیل علم کی حوصلہ افزائی کرنا۔ راہب معاشرے کے بہترین تعلیم یافتہ لوگ ہوا کرتے تھے۔

(ب) لٹریچر شائع کرنا جس کے نتیجے میں مذہبی موضوعات پر کثیر تعداد میں کتابیں شائع ہوئیں۔

(ج) فن تعمیر اور فنکارانہ منصوبوں پر عملدرآمد جن میں گرجا گھروں اور کلیساؤں سے ملحق عمارتوں کی تعمیر اور ان کی سجاوٹ کا کام بھی شامل تھا۔

چرچ کے سیاسی اختیارات میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے:

(الف) عطیات کے ذریعے حاصل کی گئی وسیع وعریض زمینوں پر مذہبی اور سول کنٹرول۔

(ب) عدالتوں کا اپنا نظام جس میں شادی بیاہ، وصیت، اہل کلیسا، یتیموں اور بیواؤں سے متعلق مقدمات چلائے جاتے تھے۔

(ج) بدھ کی شام سے پیر کی صبح تک التوائے جنگ کے اعلان کے ذریعے جنگ وجدل پر پابندی۔

(د) یہ دعویٰ کرنا کہ چرچ کے اختیارات کو سول حکمرانوں کے اختیارات پر سبقت اور برتری حاصل ہے۔ اس دعوے کو بہت سے حکمرانوں نے چیلنج کیا جس کے نتیجے میں متعدد جنگیں بھی ہوئیں۔ ان جنگوں میں عام طور پر چرچ اور پاپائیت ہی فتح یاب ہوئے جس سے ان کی پوزیشن اور بھی مضبوط ہو گئی۔

تحریک اصلاح (ریفارمیشن) رومن کیتھولک چرچ کی بعض تعلیمات اور پوپ کے ناروا

Marfat.com

اختیارات کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ اس سے یورپ میں مذہبی اختلاف کی ابتدا ہوئی۔ مارٹن لوتھر (۱۵۴۶۔ ۱۴۸۳)، جان کیلون (۶۴۔ ۱۵۰۹) اور جان ناکس (۷۲۔ ۱۵۰۵ء) کے دور میں جن مصلحین کی تحریکیں بام عروج پر پہنچیں وہ سب ایک طویل عرصے سے تبدیلیوں کے لیے کوشاں تھے۔ روم کے اختیارات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے والے ان افراد کو (جو پروٹیسٹینٹس کے طور پر معروف ہیں) مختلف ذاتی اور اقتصادی وجوہ کی بنا پر سلاطین، مثلاً انگلینڈ کے بادشاہ ہنری ہشتم، سے بڑی مدد ملی۔

تحریک اصلاح (ریفارمیشن) نے یورپ میں مذہبی اتفاق واتحاد کا خاتمہ کر دیا اور مذہبی جنگ وجدل کا سبب بنی جن میں اسپین سے آزادی کے لیے ولندیزیوں کی جنگ، اسپین کے خلاف انگریزوں کی بحری جنگ اور جرمنی اور فرانس میں ہونے والی خانہ جنگیاں شامل ہیں۔

۱۶۴۸ء میں معاہدہ ویسٹ فیلیا کے تحت پروٹیسٹینٹ فرقوں کو اور سوئڈن، ہالینڈ اور سوئزرلینڈ میں ان کی حکومتوں کو تسلیم کر لیا گیا۔ آخر کار اس نے مذہبی جنگوں کا خاتمہ کیا، مذہبی رواداری میں اضافہ کیا، عام لوگوں میں انجیل کے مطالعے سمیت تعلیم کی حوصلہ افزائی کی اور سول اختیارات کو مضبوط کیا۔ ایک بار جب عوام انتہائی طاقتور رومن کیتھولک چرچ کی حکمرانی کو چیلنج کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ان کے لیے مطلق العنان فرماں رواؤں کو چیلنج کرنے کے بارے میں سوچنا بھی آسان ہو گیا۔

اصلاح اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مذہبی رواداری جمہوری نظریے کے فروغ میں ایک بہت اہم قدم ثابت ہوئی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ رومن کیتھولکس نے مذہب اور حکومت کو مجتمع کرنے کی کوشش کی۔ تاہم بیتی صدیوں میں روحانی اتحاد پر قوم پرستی غالب آ گئی۔ وہ بتدریج مذہبی تنوع کی طرف بڑھتے رہے ہیں جب کہ قوم پرستی کی بنیاد اصل میں جغرافیائی حدود پر رکھی گئی ہے۔ اس مذہبی بوقلمونی کا تحفظ یقینی بنانے کی غرض سے، جس میں چندر در چند اضافہ ہوا ہے، بالآخر آئینی طور پر چرچ اور حکومت کو علاحدہ کر دیا گیا۔

آج مغربی حکومتوں کے زیادہ تر رہنما کیتھولک چرچ اور پروٹیسٹینٹ چرچ دونوں کا احترام

Marfat.com

کرتے ہیں اور مذہبی مفادات کو شاذ و نادر ہی نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تاہم عیسائی بڑی شدت سے یہ گلہ کرتے ہیں کہ آج حکومت کی جو لادینی خاصیت ہے بانیان تحریک کا یہ منشا ہر گز نہ تھا۔ وہ اس کے لیے سیکولر انسان شناس تحریک کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں کہ اس نے تعلیمی اداروں پر کنٹرول قائم کر لیا اور خود اپنے مذہب کے طور پر دہریت کی تلقین کی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ پبلک اسکولوں سے دعا ختم کرنے کا نتیجہ نظام تعلیم کے انحطاط اور سماجی اداروں کی تباہی کی شکل میں بر آمد ہوا ہے۔ جرائم اور منشیات کے استعمال کی شرح میں بے تحاشہ اضافوں پر اور اقدار سے بحیثیت مجموعی غفلت برتنے پر نوحہ کناں ہیں۔ وہ چرچ اور ریاست کی علاحدگی کے من مانے اقدام اور روحانیت سے تعلق اور لگاؤ میں کمی کو اس کا بنیادی سبب قرار دیتے ہیں۔ امریکہ میں نومبر ۱۹۹۴ء کے انتخابات نے ان عوامی جذبات کو درست ثابت کر دیا۔

نو آبادیاتی طرز ہائے حکومت کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے بہت سے انسان کسی قسم کا اطمینان بخش متبادل راستہ تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ وہ مغرب کی نقالی کرنا چاہتے ہیں جب کہ مغرب خود اپنے زوال پذیر معاشرتی نظام کو لاحق مسائل کا حل ڈھونڈ رہا ہے۔

دوسرے لوگ اب تک حکومت اور مذہب کا وہی امتزاج دیکھنا چاہتے ہیں جس پر رسول اللہ ﷺ عمل پیرا تھے۔

ج۔ وطن میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں:

۱۲۸۔ بدعنوان پولس اور کمزور عدلیہ:

مطلق العنان حکومتوں پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا الزام اکثر لگتا رہتا ہے۔ دنیا بھر میں دور آمریت میں لوگوں کو کسی الزام کے بغیر جیلوں میں ڈالنا، طویل عرصے تک قید رکھنا اور اذیتیں دینا ایک معمول بن چکا ہے۔ تھانوں کے قریب رہنے والے لوگوں کو اکثر زیر حراست افراد کی چیخیں سنائی دیتی ہیں جن پر تشدد ہو رہا ہوتا ہے۔ بے رحمی سے پٹائی کرنا، ناخن اکھاڑنا، جاڑوں میں برف کی سلوں پر برہنہ لٹانا، الٹا لٹکانا، جسم کے نازک حصوں پر بجلی کے جھٹکے دینا معمول کی پولس تفتیش کا حصہ ہیں۔ سیاسی مخالفین اور عام شہریوں پر مظالم چاہے

Marfat.com

لاطینی امریکہ میں کیے جائیں، مشرق بعید یا مشرقی یورپ میں یہ بہر حال لائق ملامت ہیں۔
ایسے تمام ممالک، جن میں اسلامی نام والے حکمرانوں کے ملک بھی شامل ہیں، عام شہریوں کے لیے قانون کی حکمرانی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ طاقت ور افراد بے رحمانہ قوت سے اپنی خواہشات پوری کرتے ہیں۔ متاثرہ شخص داد رسی کے لیے بدعنوان پولس اور وکلا حتیٰ کہ بعض اوقات ججوں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ اسے مقدمے کی "سماعت" شروع کرانے کے لیے پولس، وکلا اور بعض اوقات ججوں تک کو پیسہ کھلانا پڑتا ہے۔ آخر کار مضبوط تر فریق زیادہ پیسے اور طاقت کے بل پر مقدمے کی کارروائی میں رکاوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ "لڑو یا منھ بند رکھو" بنیادی اصول ہے۔ حکومت کے اندر اور عوام الناس میں بھی عام طور پر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ:

(الف) مسلم عوام "برے" ہیں اور ان کو دھمکیوں اور طاقت کے بے محابہ استعمال کے بغیر قابو میں نہیں رکھا جا سکتا۔

(ب) کسی مسلم ملک میں قانون کی حکمرانی نہیں چل سکے گی۔

۱۲۹۔ انسانی حقوق کے تحفظ کی ضرورت:

جون ۱۹۹۳ء میں اقوام متحدہ کانفرنس کے موقع پر مسلم رہنماؤں سمیت کچھ لوگوں کا استدلال یہ تھا کہ "انسانی حقوق" ایک مغربی تصور بن کر رہ گیا ہے اور اس کا اطلاق بھی مغربی معیارات کے مطابق ہی کیا جاتا ہے حقیقی معنوں میں مختلف علاقوں، مذاہب اور ثقافتوں میں "انسانی حقوق" کی تشریح قطعی مختلف معیارات کے مطابق کی جاتی ہے۔ یہ استدلال اسی سامراجی، نو آبادیاتی سوچ کا عکاس ہے کہ "ان کا پیٹ بھر دیا جائے ان پر سختی رکھی جائے اور کبھی کبھار انھیں کچھ فائدہ پہنچا دیا جائے تو وہ خوش رہیں گے، یہی ان کی فطرت ہے اور یہی ثقافت"۔

جیسا کہ ایشیائی اور مسلم بلاکوں کا کہنا ہے، معاشی ترقی بھی ایک بنیادی انسانی حق ہے۔ تاہم یہ حق:
(الف) ترقی پذیر ملکوں کی عمومی نااہلی اور وسائل کے ناجائز استعمال کا اور (ب) عالمی معیشت پر چند ترقی یافتہ ممالک کے کنٹرول کا پابند ہے۔ اسی طرح بحیثیت مجموعی معاشرے

Marfat.com

کے حقوق بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں لیکن انفرادی انسانی حقوق کی پامالی کو اقتصادی ترقی اور بحیثیت مجموعی معاشرے کے تحفظ سے مشروط نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن پاک میں مسلمانوں اور دیگر افراد کے لیے انسانی حقوق کا تعین کر دیا گیا ہے۔ مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں اس کی حقیقی صفات پر بہت کم اختلاف ہے۔ بنابریں انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کا اعلان بین الاقوامی طور پر قابل قبول ہے۔ اصولی طور سے انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کے منشور پر ہر جگہ عملدر آمد ہونا چاہیے۔

د۔ خارجی مسائل:

۱۳۰۔ مغرب میں مسلمانوں کا خوف:

بعض مغربی مورخین ابتدائی دور کے مسلمانوں پر غیر مسلموں کو تہہ تیغ کرنے اور تلوار کے زور پر اسلام پھیلانے کے الزامات لگاتے ہیں۔ مسلمانوں نے برابر اپنی تاریخ کا دفاع کیا ہے۔ حال میں کچھ مغربی ماہرین بھی مسلمانوں کے دفاع میں آگے آئے ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کی رواداری کے مسئلے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے برنارڈ لیوس نے اپنی کتاب "اسلام اور مغرب" میں لکھا ہے کہ:

> دوسری طرف ظلم و تعدی ہر چند کہ کوئی نامعلوم شے نہیں تھی مگر اس قسم کے واقعات مسلمانوں کی تاریخ میں بہت کم ملتے ہیں جن کا موازنہ قتل عام، مذہب کی جبری تبدیلی، آبادی کے اخراج اور بستیاں نذر آتش کرنے کے اُن واقعات سے کیا جاسکے جو لادینیت (سیکولرازم) کے زور پکڑنے سے پہلے عیسائی دنیا میں بہ کثرت ملتے ہیں۔ (۴)

کمیونزم کی شکست کے بعد عالمی برادری اب بھی قومیت، مذہب، نسل، اقتصادی حیثیت وغیرہ کی بنیاد پر بٹی ہوئی ہے۔ بہر حال عالمی طاقت بڑی حد تک امریکہ، مغربی یورپ، جاپان، روس اور چین کے ہاتھوں میں مرتکز ہے۔ کوئی بھی مسلم ملک اس معزز گروپ میں شامل نہیں ہے۔ بہر حال کچھ لوگوں کو یہ صورت حال نظر آرہی ہے کہ اگر مسلمان متحد ہو جائیں یا بامقصد تعاون پر ہی متفق ہو جائیں تو ان کے ایک بڑی قوت بننے کے وسیع امکانات ہیں۔

Marfat.com

بیشتر مسلم حکومتیں اپنا سیاسی اور اقتصادی وجود برقرار رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور اس جدوجہد میں ایک بحران سے نکل کر دوسرے بحران میں الجھ جاتی ہیں۔

بعض مسلمان اپنی محرومیوں اور مایوسیوں کے اظہار کے لیے اپنی ذاتی یا قومی حیثیت میں دستیاب تھوڑی بہت طاقت کو بھی تشدد کی کارروائیوں میں استعمال کرنے پر مائل نظر آتے ہیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ کے ذریعے تشدد کی ان ذاتی کارروائیوں کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے جیسے تمام مسلمان دنیا کے موجودہ استحکام کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ اس طرح اس بات کا خدشہ موجود ہے کہ مسلمانوں کو نئے عالمی نظام کے لیے ایک خطرہ بنا کر پیش کر دیا جائے۔ ماضی کی طرح اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ تمام قوتیں ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔

> ... اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو بڑے حوصلے کا کام ہے۔" (سورۃ: ۱۸۶:۳)

مسلمان اس قسم کی محاذ آرائی کے بہت کم متحمل ہو سکتے ہیں۔ مغرب کو یہ بتانا اور یقین دلانا اشد ضروری ہے کہ مسلمانوں سے ان کے خوف کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۱۳۱۔ صورت گری کا مسئلہ:

یوں تو مسلمانوں میں بڑی کمزوریاں ہیں لیکن غیر مسلموں میں انھیں کچھ زیادہ ہی منفی شکل میں پیش کیا گیا ہے جو قرین انصاف نہیں۔ مغربی پریس کی تصویر کشی کے مطابق ایک مسلمان کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ سفید عبا پہنتا ہے، اس کی رنگت سیاہی مائل ہوتی ہے اور آنکھوں سے وحشت ٹپکتی ہے۔ اس کے گھر کے نیچے تہہ خانے میں بم بنانے کی فیکٹری ہوتی ہے اور گھر کے اندر چار بیویاں ہوتی ہیں۔ وہ چالباز، ناقابل اعتبار اور بزدل ہوتا ہے۔ اگر کوئی عیسائی کوئی برا کام یا جرم کرے تو اس کا ذکر اس کے مذہب کے حوالے سے نہیں ہوتا جب کہ کسی مسلمان کے ہر برے کام کا تذکرہ مذہب کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ غیر مسلم دنیا مسلمانوں کے بارے میں غلط رائے قائم کرنے اور ان سے خوف کھانے میں دیر نہیں لگاتی

Marfat.com

حالانکہ اسلام کا مطلب ہے امن اور نہ تو اسلام میں انتہا پسندی کا چلن عام ہے اور نہ اسے پسند ہی کیا جاتا ہے۔ امریکہ میں متعدد اقلیتیں اس انداز کے منفی پروپیگنڈے کا شکار ہیں، امریکہ کے کالے لوگوں، جاپانیوں، ہندوؤں وغیرہ کے بارے میں روایتی طور پر کچھ غلط رائے قائم کرلی گئی ہے جس کا سبب ان کے بارے میں ناواقفیت اور بے خبری ہے جب کہ مسلمانوں کو بہت بڑی، بہت منظم اور بھاری سرمایہ رکھنے والی تنظیموں (لابی) کی مخالفت کا بھی مسئلہ درپیش ہے۔ جن ملکوں کا کسی نہ کسی مسلم گروپ سے کوئی جھگڑا ہے (مثلاً بھارت، اسرائیل، سرب وغیرہ) وہ اسلام کے بارے میں منفی رائے کو تقویت پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اسرائیل کے دوست، امریکہ سے وسیع پیمانے پر اسرائیل کی مالی اور فوجی امداد کی فراہمی کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے مسلمانوں، بالخصوص عربوں کو مغربی تہذیب اور امریکہ کے دشمن کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اسرائیل کو پہلی دفاعی لائن قرار دیتے ہیں۔ یہ گروپ سیاسی طور پر کئی عشروں سے سرگرم عمل ہیں۔ امریکہ میں آباد مسلمانوں نے ابھی حال ہی میں اس صورت حال کا مقابلہ کرنے اور اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ امریکن۔ عرب اینٹی ڈس کری مینیشن کمیٹی (اے ڈی سی) اور امریکن مسلم کونسل (اے ایم سی) جیسی تنظیموں کا فی الوقت اسرائیل نواز گروپوں سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔

۱۹۹۰ء کی دہائی میں جب مغرب اپنی انصاف پسندی پر بڑا ناز کر رہا ہے تو مغربی پریس بحیثیت مجموعی مسلمانوں اور مذہب اسلام کے خلاف اتنی ہی زیادہ ناانصافی اور دھاندلی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

۱۳۲۔ دجال اور ذرائع ابلاغ:

خیال رہے کہ حدیث میں "دجال" کے ظہور کا تذکرہ قرب قیامت کی علامت کے طور پر کیا گیا ہے۔ احمد تھامپسن نے اپنی کتاب دجال (بادشاہ جس کے تن پر کپڑے نہیں) میں دجال کو پہچاننے کے لیے چند نشانیاں بتائی ہیں۔ دجال کے تین رخ ہو سکتے ہیں، انفرادی، عالمگیر سماجی اور ثقافتی مظہر، اور ایک ان دیکھی طاقت۔ بعض احادیث کے مطابق دجال کانا ہے۔ اسے بیک وقت پوری دنیا میں سنا جاسکتا ہے۔ وہ آگ دکھائے گا مگر جلے گا نہیں۔ وہ پانی دکھائے گا

Marfat.com

جسے پیا نہیں جاسکتا۔(۴)

بعض لوگوں کے خیال میں ٹیلی ویژن دجال کی تعریف پر پورا اترتا ہے جب کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے بطور ایک گروپ پورا ذرائع ابلاغ مراد ہے۔ کوئی اس خیال سے اتفاق کرے یا نہ کرے کہ دجال سے مراد مغربی ذرائع ابلاغ ہیں، زیادہ تر مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ ان کے لیے توازن قائم کرنے یا اپنے مخالفین کے اثرات کا توڑ کرنے کے لیے خود اپنے ذرائع ابلاغ کو ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کی سربراہی میں ایک گروپ کی جانب سے یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل کی خریداری کی شکل میں شاید اس کی شروعات ہو چکی ہے۔ اس بات کا تو امکان نہیں ہے کہ مسلمان جلد ہی نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ اخبارات، بی بی سی ریڈیو، یا سی این این ٹیلی ویژن جیسے ادارے قائم کر سکیں مگر انھوں نے ان اداروں پر اثر انداز ہونے کے لیے کام شروع بھی کر دیا ہے۔ اسلامی مسائل کے بارے میں ان اداروں کی خبروں کا انداز بدل رہا ہے اور مکمل بے حسی کی جگہ وقتاً فوقتاً اسلام کی اثر پذیری کی علامتیں بھی نظر آنے لگی ہیں۔

۱۳۴۔ عرب اسرائیل تنازعہ کے اثرات:

عرب، اسرائیلی جھگڑا، جس کی جڑ فلسطین کی تقسیم ہے، تمام مسلمانوں کو مہنگا پڑا ہے۔ دنیا بھر کے یہودیوں نے اسرائیل کے دفاع کا تہیہ کر رکھا ہے۔ پہلے پہل تو ان کے سامنے صرف یہی مسئلہ تھا کہ اسے اس قدر مضبوط بنا دیا جائے کہ وہ اقوام متحدہ کے دیے ہوئے علاقے کا دفاع کر سکے اور پڑوسی عربوں کے ممکنہ حملوں سے بچاؤ کر سکے۔ ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی جنگوں میں فتوحات نے اسرائیل کو اتنا مضبوط بنا دیا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے اصل علاقوں کا دفاع کر سکتا ہے بلکہ اردن، شام اور لبنان کے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ بھی برقرار رکھ سکتا ہے۔ اسرائیل نے مفتوحہ علاقوں کا مصر کے ساتھ تبادلہ کر کے اپنے سب سے بڑے ممکنہ عرب حریف کو بڑے موثر انداز میں الگ تھلگ کر دیا ہے۔

ایران۔ عراق طویل جنگ نے دونوں مسلم ملکوں کو نڈھال کر دیا ہے اور ان کے جمع شدہ نقد ذخائر تحلیل ہو چکے ہیں۔ بعد ازاں امریکہ کی قیادت میں اتحادی افواج کے ہاتھوں عراق کی

Marfat.com

شکست نے اسرائیل کے ایک اور مخالف کو بڑے موثر طور پر تباہ کر ڈالا اور اسرائیل کو جدید ترین امریکی ہتھیار اور ساز و سامان کے بھاری ذخائر مل گئے۔ ایک ایک کر کے عرب ممالک اس قدر کمزور ہو چکے ہیں کہ اسرائیل مشرق وسطیٰ کا مالک بن گیا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے لبنان میں گھس آتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو یہی سلوک وہ کسی بھی عرب ملک کے ساتھ کر سکتا ہے۔

اسرائیل نے اب اپنا دائرہ غیر عرب مسلم ممالک تک وسیع کر لیا ہے۔ امریکہ میں اسرائیل کے حامیوں کی کوششوں سے وہ ایران کو مغربی تہذیب کا دشمن نمبر ایک ظاہر کر چکا ہے۔ اسرائیل نے فنی اور فوجی مشوروں کے ذریعے کشمیری عوام کو کچلنے میں بھارت کی مدد کی ہے۔

ہ۔ کیا کمزوریاں صرف مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص ہیں؟

کیا مسلمان اپنے بارے میں کچھ زیادہ ہی درشتی اور سخت گیری سے کام نہیں لے رہے؟ بہت سے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں اور برادریوں کے ارکان میں بھی ایسی ہی روحانی معاشی، سیاسی اور فوجی کمزوریاں موجود ہیں۔ کم فی کس آمدنی، وسائل کی ناقص تقسیم، حد سے زیادہ بیروزگاری اور غیر ملکی امداد پر انحصار کے اقتصادی مسائل تو سارے ہی "کم ترقی یافتہ" ملکوں میں عام ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اس ہمدردانہ زاویہ نظر سے مسلمانوں کے مسائل تو حل نہیں ہو سکتے۔ نئے عالمی نظام کے لیے جس پر سیکولر قوموں کا غلبہ ہے، مسلمانوں کو خطرہ تصور کیا جاتا ہے۔ جنھوں نے دین اور ریاست کی علاحدگی تسلیم نہیں کی ہے۔ مسلمانوں میں ابھرنے کے بے پناہ امکانات کو دہشت سمجھا جاتا ہے۔

نئے عالمی نظام میں مسلمان بکھرے ہوئے لوگ نظر آتے ہیں جن میں منظم قیادت کی کمی ہے اور جو متعدد جھگڑوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ وسیع البنیاد غربت کا شکار ہیں اور آسانی سے جوڑ توڑ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے مذہبی رہنما بھی بڑے ناقص تعلیم یافتہ ہیں وہ ایسے حکمرانوں کی رعیت ہیں جن کا راج جبر، انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور ذرائع ابلاغ پر

Marfat.com

کنٹرول سے عبارت ہے اور جنھوں نے عورتوں کا کردار دوسرے درجے تک محدود کر دیا ہے۔ وہ اسلام پر یا تو کامل یقین کے بغیر عمل کرتے ہیں یا متعصبانہ اور متشددانہ طور پر۔ اس کے علاوہ مغرب کی نظروں میں ان کی وضع قطع نرالی ہے (حالانکہ بعض اعتبار سے تقلید پسند یہودیوں کا حلیہ بھی ایسا ہی ہے)۔ اس طرح مسلمانوں کا جو ایک خیالی ہیولہ بنادیا گیا ہے وہ ان کے لیے ایک مسئلہ ہے۔

حواشی

(۱) عبدالفتح میمن، "پاکستان میں اعلیٰ ایگزیکٹو کا تحفظ"۔ (انگریزی)۔

(۲) پرمودیا اناتا توئر، "THIS EARTH OF MANKIND" نیویارک، ایوان، ۱۹۷۵ء۔

(۳) برنارڈ لوئیس: اسلام اور مغرب (Islam and the West) آکسفرڈ: آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۳ء صفحہ ۱۸۲)۔

(۴) احمد تھامپسن، " دجال: بادشاہ جس کے تن پر کپڑے نہیں" (The King who has no Clothes) لندن: طٰہٰ پبلشرز، ۱۹۸۶ء صفحہ ۲۔

Marfat.com

باب ۸

غیر مسلموں سے تعلقات

"مگر سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سر گرم رہتے ہیں۔ یہ صالح لوگ ہیں اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی۔ اللہ پرہیزگار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔" (سورۃ ۳: ۱۱۳: ۱۱۵)

۱۳۴۔ موحدانہ مذاہب:

جتنے بھی موحدانہ مذاہب نازل ہوئے اسلام ان میں آخری بڑا مذہب ہے۔ مسلمان یہودیت اور عیسائیت کے جواز کے قائل ہیں مگر ان کا ایمان ہے کہ اللہ نے اپنی آخری الہامی کتاب قرآن کے ذریعے اپنے دین کی تکمیل کر دی ہے۔ اس کے برعکس توریت اور انجیل میں رسول اللہ ﷺ کے حوالوں کے باوجود یہودی اور عیسائی تاریخی طور پر اسلام کے مخالف رہے ہیں۔ بعض مستشرقین تو ابھی تک اسلام کی حقانیت کے بارے میں شک کا اظہار کرتے ہیں۔ بنا بریں تینوں مذاہب کے ماننے والوں کے مابین تعلقات کشیدہ چلے آرہے ہیں۔ دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں بالخصوص ہندوؤں اور بہائیوں کے ساتھ بھی اختلاف ہے۔

Marfat.com

کئی اعتبار سے یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ اسلام اور مغرب کے درمیان غلط فہمیوں کا سلسلہ برقرار ہے کیوں کہ ہماری ان دو دنیاؤں کو باہم ملانے والے عوامل ہمیں تقسیم کرنے والے عوامل سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں۔ مسلمان، عیسائی اور یہودی سب ہی اہل کتاب ہیں۔ اسلام اور عیسائیت میں وحدانیت کا تصور مشترک ہے۔ اس کے علاوہ خدائے واحد پر ایمان اپنی دنیاوی زندگی کی ناپائیداری، اپنے اعمال پر سزا و جزا، اور آخرت کی زندگی پر یہ دونوں ایک جیسا یقین رکھتے ہیں۔ ہماری بہت سی اہم اقدار بھی مشترک ہیں جن میں علم اور عدل و انصاف کا احترام، ناداروں اور حاجت مندوں سے حسن سلوک، خاندانی زندگی کی اہمیت اور والدین کا احترام شامل ہیں۔ ''عزت کرو اپنے باپ کی اور اپنی ماں کی'' قرآن کا حکم بھی یہی ہے۔ (۱)

۱۳۵۔ مذاہب کی مشترکہ خصوصیات:

جیسا کہ ''دنیا کے مذاہب'' (Religions of the World) میں بیان کیا گیا ہے، تقریباً تمام ہی مذاہب میں مشترکہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

(الف) مافوق الفطرت یا کسی اور قطعیت کی حامل ایسی قوت پر یقین رکھنا جو عام انسانی وجود اور تجربے سے ماورا ہونے کے باوجود بنیادی حقیقت ہو۔

(ب) پاک اور ناپاک اشیا، موقع اور محل کے درمیان تھوڑا بہت امتیاز کرنا۔

(ج) مقدس اشیاء کے گرد مذہبی رسوم کی حوصلہ افزائی یا اہتمام کرنا۔

(د) ضابطہ اخلاق یا اخلاقی اصولوں اور اقوال کو فروغ دینا۔

(ہ) غیبی طاقت کے بارے میں خوف اور کشش کا انوکھا امتزاج کرنا۔

(و) عبادت اور خدا سے ربط و تعلق کی حوصلہ افزائی کرنا۔

(ز) دنیاوی حالات و واقعات کی منظر کشی اور اس میں فرد کے مقام کا تعین کرنا۔

(ح) زندگی کو کم و بیش مکمل نظم و ضبط کا پابند بنانے کا اہتمام کرنا جو اکثر ذاتی وابستگی اور ایثار سے مشروط ہو۔

Marfat.com

(ط) باطنی ہم آہنگی یا نفسیاتی امن اور فلاح کا وعدہ کرنا۔

(ی) ایک عہد نو کا درس دینا اور حیات بعد از ممات کا یقین دلانا۔

(ک) اپنے عقائد کے پرچار کی حوصلہ افزائی کرنا۔ (۲)

اگست ۱۹۹۳ء میں شکاگو میں منعقد ہونے والی مذاہب عالم کی پارلیمنٹ نے عالمی اخلاقیات کے اعلان میں تمام مذاہب کی متعدد مشترکہ خصوصیات کو تسلیم کیا۔ مذہبی رہنماؤں نے تشدد، عدم مساوات، عدم رواداری اور معاشی ناانصافی کی مذمت کی۔ انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ کسی مذہب کو کسی اور مذہب کے ماننے والوں سے نفرت، امتیازی سلوک کرنے یا اس پر قدغن لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

انھوں نے تمام انسانوں، مردوں اور عورتوں دونوں، سے مساوی سلوک کرنے اور تمام تنازعات کے پرامن تصفیہ کی سفارش کی۔

"کتابی مذاہب" یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں بہت سے عقائد مشترک ہیں جن میں ان کے ضابطہ اخلاق، اخلاقی اصول اور احکام ضمیر فی الواقع ایک ہی جیسے ہیں۔ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ ان اخلاقی اصولوں پر اوسط درجے کے کسی مسلمان کے مقابلے میں اوسط درجے کا ایک عیسائی زیادہ بہتر طریقے پر کاربند ہے۔ بہت سے مسلمان اپنے سابق نو آبادیاتی آقاؤں کو بڑے چاؤ سے یاد کرتے ہیں۔ وہ ان کی ذاتی ایمان داری اور عام آدمی کو انصاف کی فراہمی میں ان کے غیر جانبدرانہ رویے کی تعریف کرتے ہیں۔

اس کے برعکس دوسرے مسلمان ان پست رسوم و رواج کی نشان دہی کرتے ہیں جو مغربی حکومتوں نے اپنی نو آبادیوں میں متعارف کرائے۔ ان کا کہنا ہے کہ مغرب اخلاقی اور روحانی طور پر روبہ زوال ہے اور نیکی کی تاکید اور برائی سے جنگ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ وہ مغرب کے ان مذہبی رہنماؤں کا حوالہ دیتے ہیں جن کی اپنی رائے بھی یہی ہے کہ ان کا معاشرہ اخلاقی طور پر زوال پذیر ہے۔ مسلمان اکثر اپنے آپ کو انسانیت کا نجات دہندہ اور جدید کلچر کی بے مہار عیاشی اور بدکاری کے خلاف آخری حصار تصور کرتے ہیں۔

Marfat.com

۱۳۶ا۔ غیر مسلم عالمی طاقتوں کے مذاہب اور اوصاف:

مغربی طاقتوں کی غالب آبادی عیسائی ہے۔ امریکی، آسٹریلیوی، برطانوی، فرانسیسی، جرمن اور دیگر یورپی باشندوں کی وسیع اکثریت پیدائشی عیسائی ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے مذہب پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ تاہم اکثر عیسائی اپنے مذہب پر برائے نام ہی عمل کرتے ہیں اور چرچ بھی نہیں جاتے۔ اگرچہ چین، جاپان اور روس کے کچھ حصوں میں بھی عیسائیت کے ماننے والے ہیں مگر یہ عالمی طاقتیں عیسائی نہیں ہیں۔

۱۹۹۲ء میں امریکہ میں ایک گیلپ پول سے پتہ چلا کہ پینتالیس فیصد پروٹیسٹینٹ اور اکیاون فیصد کیتھولک ہفتے میں ایک مرتبہ چرچ جاتے ہیں۔ تاہم ۱۹۹۳ء میں "جو پول ظاہر نہیں کرتے: چرچ میں حاضری کا قریبی جائزہ" کے عنوان سے ایک اور جائزہ رپورٹ میں بتایا گیا کہ کسی ایک مخصوص ہفتے میں صرف بیس فیصد پروٹیسٹینٹ اور اٹھائیس فیصد کے قریب کیتھولک چرچ جاتے ہیں۔ ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی تعداد تو بڑی ہے مگر عیسائیت کے احکام سے وابستگی اتنی گہری نہیں ہے۔

عملاً تمام غیر مسلم عالمی طاقتوں کی حکومتیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے سیکولر اور کسی بھی قسم کی مذہبی وابستگی سے الگ ہیں۔ یہ حکومتیں اور ان کے زیادہ تر شہری مذہبی آزادی کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں جب کہ متعلقہ پالیسی ساز فیصلے کرتے وقت چرچ کے مفادات کا لحاظ بھی رکھا جاتا ہے۔ تاہم چرچ کے قائدین اس بات سے بے حد نالاں ہیں کہ حکومت زندگی کے مختلف پہلوؤں کی مذہبی تشریحات کے بجائے سیکولر تشریحات کی حمایت کرتی ہے۔ مذہبی مسائل پر اختلافات میں برابر اضافہ ہوتا جارہا ہے جن میں ہم جنس پرستی، اسقاط، اسکول میں مناجات، ذرائع ابلاغ میں اخلاقیات حتی کہ چرچ اور ریاست کی علاحدگی جیسے مسائل شامل ہیں۔ مذہبی رہنما میدان سیاست میں داخل ہوگئے ہیں (مثلاً ۱۹۸۸ء میں امریکہ کی صدارتی مہم میں ریورنڈ پیٹ رابرٹسن اور جیری فال ویلز کی اخلاقی اکثریت) اور انھوں نے ۱۹۹۴ء کے انتخابات میں خاصی موثر قوت کا مظاہرہ کیا۔ نام نہاد "مذہبی حق" Religious Right کی طاقت اور اثر و رسوخ سے ریپبلکن پارٹی میں ڈرامائی تبدیلی کا خطرہ لاحق ہے۔

Marfat.com

وہائٹ ہاؤس کے ایک دعائیہ اجلاس میں صدر کلنٹن نے کہا کہ "سیکولر حکومت" سے مراد مذہب کی آزادی ہے نہ کہ مذہب سے آزادی۔ اگرچہ آئینی طور پر مغربی حکومتوں کی بنیاد مذہب پر نہیں ہے مگر ان کے بیشتر رہنما روایتی اعتقادات پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔ عیسائی کی حیثیت سے وہ یسوع مسیح کو خدا مانتے ہیں، عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کو الہامی مخطوطات سمجھتے ہیں، حیات بعد از ممات اور مسیحی ضابطہ اخلاق پر یقین رکھتے ہیں۔ دنیا کی دیگر تمام اقوام کی طرح عیسائیوں میں بھی اچھے لوگ ہیں جو انسانی حقوق کا احترام کرتے ہیں اور ان اخلاقی اصولوں پر عمل کرتے ہیں جو اسلام کے بتائے ہوئے اخلاقی اصولوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ مسلمان بہت سے اہل مغرب کے مثالی طرز عمل کا اعتراف کرتے ہیں اور ان میں پائی جانے والی خوبیوں کو مسلمان اسلامی اوصاف کے عین مطابق تسلیم کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ مغرب کی کامیابی کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات پر مسلمانوں سے بھی زیادہ اچھی طرح عمل پیرا ہیں۔

۷۔۱۳۷۔ غیر مسلموں سے تعلقات کے بارے میں اسلامی طرز فکر:

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے بارے میں اسلامی سوچ قرآن میں متعدد واضح ہدایات پر مبنی ہے۔ مثلاً اللہ نے مسلمانوں کو دوسروں سے رواداری کا حکم دیا ہے اور انھیں دوسرے مذاہب اور مظاہر عبادت کی توہین سے منع کیا ہے۔

> "اور (اے مسلمانو) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بناء پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔" (سورۃ:۶:۱۰۸)

مسلمانوں کا ایمان یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور اس نے ہر قوم کے لیے ایک رہنما بھیجا ہے۔

> "یہ لوگ جنھوں نے تمھاری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، کہتے ہیں کہ اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری؟۔ تم تو محض خبردار کر دینے والے ہو، اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔" (سورۃ:۱۳:۷)

Marfat.com

احادیث نبوی کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار سے دو لاکھ تک پیغمبر مبعوث ہوئے۔

"اے نبی ﷺ، تم سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو بتائے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے..."

(سورۃ: ۴۰:۷۸)

قرآن میں حضرت آدمؑ، نوحؑ، ہارونؑ، ہودؑ، صالحؑ، ابرہیمؑ، اسمٰعیلؑ، لوطؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، سلیمانؑ، الیاسؑ، ایوبؑ، یحییٰؑ، یونسؑ، ادریسؑ، عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا فضل الکریم اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

...... مسلمان یہ نہیں کہہ سکتے اور نہ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ کرشن، بدھ، زرتشت، کنفیوشس اور دنیا کی دیگر عظیم مذہبی شخصیات پیغمبر تھیں یا نہیں تھیں۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کی دیگر تمام مذہبی شخصیات پر ایمان مسلمانوں کے ایمان کا حصہ ہے۔(۳)

اللہ ہی ہے جس نے پیغمبروں حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کو پیدا کیا اور مبعوث فرمایا۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ پہلے آنے والے پیغمبروں نے گواہی دی کہ محمد ﷺ تشریف لائیں گے مگر اس حقیقت کو چھپا لیا گیا۔

"اے نبی ﷺ، اِن سے کہو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی ہمارا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں، تمھارے اعمال تمھارے لیے، اور ہم اللہ ہی کے لیے اپنی بندگی کو خالص کر چکے ہیں۔ یا پھر تمھارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوب سب کے سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا، جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپالے؟ تمھاری حرکات سے اللہ غافل تو نہیں ہے۔" (سورۃ: ۲:۱۳۹:۱۴۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں کہا گیا ہے:

Marfat.com

"اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل، میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔" مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو صریح دھوکا ہے۔" (سورۃ:۶۱:۶)

"اسی طرح ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جنھوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں، مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انھوں نے فراموش کر دیا۔ آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بغض و عناد کا بیج بو دیا، اور ضرور ایک وقت آئے گا جب اللہ انھیں بتائے گا کہ وہ دنیا میں کیا بناتے رہے ہیں۔" (سورۃ:۵:۱۴)

اے۔ یوسف علی کے مطابق عیسائی عہد نامے میں اس ہدایت کا حوالہ مل سکتا ہے جو حضرت عیسیٰؑ نے اپنے پیروکاروں کو کی تھی اور جس کے تحت انھوں نے احمد کو (جو محمد ﷺ کا دوسرا نام ہے) خوش آمدید کہنا قبول کیا تھا۔ (۴) اس کا اظہار سینٹ جان کی عیسوی بشارتوں میں ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کی جدید شکل میں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ (جان ۱۵:۲۶:۱۶:۷)۔ اسلام عیسائیوں کو شفقت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

"... اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔" (سورۃ:۵:۸۲)

"مگر سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں، نیکی کا حکم

Marfat.com

دیتے، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔ یہ صالح لوگ ہیں اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی۔ اللہ پرہیزگار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔" (سورۃ: ۳: ۱۱۳: ۱۱۵)

قرآن امن کو بڑی اولیت دیتا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ جب بھی ممکن ہو امن قائم کریں:

"زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا کو ہی پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ..." (سورۃ: ۷: ۵۶)

"...اس لیے کہ قتل اگرچہ برا ہے، مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے..." (سورۃ: ۲: ۱۹۱)

اگر ضروری ہو تو معاہدوں کے ذریعے امن کو باضابطہ بناؤ۔

"اور اے نبی ﷺ، اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو، یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔" (سورۃ: ۸: ۶۱)

"اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمھارے لیے اللہ کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمھاری تائید کی۔" (سورۃ: ۸: ۶۲)

"ان میں سے وہ لوگ جن کے ساتھ تو نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر موقع پر اس کو توڑتے ہیں اور ذرا خدا کا خوف نہیں کرتے۔ پس اگر یہ لوگ تمھیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد دوسرے جو لوگ ایسی روش اختیار کرنے والے ہوں اُن کے حواس، باختہ ہو جائیں۔" (سورۃ: ۸: ۵۶: ۵۷)

"اگر کبھی تمھیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو۔ یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔" (سورۃ: ۸: ۵۸)

Marfat.com

اگر امن اور معاہدے ٹوٹ جائیں اور جنگ کے سوا کوئی راستہ باقی نہ رہے تو جائز مقصد کے لیے اللہ کی مدد کا یقین دلایا گیا ہے۔

"اے نبی ﷺ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے۔ کیوں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں سکتے۔" (سورۃ: ۸: ۶۵)

کلیدی نکات یہ ہیں کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ:

(الف) جنگ کی تیاری میں صبر و تحمل اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں۔

(ب) اپنے دین کی سمجھ رکھتے ہوں، جنگ کا مقصد جائز ہو اور دنیا اور آخرت میں اجر کی توقع رکھتے ہوں۔

۱۳۸۔ اسلام کے بارے میں غیر مسلم طاقتوں کا رویہ:

(الف) مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تاریخی مخاصمت موجود ہے جس کے ڈانڈے صلیبی جنگوں بلکہ اس سے بھی پہلے چارلس مارٹل کے دور سے ملتے ہیں۔

(ب) مغربی ذرائع ابلاغ اور تاریخ کی کتابوں میں بالعموم مسلمانوں کی منفی صورت گری کی گئی ہے۔

(ج) واضح ثقافتی، لسانی اور نسلی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ مغربی عوام اور ان کے رہنما اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں شکوک و شبہات میں کیوں مبتلا ہیں۔ سیکولر حکومتیں اور معاشرے تو اس بات کو سمجھتے یا محسوس ہی نہیں کرتے کہ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے جن میں حکومت بھی شامل ہے۔ وہ لوگ اسلامی جمہوریاؤں کی نمائندگی کرنے والے باریش مذہبی رہنماؤں کے مقابلے میں سیکولر مسلم حکومتوں کے مغرب زدہ مسلم رہنماؤں کے ساتھ بڑے مطمئن رہتے ہیں۔ باریش مذہبی رہنماؤں کا تو حلیہ ہی ان کے لیے پریشان کن ہوتا ہے۔ انھیں سمجھنا اور ان سے معاملہ کرنا تو بہت دشوار نظر آتا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ اُن سے دور رہا جائے۔

Marfat.com

تاہم اب دلوں کی گرہیں کچھ کھلتی محسوس ہوتی ہیں۔ پوپ جان پال دوئم کے مطابق:

"کونسل نے چرچ سے یہ بھی کہا ہے کہ وہ "نبی ﷺ" کے پیروکاروں سے مذاکرات کرے اور چرچ نے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا ہے ہم فرمان Nostra Aetate میں پڑھتے ہیں کہ:

"اگر صدیوں کے عرصے میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں اختلاف رائے اور کچھ جھگڑے رہے اپنے بھی تب بھی یہ مقدس کونسل تمام لوگوں پر زور دیتی ہے کہ وہ ماضی کو بھول جائیں اور پوری انسانیت کی فلاح کے لیے سماجی انصاف، اخلاقی بہتری، امن اور آزادی کے لیے کام کریں۔ (Nostra Aetate-3.)" (۵)

۱۳۹۔ غیر مسلم طاقتوں کے ساتھ تعاون:

تقریباً سارے ہی مسلم ممالک نے مغربی طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات برقرار رکھے ہیں۔ ہر سابق نوآبادی میں اپنے نوآبادیاتی آقاؤں سے قریبی تعلق اور وابستگی برقرار رکھنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان، ایران اور ترکی نے امریکہ کے ساتھ سیٹو اور سینٹو کے تحت دفاعی معاہدے بھی کیے تھے۔ حتیٰ کہ ایک زمانے میں عراق بھی سینٹو کا رکن تھا۔ پاکستان نے امریکہ سے دوستی کی مگر اس نے ۱۹۶۵ء کی پاک۔ بھارت جنگ میں اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں تاہم پاکستان نے بیشتر معاملات میں امریکہ کا ساتھ دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔

جنگ خلیج اور صومالیہ میں اقوام متحدہ کی کارروائی اس تعاون کی دو تازہ ترین مثالیں ہیں۔ افغانستان کی جنگ میں بھی امریکہ اور تقریباً تمام مسلم ممالک کے درمیان قریبی اشتراک عمل دیکھنے میں آیا۔ خلیجی ریاستیں امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کے ساتھ مسلسل گہرے تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں۔ کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے اور اسرائیل کے ساتھ معاہدے کے بعد مصر پوری طرح امریکی کیمپ میں چلا گیا ہے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا نے گزشتہ پچیس سال سے مغرب کے ساتھ قریبی دوستانہ تعلقات استوار کر رکھے ہیں۔ تمام مسلم

Marfat.com

ممالک میں ترکی مغرب کا قریب ترین اتحادی ہے۔ وہ ناٹو میں شامل ہے اور یورپی اقتصادی برادری کا ایسوسی ایٹ ممبر ہے۔ ان تعلقات کی روشنی میں جو خاصے طویل بھی ہیں اور نسبتاً خوشگوار بھی، جب مسلم رہنما مغرب کا مسلم دشمن رویہ دیکھتے ہیں تو انھیں سخت حیرت ہوتی ہے۔ ایران کے انقلاب، کویت پر عراقی حملے اور سوویت یونین کی شکست وریخت کے نتیجے میں ابھرنے والے مسلم ممالک کی وجہ سے تعلقات کی نوعیت تبدیل ہو گئی ہے۔

ترقی پذیر ممالک اور بالخصوص مسلمان، عالمی طاقتوں سے محاذ آرائی کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچتے۔ تاہم مغرب کے بارے میں مسلمانوں کی آخری رائے یہی ہے کہ وہ "دجال" ہے جس کے بارے میں حدیث ہے کہ وہ قیامت سے پہلے نمودار ہو گا۔ طاقت کے موجودہ ڈھانچے اور مغرب کے ساتھ مشترکہ ورثے اور اقدار کے پیش نظر مسلم رہنما اس قسم کی محاذ آرائی کے خلاف ہیں۔ اس طرح اسلامی عقیدے اور طرز زندگی کے بارے میں شعور اور احترام میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کتاب کے بقیہ بیشتر حصے میں مغرب کے ساتھ بقائے باہمی کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔

۱۴۰۔ دیگر مذاہب کے پیروکاروں سے تعلقات کی بہتری:

ایک طرف مسلمانوں اور دوسری طرف یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے درمیان بالترتیب تاریخی "غلط فہمیاں" پائی جاتی ہیں۔ بداعتمادی تمام فریقوں میں پائی جاتی ہے جس سے مخصوص مفادات کے حامل گروپوں اور حکومتوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ مختلف مذاہب کے درمیان رابطے قائم کرنے اور انھیں ایک دوسرے کے قریب لانے کی فوری ضرورت ہے۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ عیسائیوں نے بڑی حد تک یہودیوں کو معاف کر دیا ہے جن پر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کا الزام عائد کرتے رہے ہیں۔ ویٹیکن نے اسرائیل کے ساتھ معمول کے تعلقات قائم کر لیے ہیں۔ امریکہ آج اسرائیل کا سب سے بڑا محافظ اور سرپرست ہے اور ان دونوں مذہبوں کے درمیان تعاون ہو رہا ہے۔ صبر و تحمل اور کوشش کے ذریعے اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان بھی تعاون میں اضافہ ممکن ہے۔ پوپ جان پال دوئم مسلمانوں کے ساتھ بہتر تعلقات پر برابر زور دیتے رہے ہیں۔ بوسنیا اور

Marfat.com

شیشان کے واقعات سے مغرب میں بھی بہت سے لوگوں کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیاں ہو رہی ہیں۔ امریکہ میں کلنٹن انتظامیہ بھی یہ ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ کوئی مذہبی عداوت نہیں ہے۔ مفاہمت کے عمل کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ہر متعلقہ فریق کا ذریعہ ابلاغ اس سلسلے میں مفید کردار ادا کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کو لازماً مغرب میں ذرائع ابلاغ کے ساتھ قریبی رابطہ رکھنا چاہیے۔

۱۴۱۔ مغرب کے اہم مفادات:

جاپان اور روس سمیت غیر مسلم ممالک میں کسی بھی ایسی مسلم طاقت سے لاحق خوف کا مشترکہ احساس پایا جاتا ہے جو مندرجہ ذیل حوالوں سے ناموافق اثرات مرتب کر سکتی ہو:

(الف) ایٹمی یا وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے دوسرے ہتھیار جو غیر مسلموں بالخصوص اسرائیل کو دھمکانے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہوں۔

(ب) انھیں توانائی کے وسائل کی فراہمی سے محروم کر دیے۔

(ج) ان کے دوست مسلم ممالک مثلاً (سعودی عرب اور کویت) کے لیے خطرے کا سبب بنے۔

ایران، عراق، لیبیا اور کسی حد تک سوڈان ایسے مسلم ممالک ہیں جنھیں اکثر و بیشتر مغرب کے کسی ایک یا ایک سے زائد مفادات کے لیے خطرہ قرار دیا جاتا ہے۔ بالخصوص ایران کے بارے میں قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ متعدد شعبوں میں مغرب کے اثر و رسوخ کو چیلنج کرنے پر تلا ہوا ہے اور حکومت سعودی عرب کی پالیسیوں کے خلاف اس کے مخالفانہ رویے کی مثال دی جاتی ہے۔

۱۴۲۔ مسلم ممالک میں غیر مسلموں کا تحفظ:

مسلم ممالک میں غیر مسلم اقلیتوں کے جان و مال کا تحفظ مسلم رہنماؤں کا مذہبی فریضہ ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں جب کہ سوڈان میں عیسائی اقلیت اور پاکستان میں ہندو اقلیت کو شکوہ ہے کہ مسلمان ان پر ظلم کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر صورت حال یہ ہے کہ مظالم ڈھانا سرکاری پالیسی نہیں بلکہ جوشیلے مذہبی گروپوں کی کارستانی ہے۔ تاہم ذرائع ابلاغ بلکہ متاثرین بھی غیر انسانی سلوک کے بارے میں سرکاری اور ذاتی

Marfat.com

اقدامات میں شاذ ونادر ہی امتیاز کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو ذاتی حیثیت میں اور حکومتوں کو سرکاری طور پر اقلیتوں کے تحفظ کے لیے موثر اقدامات ضرور کرنے چاہییں۔

۱۴۳۔ بنیاد پرستی بمقابلہ سیاسی مسائل:

حالیہ اسلامی تاریخ میں رونما ہونے والے بہت سے واقعات کو مغرب میں تشویش کی نظر سے دیکھا گیا ہے جن میں مصر میں ۱۹۲۸ء میں حسن البنا کے ہاتھوں اخوان المسلمون کی تشکیل، ۱۹۷۹ء میں ایران میں اسلامی جمہوریہ کے قیام کے لیے امام خمینی کی فاتحانہ واپسی، ۱۹۸۱ء میں مصر کے صدر سادات کا قتل، ۱۹۸۳ء میں لبنان میں امریکی اور فرانسیسی بیرکوں پر خودکش بموں کے حملے، ایران اور لبنان میں مغربی باشندوں کی بطور یرغمال گرفتاری، ۱۹۸۷ء میں مکہ مکرمہ میں ایرانی عازمین حج اور سعودی حکام کے درمیان تصادم، ۱۹۸۹ء میں ایران کی طرف سے سلمان رشدی کو واجب القتل قرار دینے کا فتویٰ ۱۹۸۹ء میں سوڈان میں ایک اسلامی حکومت کی تشکیل، ۱۹۸۹ء میں اردن کے انتخابات میں اسلامی جماعتوں کی کامیابی، ۱۹۹۰ء میں الجزائر میں مقامی اداروں کے انتخابات میں اور پھر ۱۹۹۱ء کے قومی انتخابات کے پہلے مرحلے میں ایک اسلامی جماعت کی کامیابی، ۱۹۹۲ء میں افغانستان میں مجاہدین کے ہاتھوں کمیونسٹ حکومت کی شکست اور ۱۹۹۳ء میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر نیویارک میں بم پھٹنے کے واقعات شامل ہیں۔

یہ تمام واقعات مختلف النوع مسائل اور مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے مختلف رد عمل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان واقعات کی وضاحت کرتے ہوئے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ تاہم مغربی عوام کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ یہ تمام واقعات اسلامی بنیاد پرستی کا شاخسانہ ہیں۔ ہر واقعے کے پس پشت مخصوص سیاسی، سفارتی، اور اقتصادی حالات کا کوئی لحاظ کیے بغیر انھیں بحیثیت مجموعی مغرب کے لیے خطرہ تصور کیا جاتا ہے۔

مخالفت پر کمربستہ مغربی ذرائع ابلاغ کو "اسلامی بنیاد پرستی" کے نام پر کمائی کا ایک قیمتی ذریعہ ہاتھ آ گیا ہے۔ یہ خبروں، ٹیلی ویژن اور فلمی ڈراموں اور سیاسی مباحث کے لیے ہمہ گیر کشش کا موضوع تو ہے ہی زرد صحافت کی تکنیک اور سنسنی خیز جاسوسی کہانیوں کو بھی یہ

Marfat.com

موضوع بڑا راس آتا ہے۔ مغربی عوام نے اس پر تشویش اور شکوک و شبہات کی شکل میں اپنے رد عمل کا اظہار کیا ہے کارخانوں اور دفتروں وغیرہ میں اسلامی وضع قطع اور لباس (ڈاڑھی، سر ڈھانکنے یا ساتر لباس) کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔

بہت سے مسلمانوں کی نظر میں بنیاد پرستی کا مطلب کم از کم اسلام کے بنیادی عقائد کا زبانی اقرار کرنا ہے۔ ایک اللہ پر ایمان، اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت سے محمد ﷺ کی حقانیت پر یقین، دن میں پانچ وقت نماز کی پابندی، زکوٰۃ، استطاعت ہونے کی صورت میں زندگی میں ایک بار حج اور روز قیامت پر یقین۔ با عمل مسلمانوں کے نزدیک بنیاد پرستی روزمرہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں اسلامی اقدار سے رجوع کا نام ہے جس میں مسلم برادری کے تمام ارکان کی خبر گیری اور خیر خواہی اور ضرورت مندوں کی مدد کرنا شامل ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مغربی اقدار اور رسوم ورواج کو مسترد کر دینے کا بھی ایک نام ہے۔ عام طور پر بنیاد پرست اس مثال پر عمل کرنا چاہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے زندگی بسر کرنے اور اپنے خالق کی بندگی کے طریقوں پر عمل کے ذریعے قائم کی تھی۔

حواشی

(۱) آکسفورڈ یونی ورسٹی انگلینڈ میں ولی عہد برطانیہ کا لیکچر مورخہ ۲۷ راکتوبر ۱۹۹۳ء۔

(۲) نیلس سی نیلسن جونیر اور دیگر۔ Religions of the World نیویارک: سینٹ مارٹنس پریس، ۱۹۸۸ء، صفحہ۔ ۳ تا ۱۰۔

(۳) مولانا فضل الکریم، الحدیث مشکاۃ المصابیح۔ ڈھاکہ: الیف۔ کے۔ مشن، ۱۹۷۱ء۔ صفحہ ۲۰۰۔

(۴) قرآن پاک، ترجمہ: عبداللہ یوسف علی (برنیٹ ووڈ، ایم ڈی: امانہ کارپوریشن: ۱۹۸۹ء، صفحہ۔ ۲۵۰ حاشیہ ۷۱۵)۔

(۵) پوپ جان پول دوم، کراسنگ دی تھری شولڈ آف ہوپ صفحہ۔ ۹۳

Marfat.com

باب ۹

نقطہ ہائے نظر کا ارتکاز

مسلمان اور مغرب ہر وقت برسر پیکار نہیں رہتے۔ ان میں متعدد مسائل پر اتفاق رائے بھی پایا جاتا ہے۔ اس باب کا مقصد ان نکات کی نشان دہی کرنا ہے جن پر اتفاق پایا جاتا ہے اور یہ کہ انھیں کس طرح تقویت پہنچائی جا سکتی ہے۔ اسی باب میں (الف) مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے مشترکہ ورثوں (ب) برصغیر ہند کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مشترکہ تاریخ اور ثقافت اور (ج) تمام اقلیتوں کے مشترکہ مفادات کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔

(الف) مغرب کے ساتھ نقطہ ہائے نظر کا ارتکاز:

۱۴۴۔ مغرب کی جانب سے اقدامات کی حمایت:

نظری طور پر مغربی طاقتیں مسلم اکثریتی ممالک میں اُن حکومتوں سے کم خطرہ محسوس کرتی ہیں جو منجملہ اور باتوں کے سرمایہ دارانہ زاویہ نگاہ رکھتی ہیں، نجکاری کی حامی ہیں، گردوپیش کے مسائل کے بارے میں حساس ہیں، انسداد منشیات کے لیے کوشاں ہیں، اور نظم و نسق بالخصوص انسانی حقوق کے حوالے سے معاملات کو بہتر بنانے کی خواہاں ہیں۔

Marfat.com

مندرجہ ذیل فلسفے اور بنیادی مقاصد کے حامل ملکوں کو مغرب کی سفارتی حمایت حاصل ہے:

(الف) جو قومی، صوبائی اور مقامی حکومت کی سطح پر مسلسل جمہوریت پر عمل کر رہے ہیں۔

(ب) نچلی سطح تک شہریوں کو اختیارات اور ذمہ داریاں سونپ کر عدم مرکزیت پر عملدرآمد کر رہے ہیں۔

(ج) قومی توانائیوں اور توجہ کو اقتصادی ترقی پر مرکوز کر کے اپنی معیشت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دے رہے ہیں۔

(د) نجی شعبہ کو معیشت میں نمایاں کردار ادا کرنے کی اجازت دے رہے ہیں۔

(ہ) تعلیم، خوراک اور رہائشی سہولیات پر زیادہ سے زیادہ توجہ اور اخراجات کے ذریعے اپنے عوام کی اقتصادی حالت بہتر بنا رہے ہیں۔

(و) غیر جانبدرانہ اور فوری انصاف مہیا کر کے اور اپنے شہریوں بالخصوص خواتین کے لیے انسانی حقوق پر زیادہ توجہ دے کر عدلیہ کی کارکردگی بہتر بنا رہے ہیں۔

(ز) داخلی اور بین الاقوامی تنازعات کا پُرامن تصفیہ کر کے فوجی اخراجات کم کر رہے ہیں۔

(ح) اسلامی تعلیم، فریضہ حج کی ادائیگی، روزہ، نماز، زکوۃ کی ادائیگی، مساجد کی تعمیر اور حق انتخاب کی آزادی پر مبنی مشنری سرگرمیوں کی حامی نجی تنظیموں اور مذہبی امور کی وزارتوں کی موجودگی کے باوجود مذہب کو ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں۔

(ط) بدعنوانی (رشوت، خوراک اور ادویات میں ملاوٹ، چوری) کا سدباب کر رہے ہیں۔

(ی) قومی وسائل کو غربت اور جہالت کا خاتمہ کرنے، تعلیم و صحت کا معیار بلند کرنے، ماحولیات کی بہتری اور اساسی ڈھانچے کو فروغ دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

(ک) منشیات کی غیر قانونی پیداوار، تقسیم اور استعمال کی روک تھام کر رہے ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات عملی لحاظ سے پیچیدہ سیاسی، اقتصادی اور فوجی مفادات کا مجموعہ ہیں۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مغرب نے بعض ایسی حکومتوں کی حمایت کی ہے جو مکمل طور پر اس کی اعلان شدہ پالیسیوں کی مخالف ہیں اور بعض ایسی حکومتوں کی مخالفت کی ہے جن کے تصورات اور مقاصد خود مغرب کے تصورات اور مقاصد سے بہت قریب ہیں۔

Marfat.com

۱۴۵ا۔ اضافی اقدامات کی تائید:

کوئی شخص جتنا ہی زیادہ گہرائی میں جائے گا اسے اتنے ہی زیادہ غیر متنازع نکات نظر آئیں گے۔ مثلاً عالمی بینک کی عالمی ترقیاتی رپورٹ ۱۹۹۲ء میں کہا گیا ہے کہ:

(الف) ایسے زر تلافی کا خاتمہ کیا جائے جس سے کان سے نکلنے والے کوئلے اور ایندھن کے استعمال اور درختوں کی حد سے زیادہ کٹائی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو۔

(ب) زمین، جنگلات اور ماہی گیری کے بندوبست اور ملکیت کے حقوق کی وضاحت کی جائے۔

(ج) پانی، حفظان صحت، زرعی توسیع اور تحقیق سہولتوں کی فراہمی کی رفتار تیز کی جائے۔

(د) ایسے اقدامات تیز کیے جائیں جن سے اُن لاکھوں عورتوں اور بچوں کے حالات زندگی بہتر ہو سکیں جو گھروں کے اندر جلنے والے چولہوں کی وجہ سے فضائی آلودگی کے مسئلے سے دوچار ہیں۔

(ہ) کاشتکاروں، مقامی لوگوں، برادریوں اور عورتوں کو اختیارات، تعلیم کی فراہمی اور معاملات میں شریک کرنے کا اہتمام کیا جائے جن سے وہ طویل المیعاد بنیاد پر اپنے مستقبل کے بارے میں خود فیصلے کر سکیں۔

(و) سرمایہ کاری سے متعلق فیصلے کرتے وقت تمام اخراجات اور فوائد (ماحولیات سے متعلق معاملات سمیت) کے طویل المیعاد اثرات کو مدنظر رکھا جائے۔

(ز) مفاد پرست عناصر کی روک تھام کرنے، اداروں کو جواب دہ بنانے اور تحفظ کے اخراجات برداشت کرنے پر آمادگی میں اضافے کی غرض سے تبدیلی کے لیے نمائندگان کے حلقوں کی تشکیل کی جائے۔

جو پالیسیاں عالمی طاقتوں کے لیے پرخطر نہیں ہیں وہ اسلامی طرز عمل سے بھی مطابقت رکھتی ہیں اور عام مسلمانوں کی زندگی بہتر بنانے کے لیے اہم ہیں۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا کی مثال "اچھے، بے ضرر" مسلم ممالک کے طور پر دی جاتی ہے۔

Marfat.com

۱۴۶۔ ملائیشیا کا معاملہ:

مسلم ممالک میں ملائیشیا انتہائی تیزی سے ترقی کرنے والا ملک ہے جس کی آبادی اٹھارہ ملین کے لگ بھگ اور فی کس سالانہ آمدنی ۳ ہزار ڈالر ہے۔ اسّی فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں کچھ ہنگامہ آرائی کے بعد ملائیشیا نے اپنے اقلیتی مذاہب اور نسلی گروپوں کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ معاشرہ جدید ہونے کے باوجود اسلام پر عمل کے لیے سہولتیں فراہم کرتا ہے اکثریت روزہ، نماز کی پابند ہے جو اچھے مسلمان ہونے کی علامت ہے۔ عورتیں اپنے سر ڈھاکتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ ملک کو اسلامی جمہوریہ قرار دیے بغیر ہی ہو رہا ہے۔ منشیات کے استعمال کی سزا موت ہے اور مجرم کی قومیت یا مذہب کا کوئی لحاظ کیے بغیر اس سزا پر باقاعدگی سے عملدرآمد ہوتا ہے۔ خواندگی کی شرح معقول اور ۸۷ فیصد کے لگ بھگ ہے۔ اسلامی تعلیم اسکول کے سرکاری نصاب کا حصہ ہے۔ مذہبی رہنماؤں کو دور جدید کے تقاضوں سے باقاعدگی سے روشناس کرایا جاتا ہے اور ترقیاتی ضروریات پر ان سے صلاح مشورہ کیا جاتا ہے۔ ملائیشیا کا شمار اُن معدودے چند مسلم ممالک میں ہوتا ہے جہاں پابندی سے انتخابات ہوتے ہیں۔

۱۴۷۔ انڈونیشیا کا معاملہ:

انڈونیشیا دنیا کا سب سے بڑا مسلم ملک ہے جس کی آبادی ایک سو چوراسی ملین کے لگ بھگ ہے اور تقریباً نوے فیصد لوگ مسلمان ہیں۔ یہ اتنا جمہوری اور فی کس آمدنی کے لحاظ سے اتنا مالدار نہیں ہے جتنا کہ ملائیشیا ہے۔ وسیع پیمانے پر رشوت ستانی اور مضبوط اجارہ داریوں کے بارے میں افواہیں عام ہیں۔ تاہم اکثر مسلمان، اسلام پر سختی سے عمل کرتے ہیں اعلیٰ سرکاری افسران اپنے دفاتر میں جا نمازیں رکھتے ہیں اور باقاعدگی سے نمازیں ادا کرتے ہیں۔ ہر سرکاری عمارت کی ہر منزل پر نماز کے لیے ایک سادہ سا کمرہ مخصوص ہوتا ہے جس پر "مصلّے" (Mushola) کی تختی لگی ہوتی ہے۔ دفتر میں کام کرنے والی نوجوان لڑکیاں بھی پنج وقتہ نماز پڑھتی ہیں اور رمضان کے مہینے میں روزے رکھتی ہیں۔

مختلف مذہبی گروپوں میں امن برقرار رکھنے کی غرض سے انڈونیشیا نے پانچ بنیادی رہنما

Marfat.com

اصول متعین کیے ہیں۔۔۔ ایک اللہ پر ایمان، ہر فرد کے لیے احترام اور انصاف، ایک ملک کے اندر تمام گروپوں کا اتحاد، قانون ساز ادارے کے اندر تمام اہم گروپوں کی نمائندگی اور تمام لوگوں کے لیے متوازن ترقی۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ انڈونیشیا میں ایک عظیم طاقت بننے کے امکانات موجود ہیں۔ اس کے پاس زمین ہے، قدرتی وسائل ہیں آبادی کے اعتبار سے وہ دنیا کا چوتھا بڑا ملک ہے جب کہ اس کی معیشت کا شمار دنیا کی چند بڑی معیشتوں میں کیا جاتا ہے۔ گزشتہ ۲۵ سال کے دوران میں اقتصادی ترقی متاثر کن رہی ہے اور خط افلاس سے نیچے زندگی گزارنے والی آبادی کی شرح بہت کم ہو گئی ہے۔ انڈونیشیا کو متعدد چیلنج درپیش ہونے کے باوجود اسکولوں، طبی سہولتوں اور اساسی ڈھانچوں کی فراہمی کا دائرہ ایک ایک دیہات تک پھیل چکا ہے۔ نجی اور سرکاری شعبوں میں بدعنوانی ایک ایسا سنگین مسئلہ ہے جسے ابھی حل کیا جانا باقی ہے۔

اقتصادی ترقی کے پہلے ۲۵ سال مکمل کرنے کے بعد اب انڈونیشیا اپنا دوسرا طویل المیعاد ۲۵ سالہ منصوبہ شروع کرنے والا ہے۔ منصوبہ سازوں نے چار قومی مقاصد متعین کیے ہیں: انڈونیشیا کی سرزمین اور عوام کا تحفظ، عوام کی عمومی فلاح و بہبود کا فروغ، قوم کی ذہنی ترقی اور آزادی، امن اور سماجی انصاف پر مبنی نئے عالمی نظام میں تعاون۔ ترقیاتی عمل میں مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا جائے گا اور اس کا مقصد عوام کا استحصال کرنے کے بجائے ان کی خدمت کرنا ہوگا۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے فروغ، ترقی، دولت اور ان کے ثمرات کی مساویانہ تقسیم اور ماحول کو نقصان پہنچائے بغیر صنعتی ترقی پر خصوصی توجہ مرکوز کی جا رہی ہے۔ لفاظی میں تو کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ کوئی بھی اس قسم کا شاندار سنائی دینے والا منصوبہ تیار کر سکتا ہے تاہم گزشتہ ۲۵ سال میں انڈونیشیا کا ریکارڈ یہ بتاتا ہے کہ الفاظ کچھ معنی بھی رکھتے ہیں۔

سیاسی استحکام ماضی میں ایک اہم عنصر رہا ہے اور مستقبل میں بھی اس کی اہمیت برقرار رہے گی۔ سوہارتو کے بعد کے عہد میں استحکام کے بارے میں کچھ شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ مغرب انڈونیشی عوام کی نجی زندگی میں اسلامی طور طریقوں اور حکومت میں ان کی

Marfat.com

سیکولر پالیسیوں کا عادی ہو چکا ہے۔ مذہب کی بنیاد پر سرکاری پالیسیوں میں دوبارہ کسی بڑی تبدیلی کی صورت میں مغرب گھبراہٹ کا شکار ہو کر کسی بھی رد عمل کا اظہار کر سکتا ہے۔ تاہم ناگہانی واقعات سے قطع نظر، وہ انڈونیشیا کی ترقی کی حمایت کرتا رہے گا۔

مختصر یہ کہ خود کو اسلامی جمہوریہ قرار دیے بغیر دونوں ہی ملکوں (انڈونیشیا اور ملائیشیا) نے متاثر کن کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ انھوں نے گزشتہ بیس سال میں اپنے عوام کی اقتصادی فلاح و بہبود پر توجہ مرکوز کی ہے۔ انسانی حقوق کی صورتحال بہتر بنائی ہے، داخلی اور بین الاقوامی جھگڑوں کو معقولیت سے کام لے کر پر امن طور پر طے کیا ہے۔ مذہب کو نظر انداز کیے بغیر اسے ایک ذاتی معاملہ سمجھا گیا ہے۔ بعض نقصان دہ عادات اور طور طریقوں مثلاً غذائی اشیا اور ادویہ میں ملاوٹ اور ناجائز منشیات کے استعمال میں بھی کمی ہوئی ہے۔ اس کے نتیجے میں مغربی ممالک، جاپان اور ان کے پڑوسیوں سے ان دونوں ملکوں کے اچھے تعلقات ہیں۔ دونوں ملکوں نے ترقی یافتہ ممالک اور مقامی اقلیتوں کی طرف سے وسیع پیمانے پر سرمایہ کاری سے فائدہ اٹھایا ہے جس سے روزگار کے مواقع نکلے ہیں۔ ملائیشیا خاص طور پر نئی روشنی کے مسلم رہنماؤں کے لیے ایک کامیاب نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔

بعض تشکیک پسند مسلمانوں کا خیال ہے کہ جیسے ہی ملائیشیا اور انڈونیشیا جیسے مسلم ممالک طاقت ور ہو جائیں گے، ان سے مغرب کے مفادات کو کسی نہ کسی شکل میں "خطرہ" لاحق ہو جائے گا اور مغربی پالیسیاں مزاحمانہ شکل اختیار کر لیں گی۔ وہ اس سلسلے میں جاپان کی مثال دیتے ہیں جس کی طرف سے بحیثیت ایک تجارتی حریف کے امریکہ نے اپنی پالیسی تبدیل کر لی تھی۔ تاہم ترقیاتی عمل کے دوران میں مغرب کے ساتھ متعدد مشترکہ روابط استوار ہو جاتے ہیں جو تعاون کے رابطے کا کام دیتے ہیں۔

(ب) غیر مسلموں میں موجود اتحادی

۱۴۸۔ یک رنگ مسائل پر مبنی اتحاد:

دنیا میں ایسی سیاسی، دستوری اور انفرادی قوتیں موجود ہیں جو مسلمانوں سمیت تمام لوگوں کے لیے انسانی ترقی کی حامی ہیں۔ یہ قوتیں ہر جگہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی مخالف

Marfat.com

ہیں (جن میں بوسنیا، کشمیر، فلسطین وغیرہ شامل ہیں) اور ہر جگہ (بشمول صومالیہ، سوڈان، بنگلہ دیش وغیرہ) سے بھوک کے خاتمے کی خواہش مند ہیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے دنیا کی توجہ بوسنیا پر مرکوز رکھنے کے سلسلے میں غیر معمولی کام کیا ہے۔ اسی طرح یہودی عوام اور ان کی تنظیموں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد نے بوسنیا میں مسلمانوں کے مقاصد کی حمایت کی ہے۔ یہی چیزیں پائیدار اتحادوں کی بنیاد بنتی ہیں جو آخر کار یک نوعی مسائل سے ماورا برتر مقاصد کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

۱۴۹۔ بین الاقوامیت کے حامی:

بین الاقوامی اداروں مثلاً اقوام متحدہ، عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک اور افریقی ترقیاتی بینک نے دور جدید میں داخل ہونے میں متعدد مسلمان ملکوں کی مدد کی ہے۔ اپنی کمزوریوں کے باوجود ان اداروں نے مسلم ممالک کو برسہا برس قابل ذکر امداد فراہم کی ہے۔ مناسب حالات کے تحت یہ ادارے مسلم ممالک کے لیے اور بھی زیادہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح "بین الاقوامیت پسند" اور امن دوست گروپ ہر جگہ بعض مسائل پر مفید اتحادی اور مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

۱۵۰۔ مسیحیت اور یہودیت کے ساتھ مشترکہ میراث:

مغرب میں زیادہ تر لوگ اس حقیقت کو پوری طرح محسوس نہیں کرتے کہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت میں بہت سی خصوصیات مشترک ہیں۔ ان میں ایک خدا پر ایمان، روز قیامت پر یقین، آسمانی صحیفوں، خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں کی حقانیت پر یقین، غذا، لباس اور طرز عمل سے متعلق قوانین و ضوابط چند مشترکہ خصوصیات ہیں۔ توریت کی کتاب خروج ۲۰: ۲۔۱۷ (Exodus) اور بیاستیہ (Deuteronomy) ۵: ۶۔۲۱، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دوسری اور پانچویں کتابوں میں دیے ہوئے اوامر کی اسلام پوری تائید کرتا ہے:

۱۔ میں ہی خدا ہوں، تیرا رب۔ میرے سوا کوئی اور تیرا معبود نہیں۔

۲۔ تو اپنے لیے خود سے شبیہیں اور مورتیں نہیں تراشے گا۔

۳۔ تو اپنے مالک، خداوند، کے نام کی جھوٹی قسم نہیں اٹھائے گا.....

Marfat.com

۴۔ یوم السبت کو یاد رکھ، اسے پاک رکھنے کے لیے......

۵۔ اپنے باپ اور ماں کی عزت کر۔

۶۔ تو کسی کو ہلاک نہیں کرے گا۔

۷۔ تو بدکاری نہیں کرے گا۔

۸۔ تو چوری نہیں کرے گا۔

۹۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہیں دے گا۔

۱۰۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کی خواہش نہیں کرے گا نہ ہی تو پڑوسی کے گھر، اس کے کھیت، یا اس کے خادم یا اس کی خادمہ یا اس کے بیل، اس کے گدھے یا ایسی کسی بھی چیز کی طمع میں پڑے گا جو تیرے پڑوسی کی ملکیت ہے۔

دراصل بہت سے اسکالرز اس بات پر متفق ہیں کہ اگر یہودی، عیسائی اور مسلمان اپنے مذاہب کی تعلیمات پر عمل کریں تو ان میں بڑی ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی۔ کچھ نہ کچھ اختلافات تو ظاہر ہے موجود رہیں گے مگر بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی۔ مغربی ممالک میں تعلقات عامہ کے ذرائع عوام کو اُن کے عقائد اور ورثہ کے بارے میں آگاہ کر سکتے ہیں جو ان میں اور مسلمانوں میں مشترک ہیں۔

۱۵۱۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ میراث:

برصغیر ایشیا میں عام مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ گائے اور بتوں کی شکل میں ہندوؤں کے بہت سے دیوی، دیوتا ہیں۔ ہندوؤں کے بارے میں عام خیال یہی ہے کہ وہ ان سب کی پرستش کرتے ہیں۔ تاہم ہندو مذہب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا بھی صرف ایک ہی خدا ہے جو قادر مطلق ہے اور جسے پرماتما کہتے ہیں ہندو دھرم کے پیروکاروں کی نظروں میں پرماتما کے تین مظاہر ہیں، برہما (خالق)، وشنو (حفاظت کرنے والا) اور شیوا (تباہی و بربادی کی قوت)۔

پیروکاروں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے وشنو (محافظ) وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہے گا۔ رام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ وشنو ہی کا ایک ظہور تھے۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ وہ اپنے دیوتا اور اپنی تاریخ اور دیومالا کے تمام اہم کرداروں کی تمام جسمانی اشکال کے مجسمے بناتے ہیں۔ وہ گائے

Marfat.com

سمیت ان تمام مظاہرہ کا احترام کرتے ہیں مگر وہ عبادت صرف ایک خدا کی کرتے ہیں۔ ہندو اپنی مورتیوں اور مجسموں کو تباہ کرنے کے عمل کو قرین انصاف نہیں سمجھتے اور ان کے خیال میں یہ اقدام ایسا ہی ہے جیسے اسلام کی برگزیدہ ہستیوں کی قبروں یا مزارات کو تباہ کرنا۔

جس طرح مسلمان مہدی موعود اور یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے منتظر ہیں اور عیسائی یسوع مسیح کی دوبارہ آمد کا انتظار کر رہے ہیں بالکل اسی طرح ہندو بھی وشنو (محافظ) کی آمد کے منتظر ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک قیامت کے دن شیو دیوتا سب کچھ تباہ و برباد کر دیں گے۔ مختلف ناموں کے تحت ہندو ایک خدا پر اور روز قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے اختلافات کا واضح احساس ہے (مسلمان انسانوں کی برابری اور مساوات کے قائل ہیں جب کہ ہندوؤں میں ذات پات کا بڑا مکمل نظام ہے مسلمان نسبتاً خاموشی سے عبادت کرتے ہیں جب کہ ہندو اپنے مندروں میں گاتے بجاتے ہیں، ہندو گائے کا گوشت نہیں کھاتے جب کہ مسلمان سور کے گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے)۔ تاہم یہ دونوں یعنی ہندو اور مسلمان یا تو اپنے عقائد کی مشترکہ خصوصیات نیز اچھے انسانی طرز عمل کی صفات کو دیکھنے اور سمجھنے میں ناکام رہے ہیں یا پھر انھوں نے جان بوجھ کر اسے نظر انداز کیا ہے۔

مذہب معیشت اور قومی امنگوں کے نام پر صدیوں کی غلط فہمیوں اور جھگڑوں کے بعد بھی برصغیر کے ہندو اور مسلمان (سات سو ملین ہندو اور ساڑھے تین سو ملین مسلمان) اپنے متعدد مشترکہ عقائد، ثقافت، تاریخ اور زبانوں کے وجود کا اعتراف کرنے میں اب تک ناکام ہیں۔ برصغیر میں آباد ہندوؤں اور مسلمانوں کے مقابلے میں بیرونی ممالک میں مقیم ہندوؤں اور مسلمانوں میں اس کا زیادہ واضح احساس پایا جاتا ہے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم کے وقت رونما ہونے والے ہولناک اور الم انگیز واقعات ان اختلافات کے عکاس ہیں۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان گزشتہ پچاس سال میں تین بڑی جنگیں ہو چکی ہیں اور اس وقت ان کے درمیان ایٹمی جنگ کا خطرہ بھی موجود ہے۔ وہ صرف اپنے مشترکہ ورثہ پر تحقیق، مفاہمت اور بھرپور توجہ کے عمل سے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش کے ایک ہزار ملین عوام کی فلاح و بہبود کا دارومدار اسی پر ہے۔

Marfat.com

۱۵۲۔ بدھ مت کے پیروکاروں کے ساتھ مشترکہ خصوصیات:

بدھوں کی زندگی تین مراحل میں منقسم ہے۔ "کامادھاتو" (Kamadhatu) خواہشات کی دنیا کو کہتے ہیں جس میں انسان جنس، مال و دولت، اقتدار اور دنیاوی مقبوضات کی ہوس کے تابع ہوتے ہیں۔ پھر سخت ضبط نفس، دھیان اور ایثار کے ذریعے بدھ مت کا پیرو اگلے مرحلے "راپادھاتو" (Rapadhatu) تک پہنچتا ہے۔ یہ ایک عارضی مرحلہ ہے جس میں انسان تمام دنیاوی تفکرات اور الجھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور خدا کی رضا جوئی کے لیے سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔ "اروپادھاتو" (Arupa Dhatu) کے آخری مرحلے میں انسان تمام عیوب سے پاک ہو کر نروان حاصل کر لیتا ہے۔ بدھوں کو نروان اور خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے دنیاوی ضروریات سے بے نیاز ہونے کی تلقین کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی طرح بدھوں میں بھی زندگی کا بنیادی مقصد خدا کی عبادت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔

"میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے
کہ وہ میری بندگی کریں۔" (سورۃ ۵۱:۵۶)

بدھ مذہب کے بانی گوتم بدھ نے ایک شہزادے کی حیثیت سے جنم لیا تھا۔ انھوں نے اپنا محل اور راج پاٹ چھوڑ دیا۔ ملک کے طول و عرض کی خاک چھانی اور نروان حاصل کرنے سے قبل برسوں مراقبے اور گیان دھیان میں مشغول رہے۔

قرآن میں بطور خاص بدھ کا ذکر تو نہیں ہوا ہے مگر وہ بھی ان پیغمبروں میں سے ایک ہو سکتے ہیں جن کے نام نہیں دیے گئے ہیں۔ کئی اعتبار سے ایک باعمل بدھ کی زندگی اسلام میں کسی صوفی اور ہندوؤں میں سادھو کی زندگی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ جاپان، چین، تھائی لینڈ اور متعدد مغربی ممالک میں اپنے پیروکاروں کی موجودگی کی وجہ سے بدھ مت دنیا کا ایک انتہائی اہم مذہب شمار ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس بدھوں نیز دیگر عظیم مذاہب مثلاً عیسائیت، یہودیت اور ہندومت کے پیروکاروں کے ساتھ بقائے باہمی کے لیے اچھی بنیاد موجود ہے۔

Marfat.com

۱۵۳۔اقلیتوں کے ساتھ مشترکہ مفادات:

ہر جگہ اقلیتوں میں بہت کچھ مشترک ہوا کرتا ہے۔ مثلاً امریکہ میں تمام غیر عیسائی اقلیتوں میں اپنی مذہبی آزادی کے تحفظ اور مذہب کو سرکاری درجہ دینے کی مزاحمت کا جذبہ مشترک ہے جس نے امریکہ کے سرکاری اسکولوں میں کسی واحد مخصوص مذہب کی تعلیم نہ دینے کے عمل میں بڑی مدد دی ہے۔ اس سلسلے میں یہودی بھی مسلمانوں، ہندوؤں، بدھوں اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان ہم جنس پرستی، اسقاط اور بداخلاقی وبدکاری کے خلاف جنگ میں عیسائی مذہبی گروپوں سے قریبی اشتراک عمل کررہے ہیں۔

۱۵۴۔چین پر انحصار:

چین واحد قابل ذکر عالمی طاقت ہے جو مغرب کی دھمکیوں کے باوجود مسلم ممالک کی فوجی اور سیاسی امداد کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ پاکستان کے ساتھ چین کے خصوصی دوستانہ تعلقات (جو جزوی طور سے بھارت پر دونوں ملکوں کے عدم اعتماد کا نتیجہ ہے) اور ایران اور شام کی مبینہ مدد اس کی مثالیں ہیں۔ مسلمان چین کی اس حمایت کی قدر کرتے ہیں اور وہ ان تعلقات کو مزید مضبوط بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔

تاہم مسلمانوں کے دوست کی حیثیت سے چین پر طویل المیعاد انحصار بحث طلب ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ چین ابھی تک ایک کم آمدنی والا ترقی پذیر ملک ہے جس کی فی کس آمدنی ۱۹۹۲ء میں صرف ۴۷۰ ڈالر تھی جو ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمانوں کی فی کس آمدنی سے قابل ذکر حد تک کم ہے۔ تاہم مغرب کے تعاون سے اب چین تیزی سے ترقی کررہا ہے۔ گیارہ سو ملین سے زائد چینی عوام کے رہنما اقتصادی ترقی کا عمل جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے چین سے یہ توقع رکھنا غیر حقیقت پسندانہ بات ہوگی کہ وہ مسلمانوں کے مفادات کے دفاع کے لیے مغرب کی مخالفت مول لے گا جن سے اس کی نظریاتی یا ثقافتی مطابقت بھی بہت کم ہے اور جو چین کو بدلے میں کوئی مالی فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتے۔ حالیہ دور میں چین اپنی خارجہ پالیسی میں زیادہ حقیقت پسند ہو گیا ہے۔ اہم بین الاقوامی مسائل پر چین

Marfat.com

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اکثریت کی حمایت کرتا رہا ہے۔ جنگ خلیج اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ چین ایک کمیونسٹ طاقت ہے۔ اس کی قیادت کسی مذہب کی حمایت نہیں کرتی۔ چین اپنی سرحدوں کے اندر تمام مذاہب کے ماننے والوں کے خلاف کارروائیاں کرتا رہتا ہے جن میں چینی مسلمان بھی شامل ہیں۔ موجودہ حالات میں اس بات کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ ایک اہم بین الاقوامی ڈھال کے طور پر طویل عرصہ تک چین پر انحصار کیا جاسکے۔

Marfat.com

باب ۱۰

مسلمانوں کی پریشانیاں

"...اب جو انھیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں خدایا، یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی؟ ان سے کہو دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے اور آخرت ایک خداترس انسان کے لیے زیادہ بہتر ہے اور تم پر ظلم ایک شمہ برابر بھی نہ کیا جائے گا۔" (سورۃ: ۴:۷۷)

مسلمان اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تاہم ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمان پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہیں۔ خواندگی کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بہت بڑی اکثریت پڑھ یا لکھ نہیں سکتی۔ فی کس آمدنی کے اعداد و شمار کے مطابق ان کا تعلق کم آمدنی والے ملکوں سے ہے۔ دستیاب آمدنی کی تقسیم سے متعلق تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت بڑی تعداد خوراک اور دیگر بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے روزانہ سرگرداں رہتی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں کے لیے خود اپنے ملک کے اندر یا بیرون ملک حالات اچھے نہیں ہیں۔ انھیں اقتصادی، سیاسی، روحانی اور فوجی محاذوں پر پریشانیوں کا سامنا ہے۔ تاہم ان کے مسائل اور پریشانیوں کے اصل اسباب کا ابھی تک صحیح طور پر تعین، تجزیہ یا

Marfat.com

علاج تجویز نہیں کیا جاسکا ہے۔

بین الاقوامی محاذ پر مسلم ممالک کو اپنے مخالفین سے انفرادی یا اجتماعی طور پر خطرات لاحق ہیں۔ پاکستان بھارت سے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ ایران اور خلیجی ریاستوں کو عراق کا خطرہ ہے۔ عربوں کو اسرائیل اور ایران سے خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ ایک گروپ کی حیثیت سے مسلم ممالک برطانیہ، امریکہ اور مغرب کی پالیسیوں کے بارے میں اندیشوں میں مبتلا ہیں۔ مسلمانوں کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ تاہم ان اندیشوں اور دھڑکوں کے تاریخی اسباب موجود ہیں اور ان خدشات کا جائزہ لینے اور انھیں رفع کرنے کی ضرورت ہے۔

(الف) مسلمانوں کے لیے باعث تشویش اہم معاملات:

۱۵۵۔ امریکہ کی پالیسی:

چونکہ اب امریکہ ہی دنیا کی واحد سپر طاقت باقی رہ گئی ہے اس لیے اکثر مسلمان اس کی پالیسیوں کے بارے میں خاص طور پر بہت حساس ہیں۔ اگرچہ بش انتظامیہ نے ایک ایسے اتحاد کی قیادت کی تھی جس نے مسلم عراق کو شکست دی مگر مسلم رہنماؤں کا عام خیال یہی تھا کہ جب (الف) جنگ خلیج کے بعد اسرائیل کے ساتھ معاملت اور (ب) مسئلہ فلسطین کے حل کی بات ہوگی تو اس سلسلے میں مساویانہ اور منصفانہ طرز عمل اختیار کیا جائے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ کلنٹن انتظامیہ نے اسرائیل کی غیر مشروط حمایت کی سابقہ پالیسی دوبارہ اپنالی ہے۔ مسلم رہنما پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ صدر کلنٹن اور کانگریس نے اسرائیل سے وعدہ کیا ہے کہ (الف) اپنے ملک میں بھاری خسارے کے باوجود اسرائیل کو کم از کم تین بلین ڈالر سالانہ امداد کی فراہمی جاری رہے گی (ب) تمام عرب ملکوں کی مجموعی افواج پر اس کی فوجی برتری قائم رکھی جائے گی (ج) اسرائیلی ایٹمی اسلحہ سے صرف نظر کرتے ہوئے تمام عرب ممالک بلکہ تمام مسلمانوں کو ایٹمی اسلحے کے عدم پھیلاؤ پر آمادہ کرنے پر اصرار جاری رہے گا۔ (د) اسرائیل کے ساتھ عربوں کے رویہ کی بنیاد پر انھیں نوازنے یا ان کی گوشمالی کا سلسلہ جاری رہے گا اور (ہ) اسرائیل کے تمام موجودہ یا ممکنہ دشمنوں کو امریکہ کا دشمن تصور کیا

Marfat.com

جائے گا۔ ان رہنماؤں کا کہنا ہے کہ اس سے اسرائیل کو لبنان پر اپنے فوجی حملے جاری رکھنے، قصبے اور دیہات تباہ کرنے اور لبنانی علاقوں کی آبادی اجاڑنے کا حوصلہ ہوا۔ اسرائیل کے بارے میں اس قسم کی پالیسی پر اکثر مسلمانوں کو تشویش ہے اور اس سے مشرق وسطیٰ کے مسائل کے حل میں غیر جانبداری کے امریکی دعوے کی وقعت کم ہو جاتی ہے۔

۱۵۶۔ طاقت کا عملی مظاہرہ:

لبنان میں اسرائیل کے فضائی حملے اور گولہ باری، یورپی بوسنیا میں مسلمانوں کے خلاف سربیائی جارحیت، کشمیر میں مسلمانوں کے خلاف بھارت کی فوجی کارروائی، صومالیہ میں اقوام متحدہ کا پولس ایکشن اور عراق پر امریکہ کا فضائی حملہ چند حالیہ مثالیں ہیں جن کی بنا پر مسلم رہنماؤں کو مغرب کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف طاقت کے بڑھتے ہوئے استعمال پر تشویش لاحق ہے۔ اس کے علاوہ "عسکریت پسند" مسلمانوں کی حمایت کرنے پر ایران کے خلاف، پین امریکن طیارے کی تباہی میں مبینہ طور پر ملوث افراد کو امریکہ کے حوالے کرنے سے انکار کی پاداش میں لیبیا کے خلاف، کویت کو ڈرانے دھمکانے پر عراق کے خلاف اور مغربی اثرورسوخ کی مخالفت میں جارحانہ موقف اختیار کرنے پر سوڈان کے خلاف فوجی کارروائی کا ڈر ہے۔ یہ وہ چند حالیہ رپورٹیں ہیں جن کی بنا پر مسلمان اپنے خلاف مغرب کی جانب سے طاقت کے بڑھتے ہوئے استعمال کے امکان پر تشویش میں مبتلا ہیں۔ دنیا کے بہت سے حصوں میں مسلمانوں کے خلاف فوجی کارروائی کے بڑھتے ہوئے خطرے پر ہر جگہ مسلم رہنما چوکنا ہو گئے ہیں۔ مغرب کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف جارحیت کا جواب دے رہا ہے۔ مسلمانوں کا کوئی بھی اقدام حتیٰ کہ ایک اشتعال انگیز بیان ہی پوری آبادی کے خلاف بھرپور طاقت کے استعمال پر اکسانے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ بعض مغربی مبصرین کی رائے میں امریکہ کو ایران اور لیبیا کا زور توڑنے کے لیے ان کے خلاف پہلے ہی اضافی فوجی کارروائی کر لینی چاہیے۔ مسلمان حفظ ماتقدم کے نام پر کیے جانے والے حملوں کو اپنے خلاف جارحیت کا بہانہ سمجھتے ہیں۔ "ضمنی نقصان" کی نئی اصطلاح بھی ملمع سازی ہے اور اس بے جا تاویل کا مقصد بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کا جواز فراہم کرنا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف بعض فوجی

Marfat.com

کارروائیاں تو اتنی کھلی زیادتی اور صریحاً ناجائز تھیں کہ خود مغربی ذرائع ابلاغ نے بھی انسانی بنیادوں پر انھیں ہدف تنقید بنایا۔

۱۵۷۔ یوگوسلاویہ میں نسل کشی:

یوگوسلاویہ کا بکھر کر متعدد ریاستوں میں تقسیم ہونا بہت سے لوگوں کے لیے ایک المیہ ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے صدیوں پرانے جھگڑے اور فساد کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی۔ سربیائی لیڈروں نے تمام سربوں کو عظیم تر سربیا میں متحد کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اگر سرب باشندے سربیائی علاقے سے باہر (مثلاً کروشیا، سلوانیا یا بوسنیا میں) آباد ہیں تو وہ سربیا کی حدود بڑھا کر ان کے پاس لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی جانب سے پورے یوگوسلاویہ کو اسلحہ کی ترسیل پر عائد کی جانے والی پابندیوں کا سربوں پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا جنھیں پہلے سے موجود یوگوسلاوی آرمی کے ہتھیاروں تک رسائی حاصل تھی۔

کروشیا کے پسندیدہ علاقے اور بوسنیا کا ۷۰ فیصد علاقہ فتح کرنا ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لاکھوں بے گناہ یورپی باشندوں کے قتل عام، بیگار کیمپوں، ایذا رسانی اور آبروریزی کے ذریعے "نسلی صفائی" کی بہیمانہ کارروائی پر یورپ اور امریکہ سمیت پوری دنیا لرز اٹھی۔

متاثرین میں سب سے بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں نے عالمی طاقتوں سے اپیل کی اور انھیں برابر یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ یورپی اور امریکی حکومتوں کے بس میں جو کچھ ہے وہ کر رہی ہیں۔ تاہم اسلحے پر عائد پابندی، (جس سے بنیادی طور پر بوسنیائی مسلمان متاثر ہوئے ہیں) بوسنیا میں فرانسیسی، برطانوی اور دیگر یورپی سپاہیوں کے تحفظ کے بہانے نہیں اٹھائی گئی۔

۱۵۸۔ بوسنیا:

امریکہ بوسنیائی تصادم کے بارے میں اعلیٰ اخلاقی موقف اختیار کرنے کے دعوے تو کرتا ہے مگر وہ اس مسئلہ کا منصفانہ حل نکالنے کے لیے ضروری فوج بھیجنے پر آمادہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ یک طرفہ طور پر اسلحہ کی ترسیل پر پابندی اٹھانے کے لیے تیار ہے۔ فرانس اور برطانیہ نے اقوام متحدہ کو زمینی فوجی عملہ فراہم کیا ہے مگر مسئلہ کے منصفانہ حل کے سلسلہ میں ان دونوں

Marfat.com

کی وابستگی کے بارے میں اکثر حلقوں نے شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے۔

"ناٹو" نے سربوں کے خلاف مطلوبہ فضائی حملوں کی اجازت نہ دینے پر اقوام متحدہ کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ دراصل ان دونوں اداروں کو ایک ہی بڑی طاقتیں کنٹرول کرتی ہیں۔ اگر عالمی طاقتیں حقیقتاً ایسا کرنا چاہتیں تو وہ ناٹو اور اقوام متحدہ میں قرارداد پر متفق ہو سکتی تھیں۔

امیدوار صدارت اور بعد میں صدر کلنٹن نیز سینٹ میں اقلیتی اور پھر بعد میں اکثریتی قائد باب ڈول کی جانب سے انسانی بنیاد پر اظہار تشویش کا خیر مقدم کیا گیا ہے مگر ان کی یہ تشویش عالمی طاقتوں کو مناسب کارروائی کے لیے متحرک کرنے کے سلسلے میں کافی ثابت نہیں ہوئی۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اگر خاص متاثرین غیر مسلم ہوتے تو زیادہ سخت کارروائی کی گئی ہوتی۔

دنیا بھر کی مسلم حکومتوں کو یوگوسلاویہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی زیادہ مدد کرنی چاہیے تھی اور وہ ایسا کر بھی سکتی تھیں۔ اس جنگ کے نتائج سے مسلم ناقدین کی سوچ کو تقویت ملی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ مغرب کے نزدیک اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے مسلمان کی زندگی قربان کی جا سکتی ہے چاہے وہ یورپی، سفید فام اور سیکولر مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے ایران کے بارے میں اس تاثر میں بھی اضافہ ہوا ہے کہ وہ اسلامی تصورات کے عین مطابق دنیا بھر کے عقوبت و تعذیب سے دوچار مسلمانوں کی مدد پر آمادہ واحد مسلم ملک ہے۔

۱۵۹۔ بھارت میں ہندو جماعتیں:

عشرہ ۱۹۳۰ء کے اواخر میں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) اور راشٹریہ سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کے بانی گوالکر نے ہندوؤں کی برتری اور بھارت کو تمام غیر ہندوؤں سے پاک کرنے کی ضرورت کے بارے میں لکھا۔ اس نے اس وقت نازی جرمنی کی جانب سے یہودیوں کے خلاف نسلی تطہیر کے عمل کو کھل کر سراہا۔ اس کے پیروکار بھی بنیادی طور پر اسی مقصد کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہیں گو ان کا پہلا اقدام برادری کی سطح پر عوامی خدمت کے ذریعے سیاسی طاقت حاصل کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے یہ دعویٰ کر کے متعدد مساجد پر بھی اپنا حق جتایا ہے کہ یہ مساجد کئی سو سال قبل ہندوؤں کے مندروں کی جگہ

Marfat.com

پر تعمیر کی گئی تھیں۔ اجودھیا کی مشہور مسجد میں پہلے تو کئی سال تک تالا پڑا رہا اور پھر بھارتی سپریم کورٹ کے حکم کے خلاف دسمبر ۱۹۹۲ء میں اسے منہدم کر دیا گیا اور قانون نافذ کرنے والے اہلکار تماشا دیکھتے رہے۔ اس کے بعد فسادات پھوٹ پڑے جن میں ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور بہت سی املاک نذر آتش کر دی گئیں۔ ہلاک شدگان میں زیادہ تر مسلمان تھے۔

بھارت میں تقریباً پندرہ کروڑ مسلمان خود کو ہندو راج کے تحت دوسرے درجہ کا شہری محسوس کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے معمولات پر آزادی سے عمل، عافیت سے زندگی گزارنے اور معاشی ترقی کے حوالے سے اپنے مستقبل کے بارے میں متردد ہیں۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جب بی جے پی قومی سطح پر اقتدار حاصل کر لے گی۔

اخباری اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھارتی مسلمانوں نے رد عمل ظاہر کرنا شروع کر دیا ہے۔ مثلاً ۲۶ر فروری ۱۹۹۳ء کو سعودی گزٹ (ریاض) میں ایک مراسلہ شائع ہوا جس سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ سعودی عرب میں کام کرنے والوں میں غیر ہنر مند اور نیم ہنر مند کارکن چوہوں کی طرح بلوں میں مرنے کے بجائے جوابی وار کرنے اور شہادت کی موت گلے لگانے کے خواہش مند ہیں۔ نتائج کی پرواہ کیے بغیر عسکریت کی کھل کر وکالت کی گئی۔ ہنر مند محنت کش اور عام دفتری کارکن حفاظت خود اختیاری کے لیے مردوں اور عورتوں کی تربیت اور "محافظ دستوں" کے قیام کے حامی ہیں۔ موجودہ مسلم قیادت کے سحر سے ناامیدی کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ سینئر ایگزیکٹوز بھی فکر مند ہیں مگر وہ اصلاح حال کے لیے انسدادی اقدامات پر زور دیتے ہیں۔ وہ اس بات کے حامی ہیں کہ (الف) ہندوؤں کو یہ بات بتائی اور ذہن نشین کرائی جائے کہ مسلمان بھی اتنے ہی بھارتی ہیں جتنے کہ خود ہندو۔ (ب) غیر تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ساتھ قریبی تعلقات استوار کیے جائیں اور ان پر اسلام اور مسلم معاشرے کی طبقاتی قیود سے آزاد نوعیت واضح کی جائے۔ (ج) مسلم قوانین کے بارے میں سوالات کی وضاحت کے لیے، جن پر ہندو پریس میں حملے ہوئے ہیں، سیکولر ذرائع ابلاغ کی سرپرستی کی جائے۔ (د) سیکولر جماعتوں کی حمایت اور مختلف سطحوں پر انتخابات میں ذاتی

Marfat.com

شرکت کے ذریعے سیاست میں مسلمانوں کی بیش از بیش سرگرمیوں کا اہتمام کیا جائے اور (ہ) نئے سرے سے زندگی کی ابتدا کرنے کے لیے ضرورت مند مسلمانوں کی مدد اور ان کے بچوں کے لیے تعلیم (انگریزی اور دینی) کا اہتمام کیا جائے۔

نومبر ۱۹۹۳ء کے صوبائی انتخابات میں متعدد بھارتی ریاستوں کے انتخابی نتائج نے بی جے پی کی جانب سے اپنے اقتدار اور ہندو قوم پرستی کے پلیٹ فارم کو وسعت دینے کی کوشش کو سخت دھچکہ پہنچایا۔ ہماچل پردیش اور اترپردیش میں بی جے پی نے توقع سے زیادہ خراب کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ سیاسی تجزیہ نگاروں نے ان نتائج اور اب تک کے دیگر انتخابی نتائج سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رائے دہندگان اپنے مذہبی جذبات ابھارنے کی کوششوں سے متاثر نہیں ہوئے۔ ان تجزیہ نگاروں نے اس توقع کا اظہار کیا کہ مسلمان اور ہندو بھارت میں پرامن طور پر مل جل کر رہ سکتے ہیں۔

۱۶۰۔ کشمیر میں جبر:

۱۹۴۷ء میں جب انگریز بھارت چھوڑ رہے تھے تو ہر صوبے اور دیسی ریاستوں کو بھارت یا پاکستان میں شمولیت کے فیصلے کا حق دیا گیا تھا۔ مسلم اکثریتی علاقوں نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم اور حیدر آباد اور جونا گڑھ کی ریاستوں کے سلسلہ میں بڑی ناانصافیاں کی گئیں۔ تاہم کشمیر کا معاملہ سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ عوام کی غالب اکثریت پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتی تھی۔ لیکن ریاست کا سکھ حکمران تذبذب کا شکار تھا اور اس نے تحفظ کے لیے بھارتی فوج بلالی۔ ایک بار آنے کے بعد بھارتی کشمیر سے واپس نہیں گئے۔ اس کے بعد بھارت نے اقوام متحدہ سے وعدہ کیا کہ کشمیری عوام کی رائے معلوم کرنے اور کشمیر کے مقدر کا فیصلہ کرنے کے لیے استصواب کرایا جائے گا۔ یہ ۱۹۴۹ء کی بات ہے۔ یہ وعدہ کبھی وفا نہیں ہوا۔

گزشتہ چند برسوں سے کشمیری کھلی بغاوت پر اتر آئے ہیں۔ بھارتی آرمی تمام تر قوت کے ساتھ کشمیر میں موجود ہے جہاں مغربی اور اسرائیلی مشیر بھی اس کے ساتھ ہیں۔ اخبارات اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹوں کے مطابق ہزاروں کشمیری ہلاک اور دائمی طور پر معذور

Marfat.com

ہو چکے ہیں اور خواتین کو بے آبرو کیا جا چکا ہے جب کہ ہزار ہا کشمیری بھارتی جیلوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ خوبصورت وادیاں تباہ کر دی گئی ہیں اور وہاں کے باشندے مسلسل مصائب سے دوچار ہیں۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کے ہمدردانہ رویہ کے باوجود عالمی طاقتوں نے اس معاملے میں الجھنے یا اقوام متحدہ کی اس مخصوص قرارداد پر عملدرآمد کرانے میں کم ہی دلچسپی لی ہے۔ کشمیری یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ انھیں اس فیصلے کا واضح موقع فراہم کیا جائے کہ وہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، پاکستان میں شامل ہونے کے خواہاں ہیں یا آزاد رہنا چاہتے ہیں۔

۱۶۱۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان تعلقات:

پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کے مسئلہ پر ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۵ء میں جنگ ہوئی۔ پھر مشرقی پاکستان اور کشمیر کے مسئلوں پر ان میں ۷۱-۱۹۷۰ء میں ایک اور جنگ ہوئی۔ اقوام متحدہ، تاشقند اور شملہ میں ہونے والے سابقہ معاہدے قیام امن میں ناکام رہے۔ عام طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ دونوں ملکوں کے پاس یا تو ایٹمی ہتھیار موجود ہیں یا وہ انھیں آسانی کے ساتھ تیار کر سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۹۰ء کے اوائل میں دونوں ملک ایٹمی محاذ آرائی کے بہت قریب آ گئے تھے۔ اس حقیقت کا اعتراف دونوں ملکوں کو کوئی بڑی جنگ چھیڑنے سے باز رکھ سکتا ہے۔

امن کے لیے مختلف تجاویز پیش کی جاتی رہی ہیں۔ ایسی ہی ایک تجویز کے تحت بھارت اور پاکستان کو ایٹمی اسلحہ کی متفقہ تعداد رکھنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ تاہم بھارت کو چین سے تحفظ کے لیے کچھ اضافی ہتھیار رکھنے کی اجازت بھی دی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد ہر فریق کو ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات کے مکمل معائنہ کے حقوق دے دیے جائیں گے۔

امریکہ اور یورپ اس امر کو یقینی بنانا چاہتا ہیں کہ (الف) برصغیر میں کوئی ایٹمی جنگ نہ چھڑے اور (ب) پاکستان کوئی ایٹمی اسلحہ مشرق وسطیٰ کے کسی ملک کے حوالے نہ کرے جو اسرائیل کے لیے خطرہ کا سبب بن سکے۔ خیال یہی ہے کہ بھارت چین کو بھی اس معاہدہ کا فریق بنانا چاہے گا۔ تاہم اس سے نہ کشمیر کا مسئلہ حل ہو گا اور نہ اس خطرے کا انسداد ہو گا جو

Marfat.com

بھارتی مسلمان محسوس کر رہے ہیں۔

۱۶۲۔ مغربی طاقتوں کے حملے:

تین صدیوں تک یا اس کے لگ بھگ مغربی طاقتوں نے بیشتر مسلم ممالک میں اپنی نو آبادیاں قائم کیں اور ان پر براہ راست حکومت کی۔ بہت سی سابق نو آبادیوں کی آزادی کے بعد جب سفارتی کوششیں ناکام ہو گئیں تو مغربی ممالک نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اکثر اپنے گرگوں کو استعمال کیا اور خفیہ کارروائیوں کا سہارا لیا۔

مغربی عوام کی نظروں میں تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ دہشت گردانہ سرگرمیاں سخت ردعمل کی مستحق ہیں جو "دہشت گرد قوموں" کے ضمن میں ان کی حکومتوں کی حالیہ پالیسیوں سے ظاہر ہے۔

دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو اس بات سے پریشان ہیں کہ سوویت یونین سے مصالحت کا عمل شروع ہونے اور پھر سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد سے مغرب منتخب مسلم ممالک کو عدم استحکام سے دوچار کرنے اور ان پر حملے کرنے میں مشغول ہے۔ وہ اس بات کے شاکی ہیں کہ اسرائیلی، سربیائی یا مغرب نواز حکومتوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی ہلاکت پر واشنگٹن سے ہلکے پھلکے بیانات کے ذریعے تمام فریقوں کو "اپنے تنازعات پر امن طریقے سے طے کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ تاہم مسلمانوں کی طرف سے کارروائی پر امریکی حکومت کی مکمل سرپرستی میں سخت سرزنش، پابندیوں اور حملوں کو حق بجانب قرار دیا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں مغربی طاقتوں اور بالخصوص امریکہ کی طرف سے عالمی رائے عامہ، دیگر مسلمانوں کے ردعمل، فوجی نتائج، یا بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کا کوئی لحاظ کیے بغیر مسلم ممالک پر مغربی طاقتوں اور بالخصوص امریکہ کے کھلم کھلا حملوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ایران میں ایک مسافر بردار طیارہ پر حملے کے نتیجے میں تین سو سے زائد بے گناہ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ صدر ریگن کے دور میں یورپ کے ایک نائٹ کلب میں بم پھٹنے پر انتقامی کارروائی میں لیبیا پر فضائی حملے کیے گئے۔ بعد کی اخباری رپورٹوں پر کہ لیبیا اس معاملہ میں

Marfat.com

ملوث نہیں تھا کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ عراق پر خوفناک یلغار کے نتیجے میں لاتعداد شہری ہلاک اور زخمی ہوئے۔ جنگ خلیج کے بعد بھی عراق کے خلاف مخصوص وجوہ کی بنا پر فضائی حملے کیے گئے۔

عام طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ ایران اور اس کا اسلامی انقلاب احیائے حرکت اسلامی کا نقیب ہے۔ اکثر مبصرین کا خیال ہے کہ مغربی انتقامی کارروائی کا اگلا ہدف ایران ہوگا۔ عراق کی تباہی کے بعد سے اسرائیلی حکومت نے ایران کو مغرب، اعتدال پسند عربوں اور یقیناً خود اسرائیل کی سلامتی کے لیے سب سے بڑا خطرہ بنا کر پیش کیا ہے۔ پاکستان کی طرح ایران کے بارے میں بھی یہی خیال ہے کہ وہ "اسلامی بم" بنانے کے بہت قریب پہنچ چکا ہے۔
مصری حکومت نے بھی جو اپنے داخلی اقتصادی اور معاشرتی مسائل کی اصلاح میں ناکام رہی ہے، اسرائیلی نقطۂ نظر کی تائید شروع کردی ہے۔ امریکہ کی عالمی امداد کا بڑا حصہ وصول کرنے کا سلسلہ جاری رکھنے کی غرض سے مغرب کو مشرق وسطیٰ میں خطرہ کا جواز فراہم کرنا دونوں ملکوں کی ضرورت ہے۔ بعض لوگوں کو یہ خدشہ بھی ہے کہ سعودی عرب بھی ایران کے خلاف کارروائی کے لیے امریکہ پر زور دے سکتا ہے۔ انھیں ڈر ہے کہ صرف کوئی ایسا امریکہ دشمن واقعہ پیش آنے کی دیر ہے جس کا تعلق ایران سے بنتا ہو۔ ۱۹۹۴ء کے وسط میں ارجنٹائن کے دارالحکومت بیونس آئرز میں یہودیوں کے ایک مرکز کے قریب بم کا دھماکہ یہ موقع فراہم کرسکتا تھا مگر ارجنٹائن کے حکام اس واقعہ کا تعلق ایران سے جوڑنے میں ناکام رہے۔

۱۶۳۔ روحانی اندیشے (ترغیبات):

دین دار مسلمان مغربی معاشروں کی جانب سے پیش کی جانے والی ترغیب و تحریص سے پریشان ہیں۔ انسان، بالخصوص نوجوان طبقہ، بلا روک ٹوک آزادانہ زندگی گزارنے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ تصوراتی آزادیوں، کسی پابندی اور شادی کے جھمیلوں میں الجھے بغیر مرد و زن کے میل جول اور کبھی کبھار جنسی تعلقات، بہ آسانی شراب کے حصول، شہوانی رقص، گرم موسم میں معقول لباس کی قید سے آزادی، بے حیائی کی گفتگو اور اقدامات اور مسلمہ مذہبی رسوم سے آزادی میں بڑی کشش محسوس کرتے ہیں۔ ناپختہ ذہن رکھنے والے کسی بھی

Marfat.com

مسلمان کے لیے یہ تمام باتیں بڑی دلفریب اور پرکشش ہوتی ہیں۔ مغربی معاشروں میں یہ سب باتیں بڑی عام ہیں اور ذرائع ابلاغ کے تفریحی پروگراموں میں ان کی تصویرکشی ہوتی رہتی ہے۔

مغرب کا سفر کرنے والے یا مغرب میں مقیم متعدد مسلمان شکار ہو چکے ہیں۔ دنیا کے دیگر حصوں کے دولت مند مسلمان بھی جن میں مسلم اکثریتی ممالک بھی شامل ہیں، اس راستہ پر چل رہے ہیں۔ دوسرے لوگ اس طرز زندگی کا ذاتی طور پر یا ٹی وی کے ذریعے مشاہدہ کر رہے ہیں اور ہر چند کہ اس میں شریک نہیں مگر یہ سب کچھ ان کے لیے بہت رغبت انگیز ہے۔ ان ترغیبات کی مزاحمت کس طرح کی جائے اور خود کو اور اپنے خاندانوں کو ان سے کیوں کر بچایا جائے یہ بات بہت سے مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔

ستم ظریفی دیکھیے کہ امریکہ میں سیاسی طور پر سرگرم عمل عیسائی اب خود یہ کہہ رہے ہیں کہ ان کے معاشرے میں پھیلی ہوئی اس وبا کا توڑ صرف اور صرف مذہب کے بنیادی اصولوں سے رجوع کر کے ہی ممکن ہے۔ یہی خیال بہت سے مسلمانوں کا بھی ہے۔

مسلم ممالک میں اس صورتحال کی وجہ سے جدید مغربی اقدار کے خلاف شدید ردعمل ہوا ہے اور اس کے نتیجے میں "حجاب" اوڑھنے، شراب سے اجتناب کرنے اور اجتماعات جمعہ میں شرکت کرنے کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ امریکہ کے حالیہ انتخابات میں دیکھنے میں آیا، مذہبی بنیاد پر چلائی جانے والی سیاسی تحریک حکمراں جماعت کے لیے گہرے مضمرات کا سبب بن سکتی ہے۔

۱۶۴۔ خدا کے وجود سے انکار کا چلن:

ایک سابق کیتھولک راہبہ کیرین آرم اسٹرانگ نے اپنی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہونے والی کتاب "اے ہسٹری آف گاڈ" میں اس روایتی عقیدہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہ خدا نے انسان کو تخلیق کیا اس کا موازنہ اس جدید مغربی تصور سے کیا ہے کہ انسان نے خدا کو تخلیق کیا۔

اگرچہ تینوں وحدانی مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام ایک ایسے خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہیں جو دیکھتا اور سنتا ہے، سزا اور جزا دیتا ہے مگر دنیا میں بہت سے لوگ اس بنیادی عقیدہ سے منحرف ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

لادینیت (سیکولرازم) کی طاقت اور کشش بڑھتی جارہی ہے۔اسی طرح عیسائیوں، مسلمانوں اور یہودیوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے جو بنیادی مذہبی اصولوں کی بڑی شدت سے تائید اور اقرار کرتے ہیں۔ایسے حالات پیدا ہوتے نظر آرہے ہیں جن میں شدید تصادم ناگزیر ہو جائے گا۔ بہت سے لوگوں نے پیش گوئی کی ہے کہ اس قسم کے گروہی اختلافات رونما ہوں گے، انتہائی بنیادی انسانی خیالات، اعتقاد اور بے اعتقادی کے حوالے سے تفرقہ جنم لے گا۔

۱۶۵۔ مسلم حکومتوں کا لادینی رویہ:

بہت سی مسلم حکومتوں کے آئین سیکولر ہیں جن میں مذہب اور حکومت کو جدا کر دیا گیا ہے۔ مصر جیسے بعض ملکوں نے مذہبی جماعتوں کی تشکیل ممنوع قرار دے دی ہے۔ترکی یورپی اقتصادی برادری کی رُکنیت کا خواہاں ہے اور وہ مذہبی اصولوں پر مفاہمت کے لیے بھی آمادہ ہے۔الجزائر میں فوجی حکومت اسلامی جماعتوں کے ارکان اور حامیوں پر کھلے عام ظلم کر رہی ہے۔پاکستان اندرون ملک فرقہ وارانہ تشدد اور بیرون ملک ''بنیاد پرست'' کا ٹھپہ لگنے کے ڈر سے مذہب کو حکومت سے علاحدہ کرنے کی گہری خواہش رکھتا ہے۔

(ب) غیر مسلم حکومتوں کا مذہب دشمن رویہ:

۱۶۶۔ عیسائیت دشمن رویہ:

مغرب اور اس کے پریس بالخصوص امریکہ نے اپنے مضبوط مذہبی ورثہ اور عقیدے کے اعتبار سے اپنی آبادی کی غالب اکثریت کے عیسائی ہونے کے باوجود خود کو سیکولر ظاہر کیا ہے۔ لادینیت کے اس اقرار کو امریکہ میں انجیل کی تعلیمات پر یقین رکھنے والے اور دیگر کٹر عیسائیوں نے پسند نہیں کیا۔ ان کے خیال میں ان کی حکومت اور ذرائع ابلاغ خدا کے راستے سے بھٹک چکے ہیں اور مذہب سے مخاصمت پر اتر آئے ہیں۔یہ عیسائی اسقاط، ہم جنس پرستی، اسکولوں سے مذہب کے اخراج وغیرہ کے بارے میں اپنی حکومت کے موقف کو مسترد کرتے ہیں۔

حکومت خود کو تمام مذاہب کے سلسلے میں غیر جانبدار اور سیکولرازم کی داعی تصور کرتی ہے۔

Marfat.com

تاہم اس کی غیر جانبداری کو عیسائیوں کی مخالفت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ چرچ اور ریاست میں علاحدگی کا نفاذ کر کے روایتی عیسائی اصولوں کو معاشرے سے خارج کر دیا گیا ہے اور مذہب دشمن طرز عمل کے ایسے ایسے نئے اور منکرانہ زاویہ نگاہ کے رواج کی اجازت مل گئی ہے جو احاطہ خیال میں آسکتے ہوں۔ انھوں نے اس امر کا دستاویزی ثبوت پیش کرنے کی کوشش بھی کی ہے کہ یہ آئین یابانیان امریکہ کا اصل مقصد نہ تھا۔

۱۶۷۔ یہودیوں میں یہود دشمنی:

امریکہ میں یہودی بہت منظم ہیں اور خاصا سیاسی اثر ورسوخ بھی رکھتے ہیں۔ اسرائیل کے تحفظ اور اسے مضبوط بنانے کی بات ہو تو اکثر یہودی بڑی قوم پرستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ اپنی ثقافت اور روایات پر بھی فخر کرتے ہیں۔ تاہم اکثر یہودی جدید لادینی معاشرے کے دام میں پھنس کر اپنے مذہبی فرائض سے دور ہو گئے ہیں۔ جدت کے رسیا بہت سے یہودی یہودیت سے کہیں زیادہ سائنس پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ سیکولرازم کی سمت اسی تحریک کی عکاسی کرتے ہیں جو بیسویں صدی میں یورپی اور امریکی معاشرے پہلے ہی کر چکے ہیں۔

اسرائیل میں مذہبی جماعتیں سیاسی اقتدار کے توازن میں بڑا کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ تاہم ووٹوں کی اصل تعداد کے حوالے سے یہ جماعتیں اقلیت کی نمائندگی کرتی ہیں۔

اسرائیل خود ایک سیکولر ریاست ہے۔ ایک سیاسی ریاست کے طور پر تو اسرائیل کے دفاع اور تحفظ کے لیے تو وسیع پیمانہ پر حمایت موجود ہے مگر توریت اور تلمود کو دوبارہ ملک کا قانون قرار دینے کے حامی چند ہی لوگ ہیں۔

گنبد صخریٰ کے مسئلہ پر جو مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے لیے مقدس ہے، تنازع سے یہودیوں کی بعید از عقل سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کی جگہ ہے اور وہ اسے منہدم کر کے وہاں ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ایک سیاسی / فوجی مسئلہ کے طور پر یہودی مسلمانوں کے خلاف متحد ہیں۔ تاہم ہیکل کی دوبارہ تعمیر سے متعلق مذہبی مسائل مثلاً مذہبی رسوم کی ادائیگی، انتظامی امور اور اس کے دوبارہ قیام میں متوقع نجات دہندہ مسیحا کے کردار پر بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ بھارت میں ہندو مقامات

Marfat.com

کے مسئلہ پر تنازعات کی طرح اسرائیل میں بھی یہ مسائل مذہبی کم اور سیاسی زیادہ ہیں۔ بہت سے لوگوں کے خیال میں یہودی مذہب بھی اسی طرح سیکولر، سیاسی، فوجی حتی کہ ایک نسلی معاملہ بن چکا ہے۔ صہیونیت نے یہودیت کی جگہ لے لی ہے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس پر پابند مذہب یہودیوں کو سخت تشویش ہے۔

۱۶۸۔ اسلام دشمن رویہ:

مسلمانوں کو انسانیت کے لادین مغربی پیروکاروں کے بنیادی حقوق والے نعرہ کا دشمن تصور کیا جاتا ہے۔ مذہب اسلام کے لیے برائے نام احترام کا اظہار تو کیا جاتا ہے مگر اسلام پر سختی سے عمل کرنے والوں کے ساتھ روا رکھا جانے والا رویہ اکثر بے خبری یا ارادی تعصب کا عکاس ہوتا ہے۔

مسلمانوں کو شکایت ہے کہ جب بات اسلام کی ہوتی ہے تو امریکی حکومت اور ذرائع ابلاغ اپنے عمومی مذہب دشمن متعصبانہ رویہ کا اظہار خوب کھل کر کرتے ہیں۔ ایران اور سوڈان کے مسلم رہنماؤں کی سخت مخالفت کی جاتی ہے جو اپنے مذہب کو فروغ دینا چاہتے ہیں جب کہ مذہب کو سیاست سے علاحدہ رکھنے والے ترکی اور انڈونیشیا جیسے ملکوں کو سینے سے لگایا جاتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ برسوں تک ترکی کو سیکولرازم کا نمونہ سمجھا جاتا رہا اور اس انداز میں اسے فروغ دیا جاتا رہا کہ اس کی پیروی پورے مشرق وسطیٰ اور وسط ایشیائی جمہوریاؤں کو کرنی چاہیے۔ تاہم واحد سپر طاقت کی حیثیت سے چونکہ امریکہ کا کردار اب زیادہ محفوظ ہو چکا ہے اس لیے اب ترکی پر بھی نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ سیکولرازم کو چیلنج کرنے اور سیاسی زندگی میں مذہب کو رواج دینے والے رہنماؤں پر نظر رکھی جاتی ہے اور ان کے خلاف ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ۲۴ر جولائی ۱۹۹۳ء کو جب بوسنیا میں مسلمانوں کا قتل عام جاری تھا اور مسلمان مکمل شکست کے قریب تھے تو "واشنگٹن پوسٹ" نے اپنے اداریہ میں ترکی میں "سیکولرازم کی صحت" کے بارے میں گرفت ضروری سمجھی اور ایک ایسے مصنف کے خلاف تشدد کا حوالہ دیا جس نے سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی آیات" کے کچھ حصوں کا ترجمہ کیا

Marfat.com

تھااور انھیں شائع کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس بااثر اخبار کے مدیروں کو بوسنیا میں نسلی صفائی کے ذریعے حقوق کی پامالی کے مقابلہ میں رشدی کے خلاف فتوے سے نظریات کو لاحق خطرہ قریب تر محسوس ہوا۔

۱۶۹۔روس:

۱۹۹۳ء میں انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کانفرنس میں بوسنیا کے خلاف اسلحہ کی ترسیل پر عائد پابندیاں اٹھانے کے حق میں ۸۸ ووٹ اور مخالفت میں ایک ووٹ پڑا۔ مسلمانوں کی پیش کردہ اس قرار داد کی مخالفت صرف روس نے کی۔ روس مسلمانوں کا اتنا مخالف کیوں ہے؟ اس کی کچھ وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ:

(الف) کمیونسٹ اسلام سمیت تمام مذاہب کے خلاف ہیں۔ (ب) افغانستان میں مجاہدین کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی (ج) سوویت یونین کے ملبہ سے ابھرنے والی نئی مسلم جمہوریاؤں سے روس کے تعلقات ناخوشگوار رہے (د) روسی فوجی افسران کی سربیائی فوجیوں سے ہمدردی جنھیں انھوں نے تربیت دی اور سازوسامان فراہم کیا۔ اور (ہ) علاقے میں بڑھتے ہوئے ایرانی اثرات کا خوف تھا۔ سبب کچھ بھی سہی، بہر حال بوسنیا میں مسلمانوں کو مسلح کرنے کے سب سے بڑے مخالف روسی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے دو بڑی جنگوں میں پاکستان کے خلاف بھارت کی حمایت کی اور مسئلہ کشمیر پر بھی انھوں نے ہمیشہ بھارت کا ساتھ دیا۔

۱۷۰۔اسلامی طرز حکومت کا خوف:

اسلامی طرز حکومت، اس کے آئین اور اب تک کے تجربے پر کتاب میں کسی اور جگہ بحث کی گئی ہے۔ تاہم یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ مسلم ممالک میں اور بیرونی ممالک میں بھی بہت سے لوگ ایسے کسی طرز حکومت کے سخت مخالف ہیں۔ اکثر مسلمانوں کو ڈر ہے کہ "غیر حقیقت پسند اور معمولی تعلیم یافتہ ملاؤں" کی حکومت معاشرہ میں سخت پابندیاں عائد کرے گی جس میں ٹکنالوجی اور ترقی کا عمل ٹھپ ہو جائے گا اور مذہبی رسوم کی ادائیگی سب کے لیے لازم ٹھہرے گی۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱۱

مغرب کی پریشانیاں

مسلمانوں کے ساتھ سلوک کے معاملہ میں تو مسلم ممالک متحد نظر آتے ہیں، لیکن ان کے اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل و مقاصد ایک دوسرے سے الگ ہیں۔امریکی اور یورپی باشندوں کی انفرادی پریشانیوں نیز ان کی مشترکہ الجھنوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

۱۷۔۱۔امریکیوں کی پریشانیاں:

لاس اینجلز ٹائمز کی ۲؍نومبر ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں امریکہ کے عالمی کردار کے بارے میں ''ہم نفاق کا شکار ہیں'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں امریکی رائے عامہ تشکیل دینے والے چھ سو سے زائد سرکردہ افراد کی تشویش کے بارے میں سروے کے نتائج دیے گئے تھے۔یہ افراد تجارت، حکومت، ابلاغ عامہ، خارجہ امور، سلامتی، علوم وفنون، مذہب، سائنس اور انجینئرنگ اور سرکاری شعبوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔سروے کے مطابق مندرجہ ذیل فوری نوعیت کے مسائل امریکی حکومت کی اولین ترجیح کے متقاضی ٹھہرے۔

(الف)روس میں اور دیگر سابق سوویت ریاستوں میں جمہوریت کی کامیابی کو یقینی بنانا۔

Marfat.com

(ب)امریکہ کی بین الاقوامی حیثیت بہتر بنانے کے لیے ملکی معیشت کو مضبوط کرنا۔

(ج)جاپان کے ساتھ تجارتی اور اقتصادی تنازعات بہتر طور پر نمٹانا۔

(د) بلقان میں جنگ ختم کرانا۔

(ہ)اسرائیل اور عربوں کے درمیان مستقل تصفیہ کا اہتمام کرنا۔

(و)امریکہ میں غیر قانونی تارکین وطن کا سیلاب روکنا۔

(ز)شمالی امریکی آزاد تجارتی معاہدہ کی منظوری دینا۔

(ح)از سر نو ابھرتے ہوئے جرمنی پر نظر رکھنا۔

(ط)عالمی ماحول کا تحفظ کرنا۔

(ی)صدام حسین کو عراق سے باہر نکالنا۔

(ک)منشیات کے بین الاقوامی کاروبار کی روک تھام کرنا۔

(ل)شمالی کوریائی عسکریت پسندی کا مقابلہ کرنا۔

(م)عالمی طاقت کی حیثیت سے ابھرتے ہوئے چین پر گہری نظر رکھنا۔

۱۷۲۔ طویل المیعاد پالیسیاں:

سروے کے نتائج میں خارجہ پالیسی کے اُن مندرجہ ذیل طویل المیعاد مقاصد کی نشان دہی ہوئی جن کو اولین ترجیح دینے کی ضرورت ہے۔

(الف)وسیع پیمانہ پر تباہی کا سبب بننے والے ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی روک تھام کرنا۔

(ب)عالمی ماحول کو بہتر بنانا۔

(ج) ترقی پذیر قوموں میں معیار زندگی بہتر بنانے میں مدد دینا۔

(د)امریکہ کے لیے توانائی کی مناسب فراہمی کو یقینی بنانا۔

(ہ)دیگر قوموں میں جمہوریت کو فروغ دینا۔

(و)بیرون ملک امریکی کاروباری مفادات کی معاونت کرنا۔

(ز)امریکی کارکنوں کی ملازمتوں کا تحفظ کرنا۔

(ح)اقوام متحدہ کو مضبوط کرنا۔

Marfat.com

(ط)امریکہ کا تجارتی خسارہ کم کرنا۔

(ی)بیرونی ممالک میں انسانی حقوق کو فروغ دینا اور ان کا دفاع کرنا۔

(ک)امریکہ کے اہم مفادات کو خطرہ لاحق نہ ہونے پر بھی غیر ملکی جارحیت کے خلاف کمزور قوموں کو تحفظ فراہم کرنا۔

۱۷۳۔استحکام کو لاحق خطرات:

ہر مسئلے کے بارے میں بااثر رہنماؤں اور عوام نے جتنے نمبر دیے ان سے اس امر کی نشان دہی ہوئی کہ وہ مسئلہ اولین ترجیح کا مستحق ہے یا نہیں۔ کچھ مسائل پر ملنے والے نمبر اسّی سے تجاوز کر گئے جب کہ بعض مسائل کے نمبر دس سے کچھ اوپر لیکن بیس سے بھی کم رہے۔ تاہم مندرجہ بالا تمام مسائل نے امریکی عوام اور پالیسی بنانے والوں کی تشویش کی عکاسی کی۔

اس سروے نے عالمی استحکام کو لاحق مندرجہ ذیل خطرات کی نشان دہی کی:

(الف)قوم پرستی اور نسلی منافرت۔

(ب)وسیع پیمانہ پر تباہ کن ہتھیاروں کا پھیلاؤ۔

(ج)بین الاقوامی تجارتی تنازعات۔

(د)مذہبی تعصب۔

(ہ)ماحولیاتی آلودگی۔

(و)آبادی میں اضافہ

۱۷۴۔طاقت کے استعمال کا اصول:

اس میں امریکہ کو ایشیا میں چین، جاپان اور شمالی کوریا، مشرق وسطیٰ میں ایران اور عراق اور روس سے لاحق خطرات کی نشان دہی کی گئی۔ یورپ اور بحر الکاہل کے حلقہ کو اس سروے نے امریکہ کے لیے انتہائی اہم خطہ قرار دیا۔ جن لوگوں کا سروے کیا گیا ان کی بہت بڑی تعداد مندرجہ ذیل حالات میں امریکی افواج بیرون ملک بھیجنے کی حامی تھی۔

(الف)سعودی عرب پر عراق کا حملہ ہونے کی صورت میں

(ب)جنوبی کوریا پر شمالی کوریا کی فوج کشی کی صورت میں

Marfat.com

(ج) میکسیکو میں انقلاب یا خانہ جنگی کا خطرہ ہونے کی صورت میں

(د) اسرائیل پر عرب حملوں کی صورت میں

اسلام یا مسلمانوں کو براہ راست خطرہ قرار نہیں دیا گیا۔ تاہم مسلمانوں میں مذہبی تعصب، ایران اور عراق کی عسکریت پسندی اور ایٹمی اسلحہ کے پھیلاؤ سے لاحق خطرات سے اسلام اور مسلمانوں ہی کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ عراق اور ایران اور دونوں سے لاحق خطرہ کو بالعموم "اسلامی" حوالے سے جانا جاتا ہے اور مسلم قوموں میں یہی دونوں اور پاکستان ہی ایسے ملک ہیں جو ایٹمی ہتھیار بنا سکتے ہیں۔ مغرب کے لیے باعث تشویش بعض مسائل پر ذیل میں زیادہ تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

۱۷۵۔ تیل کی فراہمی کا تحفظ:

مشرق وسطیٰ میں تیل کی دولت سے مالا مال بیشتر ریاستیں پچاس سال سے بھی کم مدت گزری برطانیہ نے قائم کی تھیں۔ برطانیہ سے وفاداری کی بنیاد پر بادشاہوں کی نہ صرف حمایت کی گئی بلکہ ان کی باضابطہ تخت نشینی کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اکثر عربوں نے ان کا تسلط پوری طرح قبول نہیں کیا ہے اور وہ تیل کی دولت کو عربوں کا ایک ایسا اجتماعی ورثہ سمجھتے ہیں جسے چند خاندانوں کے فائدہ کے لیے نہیں بلکہ یکساں طور پر تمام باشندوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔ ان بادشاہوں نے نسبتاً بڑے عرب ملکوں اور ان کے آتش مزاج رہنماؤں سے ہمیشہ خطرہ محسوس کیا ہے۔ انھوں نے اپنا اختیار و اقتدار محفوظ رکھنے کے لیے جمال عبدالناصر اور صدام حسین جیسے رہنماؤں کو مالی امداد بھی دی۔

صدام حسین نے راتوں رات کویت پر قبضہ جما کر دکھا دیا کہ یہ بادشاہتیں کتنی کمزور ہیں۔ جنگ خلیج نے تیل پیدا کرنے والی شاہی ریاستوں اور مغرب کے درمیان قریبی تعلقات کو بھی پوری طرح واضح کر دیا۔ خلیج کی یہ شاہی حکومتیں، جو علاقہ میں نکلنے والے تیل کی بیشتر مقدار کو کنٹرول کرتی ہیں، ایک بار پھر اپنی بقا کے لیے امریکہ اور مغرب کی زیر بار احسان ہیں۔ فی الحال تیل کی فراہمی تو یقینی ہو گئی ہے مگر یہ بدستور ایک اہم ترین اور واحد مسئلہ ہے جو مسلمانوں کے بارے میں مغرب کے لیے حقیقی تشویش کا باعث بنا ہوا ہے۔

Marfat.com

۱۷۶۔ تیل کی قیمت:

کئی عشروں تک تیل کی قیمتیں انتہائی حد تک کم رہنے کے بعد ایران اور تیل پیدا اور برآمد کرنے والے ملکوں کی تنظیم (اوپیک) کے عرب ارکان نے ۱۹۷۳ء کی عرب۔ اسرائیل جنگ کے بعد تیل کی قیمتوں میں اضافے کا کامیاب مطالبہ کیا۔ اس سے تیل درآمد کرنے والے ممالک سخت مشکلات اور دشواریوں سے دوچار ہوگئے۔ بھاری مقدار میں تیل درآمد کرنے کی بناپر مغرب کو اس صورتحال سے خاص طور پر پریشانی ہوئی۔ تاہم جنگ خلیج کے بعد سے تیل کی قیمتوں میں کسی بڑے اضافے کا خطرہ بڑی حد تک کم ہوگیا ہے کیوں کہ تیل برآمد کرنے والی مملکتیں مغرب کی احسان مندی کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود طویل اور درمیانہ عرصہ میں بھی تیل کی قیمتوں میں اضافہ کا خطرہ بہرحال موجود ہے۔

۱۷۷۔ اسرائیل کی سلامتی:

سستی قیمت پر تیل کی فراہمی کا تسلسل برقرار رکھنے کے بعد مشرق وسطیٰ میں مغرب کا سب سے اہم مقصد اسرائیل کی سلامتی اور تحفظ ہے۔ سوویت یونین کے خطرہ کے پیش نظر حکمت عملی کی رو سے اسرائیل بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ دلیل پیش کی جاتی تھی کہ اس خطے میں، خصوصاً عراق، شام اور لیبیا کے لیے سوویت یونین کی حمایت کی روشنی میں، امریکہ کو اسرائیل جیسے قابل اعتماد اتحادی کی ضرورت تھی۔

سوویت یونین کی تحلیل کے بعد امریکہ کے سلامتی سے متعلق مفادات کے حوالے سے اسرائیل کی اہمیت بھی کم ہوگئی۔ اس کے علاوہ جنگ خلیج نے اسرائیل کے ساتھ بہت زیادہ قربت سے پیدا ہونے والی بعض ذمہ داریوں کو بھی نمایاں کر دیا۔ صدام حسین نے اپنے مقصد کے لیے حمایت حاصل کرنے اور اپنے خلاف صف آرا عربوں کا اتحاد کمزور کرنے کی غرض سے اسرائیل کے خلاف عربوں کے مخاصمانہ جذبات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ جنگ خلیج کے دوران میں دنیا پر یہ بات پوری طرح عیاں ہوگئی کہ سعودی عرب کی سلامتی بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ اسرائیل کی سلامتی۔ اس خطے کی حکومتوں میں کوئی بڑی تبدیلی اسرائیل کے لیے خطرہ کا سبب بن سکتی ہے۔ اسرائیل اور اس کے سرپرستوں نے

Marfat.com

مشرق وسطیٰ میں عربوں کو تقسیم کر رکھا ہے۔ تاہم عربوں نے خود بھی ان کا کام آسان بنادیا ہے۔ اسرائیل اور امریکہ جب چاہیں عربوں پر بم برسا سکتے ہیں اور دونوں ہی ایٹمی اسلحہ استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

تاہم مذہبی، سیاسی اور اقتصادی وجوہ کی بنا پر مغربی لیڈروں میں اسرائیل کی سلامتی و تحفظ کو بدستور بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے بااثر عیسائی رہنما مختلف وجوہ کی بنا پر اسرائیلی ریاست کی حمایت میں پیش پیش ہیں جن میں حیات بعد از ممات کے عقائد (مسائل معاد) بھی شامل ہیں۔

اس وقت سب کی نظریں فلسطین کی تنظیم آزادی (پی ایل او) اور اسرائیل کے درمیان معاہدہ امن پر عملدر آمد پر لگی ہوئی ہیں۔ فلسطینیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کر کے اسرائیل نے بہت سے دوست بنالیے ہیں جن میں عرب بھی شامل ہیں۔ حقیقی امن قائم ہونے سے دوستوں کی یہ تعداد اور بھی بڑھ سکتی ہے اور اسرائیل کی سلامتی کے بارے میں مغرب کی پریشانیاں رفع کرنے میں بھی بڑی مدد مل سکتی ہے۔

۱۷۸۔ شمالی کوریا کا مسئلہ:

شمالی کوریا سنہ چالیس کی دہائی کے اواخر سے، جب اسے سوویت یونین اور چین کی حمایت حاصل ہوئی، جنوبی کوریا کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔ اس نے جنوبی کوریا پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں امریکی قیادت میں اقوام متحدہ نے مداخلت کی۔ یہ بھی اطلاعات ہیں کہ شمالی کوریا ایٹمی ٹکنالوجی کو فروغ دے رہا ہے۔ وہ اپنی ایٹمی تنصیبات کے بین الاقوامی معائنے کی اجازت دینے سے انکار کر رہا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں بعض حکومت دشمن گروہوں کو میزائل سمیت روایتی اسلحہ فروخت کر رہا ہے اور جنوبی کوریا کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔

اگر شمالی کوریا ایٹمی ہتھیار بنالیتا ہے تو پھر جاپان بھی ایٹمی ہتھیاروں سے اپنے قطع تعلق کے فیصلے پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔ امریکہ نے جنوبی کوریا میں بہت بڑی تعداد میں فوج تعینات کر رکھی ہے اور شمالی کوریا کو بار بار خبردار کر چکا ہے۔ حتیٰ کہ چین بھی، جس نے جنگ کوریا میں شمالی کوریا کی حمایت کی تھی، اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنے میں امریکہ سے تعاون کر رہا

Marfat.com

ہے۔ سابق امریکی صدر کارٹر کے دورہ کے بعد امریکہ اور شمالی کوریا کے درمیان طے پانے والے سمجھوتوں کے ضمن میں عملدرآمد پر سب کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔

۱۷۹۔ اتلافِ جان کے بغیر عالمی کنٹرول کا حصول:

حالیہ برسوں میں مغرب خاصا خوش قسمت رہا ہے۔ لیبیا، عراق، گریناڈا، پنامہ اور ہیتی کے ساتھ ہونے والے تصادم میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد نسبتاً بہت کم رہی ہے۔ ہر امریکی حکومت جانتی تھی کہ اگر امریکیوں کا کوئی قابل ذکر جانی نقصان ہوا تو اس کا فوری نتیجہ امریکی رائے دہندگان کی حمایت کے خاتمے کی شکل میں برآمد ہو سکتا ہے۔ بہر صورت اقتصادی یا انسانی حوالوں سے مہنگی اقتصادی پالیسیوں کی عوامی منظوری برقرار رکھنا مغربی لیڈروں کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ اکثر اوقات کسی مخصوص پالیسی کے لیے حمایت میں اضافے کی غرض سے تصوراتی خطرات ظاہر کیے جاتے ہیں یا انھیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہر الزام اسلام اور مسلمانوں کے سر منڈھ دیا جاتا ہے۔

۱۸۰۔ قرضہ اور خسارے:

مغرب اور امریکہ کو سال بہ سال بجٹ کے بھاری خساروں سے آئندہ مرتب ہونے والے اثرات کے بارے میں تشویش لاحق ہے۔ ریگن انتظامیہ کے آغاز سے اب تک امریکہ پر قرضوں میں چار گنا اضافہ ہو چکا ہے جس میں کمی کے آثار نظر نہیں آتے۔ ساتھ ہی ساتھ مصر اور اسرائیل کے لیے غیر ملکی امداد چھ ارب ڈالر سالانہ سے زائد ہے اور اس میں بھی کمی کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا۔ اس مالی اور اقتصادی بوجھ کے ساتھ ساتھ داخلی طور پر حد سے بڑھتے ہوئے سرکاری اخراجات پر ناپسندیدگی کی وجہ سے مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی خارجہ پالیسی پر دباؤ پڑ رہا ہے۔

یہ پریشانی اپنی جگہ بدستور موجود ہے کہ جنگ پسند مسلم لیڈر علاقہ میں عدم استحکام پیدا کریں گے جس کی بنا پر اضافی فوجی اور غیر ملکی امداد کی فراہمی ضروری ہو گی۔ مثلاً جب صدام حسین کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی فوجیں نقل و حرکت کر رہی ہیں تو جوابی کارروائی کے لیے فوجی اقدامات کیے جاتے ہیں جن پر اربوں ڈالر خرچ ہو جاتا ہے۔ تیل پیدا کرنے

Marfat.com

والی مالدار شاہی ریاستیں ان اخراجات کا بوجھ اسی صورت میں بانٹ سکتی ہیں جب ان کے پاس پیسہ ہو۔ تیل کی قیمتیں کم ہونے، بھاری فوجی اخراجات، بڑھتے ہوئے قومی قرضوں اور بجٹ کے خساروں کی بنا پر شاید وہ مستقبل میں اتنی سخاوت کا مظاہرہ نہ کر سکیں جتنی فیاضی سے وہ ماضی میں کام لیتی رہی ہیں۔

۱۸۱۔ بے روزگاری:

اپنے شہریوں کو جواب دہ منتخب رہنما بیروزگاری کے بارے میں پریشان ہیں۔ حال ہی میں سرد جنگ کے خاتمے اور اس کے نتیجے میں "امن کی پوپھٹنے" سے وسیع پیانہ پر ملازمت کے مواقع کم ہو گئے ہیں۔ امریکہ، مغربی یورپ، مشرقی یورپ اور سابق سوویت یونین میں مسلح افواج میں کافی کمی کر دی گئی ہے۔ اسلحہ سازی کی صنعت میں کاروبار بہت کم ہو گیا ہے اور اس میں مزید کمی کا خدشہ ہے۔

اس نقصان کا اثر فولاد سازی کی صنعت، نقل و حمل اور معیشت کے متعدد دوسرے شعبوں پر بھی مرتب ہوا ہے ان سب کا مطلب تھا ملازمت کے مواقع کا خاتمہ۔ اور یہ سب کچھ ایک ایسے وقت پر ہوا ہے جب بہت سے ملکوں میں ٹکنالوجی کی ترقی اور کساد بازاری کے نتیجے میں روزگار کے مواقع پہلے ہی بہت کم ہو چکے ہیں۔ صدر بش کو زیادہ تر اقتصادی مسائل کی وجہ سے ہی دوبارہ انتخاب کی کوششوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

۱۸۲۔ جنگ عظیم اول و دوئم کے متحارب فریقوں میں اتحاد:

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد دو عالمی جنگوں میں ملوث تمام بڑی طاقتیں...... امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس، اٹلی، جاپان اور روس اب متحد ہو چکی ہیں اور ان میں باضابطہ یا غیر رسمی اتحاد قائم ہو گیا ہے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ دنیا کی تمام بڑی طاقتیں ساتھ ساتھ کھڑی ہیں۔ موجودہ عالمی تجارتی بلاکس کی تفصیل اگلے صفحہ پر دی گئی ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی طاقتیں بھی ان بلاکس میں شمولیت کے لیے بے چین ہیں۔ جنگ خلیج میں اس اتحاد کی آزمائش ہوئی اور کامیابی نے اس اتحاد کو اور بھی مضبوط کر دیا۔

Marfat.com

خاکہ ۴۔ عالمی تجارتی بلاکس

جی۔۷ (سات کا گروپ)۔

امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، جاپان، جرمنی، اٹلی اور فرانس۔ روس کو سلامتی سے متعلق مسائل پر گفتگو میں حصے لینے والے کی حیثیت سے اس گروپ میں شامل کر لیا گیا ہے۔

ای یو (یورپین یونین)۔

انگلینڈ، فرانس، اٹلی، اسپین، جرمنی، یونان، پرتگال، ڈنمارک، لکسمبرگ، بلجیم، آئرلینڈ۔

ای ایف ٹی اے (یورپین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن)۔

آسٹریا، لختینسٹین (Liechtenstein) آئس لینڈ، فنلینڈ، ناروے، سوئڈن، سوئزرلینڈ۔

ای ای اے (یورپین اکنامک ایریا)۔

یورپی برادری اور یورپی آزاد تجارتی ایسوسی ایشن۔

این اے ایف ٹی اے (نارتھ امریکن فری ٹریڈ ایریا)۔

کینیڈا، امریکہ اور میکسیکو۔

سی آئی ایس (آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ)۔

روس، قازقستان، کرغیزستان، تاجکستان، ترکمانستان، ازبکستان، آذربائجان، آرمینیا، یوکرین، مالڈووا، بیلاروس۔

آسیان (جنوب مشرقی ایشیائی اقوام کی ایسوسی ایشن)۔

فلپائن، تھائی لینڈ ملائیشیا، سنگاپور، انڈونیشیا اور برونائی۔

ای اے ای جی (مشرقی ایشیائی اقتصادی گروپ)۔

"آسیان"، جاپان، چین، جنوبی کوریا، ہانگ کانگ، تائیوان اور ویتنام۔

جنوبی افریقہ:

نمیبیا، بوٹسوانا، زمبابوے، لیسوتھو، موزنبیق، جنوبی افریقہ۔

کیریکوم۔(Cari.Com)۔

انٹی گوا اور باربوڈا، بہاماز، بارباڈوس، ڈومینیکا، گریناڈا، جمائیکا، مونٹ سیرات، سینٹ کرسٹوفر مینوس، سینٹ لوسیا، سینٹ ونسنیٹ اور گرینا ڈائنز، ٹرنیاڈاڈ اور ٹوباگو، بلیز اور گیانا۔

سنٹرل امریکن مارکیٹ:

گوئٹے مالا، ایل سلواڈور، ہونڈوراز، کوسٹاریکا اور نکاراگوا۔

اینڈین پیکٹ:

وینیز ولا، کولمبیا، ایکویڈور، پیرو اور بولیویا۔

جی۔۳ (تین کا گروپ)۔

کولمبیا، وینزولا اور میکسیکو (جنوبی کولمبیا زون): برازیل، پیراگوئے، ارجنٹائن، یوروگوئے۔

مرکوسر (جنوبی کون زون):

برازیل، پیراگوئے، ارجنٹائن اور یوروگوئے۔

Marfat.com

یورپی اقتصادی یونین کی تشکیل سے تجارتی رکاوٹوں میں کمی کے دور کا آغاز ہوا۔ امریکہ، کینیڈا اور میکسیکو نے "نافٹا" کے سمجھوتے پر دستخط کیے۔ کیوبا کے سوا دیگر لاطینی امریکی ممالک اور امریکہ میں اضافی معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ ایسے ہی علاقائی تجارتی سمجھوتوں کی تجویز دنیا بھر میں پیش کی جا رہی ہے۔ جوں جوں دنیا سکڑتی جا رہی ہے، قومی سرحدیں بھی دھندلا رہی ہیں اور تارکین وطن کا سیلاب مقامی باشندوں کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔ قوم پرستانہ جذبات سیاستدانوں کے ہاتھوں میں اکثر ایسا ہتھیار بن جاتے ہیں جسے وہ ووٹر کی حمایت حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ نئے عالمی نظام کے دو اہم کردار جرمنی اور روس میں ایسے ہی قوم پرستانہ جذبات کی علامات ظاہر ہوئی ہیں۔ کسی نئے ہٹلر یا نئے اسٹالن کا خطرہ ہر وقت موجود ہے۔

۱۸۳۔ روس:

سوویت یونین ٹوٹنے سے مغرب کی سب سے بڑی پریشانی دور ہو گئی۔

سابق سوویت یونین کی متعدد ریاستوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ مشرقی یورپ بھی یورپی یونین میں شمولیت کی گہری خواہش رکھتا ہے پولینڈ، چیک جمہوریہ، ہنگری، رومانیہ اور بلغاریہ پہلے ہی قریبی تعلقات استوار کر چکے ہیں اور وہ اکیسویں صدی کے اوائل تک یورپی یونین کی رکنیت کے لیے کوشاں ہیں۔

روس، جو مشرقی یورپ کا سب سے بڑا اور نیا ملک ہے وہ صدر بورس یلسن کی قیادت میں جس حد تک سیاسی دور اندیشی اجازت دیتی ہے تعاون کا مظاہرہ کرتا رہا ہے۔

پارلیمنٹ میں کمیونزم نظام کے جہاں دیدہ پاسبانوں کی مختصر سی بغاوت کو کامیابی سے کچل دیا گیا اور پھر دسمبر ۱۹۹۳ء میں نئے پارلیمانی انتخابات کرا دیے گئے۔ ستر سال سے زائد مدت کے بعد منعقد ہونے والے پہلے آزادانہ انتخابات کے نتائج سے مغرب کو سخت دھچکا لگا۔ چالیس فیصد سے زائد نشستیں یلسن اصلاحات کے کٹر مخالف قوم پرستوں اور کمیونسٹوں نے جیت لیں۔

روسی عوام کو اپنے معیار زندگی میں قابل ذکر حد تک کمی کا تجربہ پہلے ہی ہو چکا ہے اور اب انھیں بڑھتی ہوئی غربت اور لاقانونیت کا سامنا ہے۔ مغرب کو اپوزیشن لیڈر

Marfat.com

ولاڈیمیر زرینووسکی کی مغرب دشمن تقریروں پر خاص طور سے تشویش ہے۔ جرمنی، پولینڈ اور بالٹک ریاستیں، یوکرین اور امریکہ سب ہی خطرہ محسوس کرتے ہیں اور وہ کھل کر اپنی تشویش کا اظہار بھی کر چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یلسن حکومت سرمایہ دارانہ اصلاحات پر عملدر آمد میں محتاط ہے۔

بوسنیا اور "ناٹو" میں مجوزہ توسیع کے مسئلہ نے امریکہ اور روس کے درمیان اہم سفارتی اختلافات پوری طرح واضح کر دیے ہیں۔ اس کے علاوہ جیسے جیسے داخلی مسائل بڑھ رہے ہیں اور عوامی حمایت گھٹ رہی ہے، یلسن کے لیے مغرب کے ساتھ تعاون دشوار تر ہوتا جارہا ہے۔

۱۸۴۔ جاپان:

دوسری جنگ عظیم میں جاپان اور امریکہ کی قیادت میں اتحادیوں کے درمیان زبردست تصادم ہوا۔ جاپان وہ واحد ملک ہے جس نے جدید دور میں امریکہ پر حملہ کیا۔ اس کے جواب میں امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے۔ جنگ کے بعد طاقت کے استعمال کی مذمت کے لیے جاپان کا آئین دوبارہ تحریر کیا گیا۔ اس کے بعد سے جاپان نے اپنی توجہ اقتصادی ترقی پر مرکوز کی مگر مغرب کے نقطہ نظر سے وہ اقتصادی طور پر بہت زیادہ طاقت ور ہو گیا ہے۔ صرف امریکہ کے ساتھ سالانہ ادائیگیوں کے توازن کی مد میں خطیر فاضل رقم (پچاس سے ساٹھ بلین ڈالر) جاپان کے حق میں جاتی ہے۔ اس صورت حال کی بنا پر مغرب بالخصوص امریکہ کے ساتھ سنگین اقتصادی اور تجارتی اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ جنگ خلیج کے دوران میں امریکہ نے جاپان کو اقوام متحدہ کی جانب سے مستقبل میں کی جانے والی فوجی کارروائیوں میں شرکت پر اکسایا۔ جاپان بادل ناخواستہ اس پر رضامند ہو گیا ہے۔ اگرچہ جاپان سات غالب عالمی اقتصادی طاقتوں کے گروپ میں شامل ہے مگر مبصرین کا کہنا ہے کہ مغرب نے جاپان کو اپنے ایک ساتھی کی حیثیت سے پوری طرح قبول نہیں کیا ہے۔

ٹکنالوجی کے شعبوں میں بے شمار کامیابیوں اور ایٹمی توانائی پر بھاری انحصار کے باوجود جاپان ابھی تک ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری سے الگ تھلگ رہا ہے۔ تاہم اشتعال انگیزی کی صورت

Marfat.com

میں یہ ساری صورتحال تبدیل بھی ہوسکتی ہے۔ شمالی کوریا کی جانب سے ایٹمی اسلحہ کی تیاری اس کی ایک مثال ہے۔ ۱۰۰۰ کلو میٹر تک مار کی صلاحیت رکھنے والے شمالی کوریائی راکٹ جاپان تک پہنچ سکتے ہیں۔ "ایشیاویک" نے ۶/اکتوبر ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں اپنی ایک رپورٹ میں لکھا ہے کہ قابل اعتماد ایٹمی ہتھیار بنانے میں جاپان کو صرف ایک مہینہ لگے گا گو کہ اس کا امکان نہیں ہے مگر مستقبل میں مغرب سے اختلافات کی صورت میں اس کے لیے اپنی بے پناہ اقتصادی طاقت اور ممکنہ ایٹمی ترقی کے بل پر ایسا کرنا خارج از امکان بھی نہیں۔

۱۸۵۔ چین:

قابل ذکر اقتصادی ترقی کی بنا پر چین بھی اپنی فوجی طاقت بڑھا رہا ہے۔ وہ اپنی مسلح افواج کو جدید خطوط پر استوار کر رہا ہے، اسلحہ سازی کی صنعت کو ترقی دے رہا ہے جس میں طویل فاصلہ کے میزائلوں کی تیاری بھی شامل ہے، روس اور مشرقی یورپی ممالک سے ہتھیار خرید رہا ہے اور نت نئے ایٹمی ہتھیاروں کے تجربے کر رہا ہے۔ مغرب کے دباؤ کے باوجود وہ پاکستان، ایران، اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک کو ہتھیاروں کی فروخت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ ایٹمی اسلحہ کا پھیلاؤ روکنے کے لیے مغربی دباؤ کو مغرب کی بالادستی کو دوام بخشنے کی کوشش تصور کرتا ہے اور اسی لیے ایسی کسی بھی کوشش کا روادار نہیں ہے۔ مغرب سے براہ راست محاذ آرائی سے گریز کرتے ہوئے چین تمامتر توجہ اپنی ترقی پر مرکوز کرنا چاہتا ہے۔

طویل مباحثہ کے بعد امریکہ نے تجارتی معاملات کو انسانی حقوق کے مسائل سے الگ کر دیا ہے اور اقتصادی تعاون اور ترقیاتی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے۔ فوری محاذ آرائی کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ تاہم کمیونزم اب بھی ایک نظریاتی چیلنج بنا ہوا ہے اور مغرب کو چین کے بارے میں بدستور تشویش لاحق ہے۔

۱۸۶۔ جرمنی:

جرمن دنیا کے انتہائی سخت کوش، محنتی، مشینی ذہن کے مالک اور منظم لوگ ہیں۔

پھر اگر وہ مضبوط طور پر باقی رہے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ پہلی اور دوسری جنگو

Marfat.com

میں اصل جنگ جو حریف یہی تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں ان کی شکست کے بعد اتحادیوں نے جرمن آئین دوبارہ تحریر کیا، ملک کو سرمایہ دار اور کیمونسٹ حکومتوں میں تقسیم کر دیا اور اس امر کو یقینی بنایا کہ جرمنوں کو دوبارہ مسلح نہیں کیا جائے گا۔ چالیس سال میں مغربی جرمنی مغربی یورپ کا اقتصادی انجن بن گیا۔ سوویت یونین ٹوٹنے کے بعد جرمن اپنے مشرقی حصہ سے دوبارہ متحد ہونے پر خوش ہوئے۔

۱۹۹۱ء میں جنگ خلیج کی تیاری کرتے وقت اتحادیوں نے دوبارہ مسلح ہونے کے لیے جرمنوں کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ بھی عالمی پولیس مین کے کھیل کے اخراجات میں ہاتھ بٹا سکیں۔

جرمن قوم پرستانہ جذبات کی بڑھتی ہوئی تندی و تیزی اکثر لوگوں کے لیے پریشان کن ہے۔ دوسری جنگ عظیم کی ہولناکیاں دیکھنے والے اکثر لوگ یا تو مر چکے ہیں یا گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ نئی نسل نے نہ تو شکست کھائی اور نہ جنگی جرائم کے بارے میں وہ کوئی بہت زیادہ نادم ہیں۔ بویریا کے وزیر اعظم سمیت ممتاز سیاست دانوں نے قومی تشخص برقرار رکھنے کے حق میں بیانات دیے ہیں۔ غیر ملکیوں کے خلاف تشدد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

واشنگٹن پوسٹ (۲۸ر جون ۱۹۹۳ء) کے مطابق ۱۹۹۰ء میں دو سو ستر پُر تشدد واقعات ہوئے جن میں دائیں بازو کی نئی نسل کے نازی ملوث تھے، ۱۹۹۱ء میں یہ تعداد اٹھارہ سو تینتالیس اور ۱۹۹۲ء میں پچیس سو چوراسی تک پہنچ چکی تھی۔ تشدد کے سب سے زیادہ واقعات ۱۹۹۳ء میں ہوئے۔ یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ جرمن یونی ورسٹیوں میں یہودیوں اور غیر ملکیوں کی تحریر کردہ کتابیں نذر آتش کر دی گئیں جیسے کہ ۱۹۳۰ء کی دہائی میں ہوا تھا۔

۱۸۷۔ یورپ میں امریکہ مخالف جذبات:

یورپی باشندوں میں امریکہ کی پالیسیوں اور اقدامات کے بارے میں خاصی تشویش پائی جاتی ہے اور اکثر لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ:

(الف) امریکہ میں اندرونی تبدیلی آ رہی ہے اور وہ عالمی ذمہ داریوں سے منہ موڑ رہا ہے۔

(ب) امریکہ غیر ملکی بحرانوں میں فوج بھیجنے کے لیے آمادہ نہیں ہے، اسے "اپنے آدمیوں" کے تحفظ کی زیادہ فکر ہے اور کوئی موقف اختیار کرنے کے لیے اس میں اخلاقی جرات کی کمی

Marfat.com

ہے۔ بہت سے جرمن اس سلسلہ میں بوسنیا کی مثال پیش کرتے ہیں۔

(ج) نازک صورتحال میں امریکہ قابل اعتماد ساتھی ثابت نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کے اپنے براہ راست مفادات کا معاملہ درپیش نہ ہو۔

(د) امریکہ نے مشرقی یورپی ممالک کی خاطر خواہ مدد نہیں کی۔

(ہ) کمیونزم کے زوال کے بعد سے امریکہ یورپ کے مقابلے میں مشرقی ایشیا پر کہیں زیادہ توجہ دے رہا ہے۔

۱۸۸۔ برطانیہ میں براعظم (یورپ) کے خلاف جذبات:

برطانیہ اور براعظم یورپ واضح طور پر ایک دوسرے سے مطمئن نہیں ہیں۔ برطانوی باقی یورپ کے ساتھ سیاسی اتحاد کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اس اتحاد کی اقتصادی ترقی کی رفتار پر بھی خوش نہیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ (الف) انھیں یورپی یونین کے اندر عہدوں اور ترقیوں میں مناسب حصہ نہیں دیا گیا ہے اور (ب) یورپی یونین براعظم کے کاشتکاروں سے ضرورت سے زیادہ متاثر ہے۔ براعظم کے خلاف رپورٹیں بڑی وضاحت کے ساتھ برطانوی اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں۔ اگرچہ یورپی یونین نے تاریخی دشمنوں کو یکجا کرنے میں قابل تعریف پیش رفت کی ہے مگر اتحاد ابھی تک ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا ہے۔

۱۸۹۔ حکومت میں اسلام کا خوف:

دوسری جنگ عظیم کے بعد اپنی آزادی کے وقت سے نئی مسلم ریاستوں پر بڑی حد تک مغربی تعلیم یافتہ طبقہ ہی حکمراں رہا ہے۔ مغرب کے لیے ان کے ساتھ کام کرنا اور انھیں "صحیح ڈھرے" پر لگائے رکھنا آسان رہا ہے۔ ایران میں انقلاب کے بعد تقریباً تمام مغرب زدہ ایرانیوں کو ہٹا کر مقامی طور پر تربیت یافتہ اسلامی کارکنوں نے ان کی جگہیں سنبھال لیں۔ سوڈان بھی کسی حد تک ایسے ہی غیر معمولی تجربہ سے گزرا ہے۔ اسلام کی اٹھتی ہوئی لہر سے یہ خوف محسوس کیا جارہا ہے کہ دیگر مسلم ممالک میں بھی مغرب زدہ مسلمانوں کو تبدیل کر دیا جائے گا۔

ایک خوف یہ ہے کہ اگر اسلام اور باعمل مسلمانوں نے سیاسی طاقت کا کنٹرول سنبھال لیا اور وہ

Marfat.com

مکمل یا جزوی طور پر حکمراں بن گئے تو مغرب کے مفادات اور مغربی تعلیم یافتہ حکام کو نقصان پہنچے گا۔ یہ بات نظر انداز کر دی جاتی ہے کہ سعودی عرب کی حکومت، جو مغرب کی قریب ترین اتحادی ہے، بنیاد پرستانہ اسلامی اصولوں پر قائم ہوئی تھی اور اسی بنیاد پر چلائی جا رہی ہے۔ سعودیوں نے تو مغرب کے مفادات کو کوئی اقتصادی نقصان نہیں پہنچایا۔

اسی طرح پاکستان نے بھی اسلامی آئین اپنایا اور وہ ۱۹۵۶ء میں اسلامی جمہوریہ بن گیا تھا۔ اس وقت سے اب تک وہ بتدریج اسلامی قوانین کے نفاذ کی سمت بڑھتا رہا ہے۔ صدر ضیا کے گیارہ سالہ دور حکومت میں اسلامی قوانین کی تحریک میں شدت آگئی تھی مگر عوام کے مزاج کو دیکھتے ہوئے انھیں اپنے اقدامات کو نرم کرنا پڑا۔ اس تمام عرصے میں پاکستان نے امریکہ اور مغرب کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھے۔ پاکستانی ایٹمی پروگرام، جو دونوں ملکوں کے درمیان اصل وجہ نزاع ہے، پڑوسی ملک بھارت کے ساتھ برابری حاصل کرنے کے لیے ذوالفقار علی بھٹو کی سیکولر حکومت نے شروع کیا تھا۔

بنگلہ دیش نے ۱۹۸۸ء میں خود کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا۔ اردن کی پارلیمنٹ میں اسلامی جماعتوں کا ایک بڑا بلاک موجود ہے اس کے باوجود وہ مغرب بلکہ اسرائیل کے ساتھ بھی اچھے تعلقات قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس لیے تمام اسلامی حکومتوں پر جدید سیاست اور حکومت سے عدم مطابقت کا ٹھپہ لگا دینا غلط ہے۔

ایرانی خطرے کی جس کا ذکر مغرب ہمیشہ کرتا رہتا ہے اپنی ایک الگ تاریخ ہے۔ ایران میں امریکہ کے متنازعہ کردار اور ایرانی عوام پر مرحوم شاہ کے بے رحمانہ مظالم کا اسلامی حکومت کے رد عمل سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ایران اور مغرب کے درمیان تنازعہ، میں اگر ایک طرف مذہبی و نظریاتی مسائل اور اقدار کو بے حد اہمیت حاصل ہے تو دوسری طرف گمبھیر سیاسی، اقتصادی اور مالی مسائل بھی حالات کے بگاڑ کا سبب ہیں۔

متعدد مسلم ممالک میں معاشی مصائب کو دیکھتے ہوئے اسلامی جماعتیں بجا طور پر اپنی حکومتوں پر تنقید کر سکتی ہیں۔ یہ حکومتیں اکثر غیر نمائندہ اور عام آدمی کی ضرورتوں سے غافل ہوا کرتی ہیں۔ ایسی حکومتوں کے لیے مغرب کی حمایت پر نالاں عوام اپنے مصائب کے لیے خود

Marfat.com

اپنے حکام کے ساتھ ساتھ مغرب کو بھی موردالزام ٹھہراتے ہیں۔ تاہم جب اسلامی جماعتیں سیاسی عمل میں حصہ لیتی ہیں تو انھیں جلد ہی تمام حکومتوں کو درپیش عملی مشکلات کا پتہ چل جاتا ہے۔ جیسا کہ سعودی عرب، پاکستان، بنگلہ دیش اور اردن میں دیکھا جاچکا ہے یہ جماعتیں سیاسی عمل میں پرامن طریقہ سے تعاون کرتی ہیں۔

اسلامی جماعتوں کے ضمن میں مغربی پالیسیاں کمیونزم کے خلاف سرد جنگ کی حکمت عملی کی یاد دلاتی ہیں۔ اسلام کو مارکسزم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے گویا سماجی انقلاب، دولت اور ذرائع پیداوار پر قبضہ اور موجودہ اقتصادی نظام کی تباہی اسلام کے مقاصد ہیں۔ ظاہر ہے یہ بات درست نہیں ہے۔ چاہے اس کا سبب ناواقفیت ہو، اعلیٰ درجہ کی فوجی تیاری مقصود ہو یا کوئی بین الاقوامی سازش ہو، بہرحال، اسلامی جماعتوں کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ مغرب میں ان کے خلاف نفرت اور خوف کی فضا قائم ہو۔

۱۹۰۔ مسلم ممالک کے اتحاد کا خوف:

مغرب نے اسلامی لیڈروں کو غیر متحد رکھنے اور انھیں باہمی اتحاد قائم کرنے سے باز رکھنے کی حکمت عملی اختیار کر رکھی ہے۔ ایران، عراق، لیبیا کو ایک ایک کر کے نشانہ بنایا گیا۔ عرب ممالک نے ان حملوں کی خاموش یا کھلی حمایت کی۔ ایران کے خلاف جنگ میں عراق اور تقریباً تمام عرب ممالک شریک ہوگئے۔ پھر عراق کے خلاف جنگ میں تقریباً تمام عرب ممالک، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ بھی شامل ہو گئے۔ جب لیبیا پر حملہ ہوا تو چند ہی ایک آوازیں سنائی دیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ۱۹۹۳ء میں عراق پر امریکہ کے میزائل حملے کی حمایت صرف کویت نے کی۔ حتیٰ کہ مغرب زدہ اور سیکولر ترکی نے بھی اعتراضات کیے۔ تاہم مغرب کو مسلم ممالک کے متحد ہو جانے کا دھڑکا لگا ہوا ہے۔

۱۹۱۔ غیر مغربی عوام میں تعاون کا خوف:

بعض مبصرین نے آنے والے دور میں عالمی صف بندی شمال و جنوب کے حوالے سے اس طرح کی ہے جس میں افریقی، ایشیائی اور لاطینی امریکی ممالک کو مشرقی و مغربی یورپی ممالک اور شمالی امریکنوں کے خلاف صف آرا دکھایا گیا ہے۔ اقتصادی اور ترقیاتی پالیسی کے لیے

Marfat.com

اس قسم کا اتحاد کسی حد تک کئی عشروں سے موجود رہا ہے اس کا نتیجہ مغرب پر کسی حد تک اخلاقی دباؤ کی شکل میں بر آمد ہوا ہے۔ ممکن ہے جنوب کو تجارت میں مطلوب بہتر شرائط کے حصول میں کامیابی نہ ہوئی ہو مگر اس سے امداد کے بہاؤ میں مزید کمی کا سدباب ہوا ہے۔ جنوب کے ارکان ملکوں میں اختلافات کی موجودگی، انھیں متحد کرنے والے نظریہ یا روایتی تعلقات کے فقدان اور اپنے ذاتی معاشی مفادات کے تحفظ کی شدید خواہش کی وجہ سے ان ارکان ملکوں میں فوجی اتحاد کا امکان نظر نہیں آتا۔ تاہم چین، شمالی کوریا، روس اور بعض مسلم ممالک میں ماضی میں قریبی تعلقات رہے ہیں۔ حالات انھیں پھر ایک دوسرے کے قریب تر لا سکتے ہیں۔

بہر حال شدید غربت، بے رحمانہ جبر اور غیر انسانی استحصال مختلف مفادات رکھنے والوں کو ایک مشترکہ دشمن کے خلاف یکجا کر سکتا ہے۔ انتہائی ترقی یافتہ ممالک ٹکنالوجی کے لحاظ سے اپنے ترقی یافتہ معاشروں کے ساتھ بین الاقوامی اتحاد اور اقتصادی ترقی کی جستجو میں غلطی سے ایک ان دیکھے حریف کو جنم دے سکتے ہیں۔

۱۹۲۔ خلاصہ:

جس طرح مسلمانوں کو بہت سی پریشانیاں لاحق ہیں بالکل اسی طرح مغرب کو بھی ہیں۔ عوام کی کثیر تعداد اور قومی ریاستوں سے نمٹنے میں پریشانیاں متوقع اور عام بات ہیں۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے چیلنج یہی ہے کہ وہ مشترکہ روحانی نظریات کو بین الاقوامی سیاسی حقائق کے قالب میں ڈھال دیں۔ ان سب کو اسلام اور خود اپنے مذہب سے اسی طرح آگہی حاصل کرنی چاہیے جس طرح وہ بین الاقوامی سیاست، اقتصادیات اور ٹکنالوجی سے آشنا ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱۲

اسلامی حکومتوں کا قیام

یہ باب تحریر کرنا ایک انتہائی مشکل کام ہے اس کا مقصد اسلامی حکومتوں کے (الف) تاریخی اور (ب) موجودہ تجربہ کا جائزہ لینا ہے۔ آخری حصہ میں اُن لاتعداد مسائل میں سے کچھ کی نشاندہی کی گئی ہے جن پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(الف) اسلامی ریاست

۱۹۳۔مدینے کا قابل تقلید نمونہ:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں جو حکومت قائم کی تھی اسے تمام مسلمان ایک مثالی نمونہ تسلیم کرتے ہیں۔ قطب الدین عزیز کی کتاب "رسول ﷺ اور اسلامی ریاست" (انگریزی) میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

قرآن کو دائمی آئین تسلیم کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور عمل پر مبنی شریعت ریاست کا قانون بنی۔ حکومت نے مسجد نبوی کو ریاستی سکریٹریٹ کے طور پر استعمال کیا۔ عوام کی تعلیم اللہ کی طرف سے فرض تصور کی گئی۔ سائنس اور ایجادات کی بے حد قدردانی کی گئی اور مسلمانوں کی ترقی میں انھوں نے بڑا کلیدی کردار ادا کیا۔

ایک حکمراں کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے دیانت داری، صبر، رواداری، انکسار، تدبر اور

Marfat.com

ایثار کے اوصاف کا مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ کو اپنا اتباع کرنے والوں کی مکمل وفاداری اور وابستگی ملی، جنگ کے دنوں میں آپ ﷺ نے پورے معاشرے سے قربانی کا مطالبہ کیا اور زمانہ امن میں سب ہی ریاستی تحفظ اور سلامتی سے فیضیاب ہوئے۔

نئی مسلم ریاست نے غیر مسلموں کی فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے مذہبی رواداری، دلیل سے قائل کرنے اور گفت و شنید پر زور دیا۔ رسول اللہ ﷺ نسل پرستی اور غلامی کے خلاف تھے اور آپ نے بھائی چارے پر زور دیا۔ نئی ریاست میں انسانی حقوق کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ استحصال قابل مذمت فعل قرار پایا اور انسانی وقار قابل احترام ٹھہرا۔ خواتین کے حقوق تسلیم کیے گئے اور ان کے مرتبوں میں بے حد اضافہ ہوا۔ نئی ریاست میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مذاکرات کو ترجیح ملی اور باہمی افہام و تفہیم اور ربط و تعلق بڑھانے پر زور دیا گیا۔ محاصل کے ذریعے فلاح و بہبود، معاشی عدل اور تمام ضرورت مندوں کی دیکھ بھال کا اہتمام کیا گیا۔ انتظامیہ کی بنیاد مکمل احتساب پر رکھی گئی جس میں بدعنوانی یا رشوت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

۱۹۴۔ خلافت:

شیعہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ریاست کی اسلامی حیثیت ختم ہو گئی۔ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد اور چوتھے خلیفہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بلاشرکت غیرے مامور من اللہ خلیفہ تھے لیکن ہوا یہ کہ ان کی بجائے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو رسول اللہ ﷺ کا جانشین منتخب کر لیا گیا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ دوسرے، حضرت عثمانؓ تیسرے اور پھر حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد شیعوں نے خاندان رسول ﷺ کے حق حکمرانی کی وکالت جاری رکھی۔ اس مطالبہ سے شیعہ فرقہ میں موروثیت کی طرف داری یا نبی کریم ﷺ کے مقدس گھرانے کو نیابت الٰہی اور حکومت کا جائز وارث قرار دینے کی روایت پڑی۔

سنیوں کے خیال میں پہلے چاروں خلفاء راشدین نے ایک مثالی حکومت برقرار رکھنے کی بھرپور

Marfat.com

سعی کی۔ مگر بہر حال یہ عہدہ، شیعہ نظریہ کے مطابق نہ سہی، جلد ہی موروثی بن گیا۔ کچھ عرصہ تک مذہبی ارباب اختیار، علما کا انتخاب حکمرانوں کو جواز فراہم کرتا رہا۔

شیعہ اور سنی دونوں گروپوں کا خیال یہی ہے کہ اسلامی ریاست کا وجود ۶۵۰ء میں امیہ خاندان کے برسر اقتدار آتے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اگرچہ خود مختار بادشاہ بہت سی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے مگر مسلمانوں کا خیال یہی ہے کہ ان حکمرانوں کا بنیادی مقصد خود اپنی خاندانی سلطنت کو تحفظ دینا تھا۔ چونکہ مسلم علما اور امہ کے سامنے اور کوئی راستہ نہ تھا لہٰذا انھوں نے ان فرماں رواؤں کو قبول کر لیا۔ مسلمان اپنے حکمرانوں سے کم از کم عدل و انصاف کی توقع ضرور رکھتے تھے۔ کبھی انھیں انصاف مل جاتا تھا اور کبھی نہیں ملتا تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ بہت سے حکمرانوں نے، جن میں شہنشاہ اور مطلق العنان فرماں روا بھی شامل تھے، فن تعمیر، اعلیٰ تعلیم، سائنس اور ٹکنالوجی، ادب وغیرہ کو بڑا فروغ دیا۔ تاہم چند ہی مسلمان ایسی بادشاہتوں کو دوبارہ وجود میں آتے دیکھنے کے خواہش مند ہوں گے۔ پورے عالم اسلام میں مثالی حکومت وہی تصور کی جاتی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں قائم کی تھی۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل قائم ہونے والی اسلامی حکومت کی نمایاں خصوصیات جدید مغربی حکومتوں نے تو اپنا لیں مگر افسوس کہ آج متعدد مسلم حکومتوں میں ان خصوصیات کا فقدان ہے۔

چودہ سو سال قبل اسلامی حکومت کے آغاز پر مسلمان کمزور اور تقریباً کلی طور پر مدینہ تک محدود تھے۔ وہ مکہ اور عرب کے دیگر مقامات کے طاقت ور دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اردگرد کے تمام علاقوں پر طاقت ور سلطنتوں کا کنٹرول تھا۔ آج مسلمان اپنی تعداد، علاقہ کی وسعت، مالی اور مادی وسائل کے حوالے سے مدینہ کے مسلمانوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مضبوط ہیں۔ تاہم ایک اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے ان میں اتحاد مفقود ہے۔

۱۹۵۔ اسلامی قیادت کی امتیازی خصوصیات:

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی قیادت کے امتیازی اوصاف کو بھلا دیا گیا ہے۔ مولانا فضل الکریم نے، جنھوں نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی احادیث کا ترجمہ کیا ہے ایک اچھے حاکم کی مندرجہ ذیل

Marfat.com

امتیازی خصوصیات بیان کی ہیں۔ایک اچھے حاکم کو چاہیے کہ:

(الف) آخرت کی تیاری کے لیے دنیا کو عارضی پڑاؤ تصور کرے۔

(ب) منصفانہ انتظامات کے ذریعے زیادہ سے زیادہ دینی فلاح وخیر کے حصول کی کوشش کرے۔

(ج) خود کو عوام کا خادم اور ان کا امین سمجھے۔

(د) جو خود اسے پسند ہو وہی رعایا کے لیے بھی پسند کرے۔

(ہ) لوگوں کی شکایات سننے اور ان کے ازالے کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھے۔

(و) جذبہ ترحم کے ساتھ انصاف کو اپنی انتظامی پالیسیوں میں کلیدی حیثیت دے۔

(ز) مذہبی طریقوں کا پابند اور عبادت گزار ہو۔

(ح) دین دار، صادق القول اور مخلص وزرا اور عملے کا تقرر کرے۔

(ط) سرکاری معاملات پر کڑی نظر رکھے۔

(ی) مقدمات کی فوری اور تیزی سے سماعت کا اہتمام کرے۔

(ک) انصاف کے معاملے میں ہر برادری کو برابری کی نظر سے دیکھے اور

(ل) لوگوں پر ان کے متعلقہ قوانین کے مطابق حکومت کرے۔(۱)

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلم حکومتوں کو کلیتاً علمادین ہی چلائیں۔ہر مسلم ملک میں ایسے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے جو اسلام کے بنیادی قوانین جانتے، سمجھتے اور ان پر کاربند رہتے ہیں۔وہ اسلام کی رو سے کسی فیصلے کے لیے اپنے طور پر قرآن وحدیث سے رجوع کرتے ہیں۔جب تک وہ کام کے لیے مطلوبہ فنی اہلیت اور دیگر لیاقت کے معیار پر پورا اترتے ہیں ان کی تقرری عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

۱۹۶۔جدید اسلامی ریاست اور جمہوریت:

جدید دنیا کے سیاق وسباق میں یہ سوال اکثر کیا جاتا ہے کہ آیا اسلام میں جمہوری حکمرانی کا تصور موجود ہے۔مغرب میں لفظ ''جمہوریت'' کی جس طرح تشریح کی گئی ہے وہ سیاست اور لفظ کے فنی مفہوم اور استعمال سے عبارت ہے۔سرد جنگ کے دوران میں اسے کمیونزم کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا تھا جب اکثر اس سے مراد سرمایہ داری ہوا کرتی تھی۔سیاسیات

Marfat.com

کے بیشتر ماہرین اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ نمائندہ حکومت کا تصور خالص جمہوریتوں یا سرمایہ دارانہ معاشروں تک ہی محدود نہیں ہے۔ عملاً جمہوریت کی اصطلاح بھی اپنے اندر اتنے ہی زیادہ یا کم، واضح معانی و مطالب رکھتی ہے جتنے "بنیاد پرستی" کا لفظ رکھتا ہے، دونوں کو بے شمار صورتوں کی وضاحت کے لیے وسیع سیاق و سباق میں استعمال کیا جاتا ہے۔

یہاں اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ایک اسلامی حکومت کو اس بنیاد پر جانچا اور پرکھا نہیں جا سکتا کہ وہ نمائندہ حکومت کے مغربی مفہوم پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔ اسے جمہوریت بمقابلہ اسلامی بنیاد پرستی کے نام پر کوئی مسئلہ نہیں بنانا چاہیے کیوں کہ مسلمانوں کے نزدیک کسی لیڈر کو پرکھنے کے لیے اس کا سیاسی نظریہ کوئی قطعی وصف نہیں ہے۔

درحقیقت مسلم تناظر میں سرکاری اور نجی حیثیت میں خدا خوفی اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خواہش ہی اہم ترین خصوصیات تصور کی جاتی ہیں۔ اس تناظر پر مبنی کسی بھی حکومت کو کبھی اس کی پرواہ نہیں ہوگی کہ سیاسیات کے ماہرین اس کی درجہ بندی کس طرح کرتے ہیں۔ ڈاکٹر چھاپرا کی رائے میں اسلام نے ایک جائز حکومت کے لیے چار بنیادی معیار مقرر کر رکھے ہیں:

(الف) حکومت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا چاہیے جو حاکم مطلق اور شریعت کا سرچشمہ ہے۔ حکومت پر لازم ہے کہ وہ وسائل کے موثر اور مساویانہ استعمال سمیت تمام ضروری اقدامات کے ذریعے عوام کی فلاح و بہبود کو یقینی بنائے جو شریعت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔

(ب) حکومت ایک امانت ہے جسے شرائط امانت کی تکمیل کے لیے لازماً عوام کے سامنے جواب دہ ہونا چاہیے۔ اسے عوام کی تجاویز اور نکتہ چینی قبول کرنے پر آمادہ رہنا چاہیے۔

(ج) مشاورت کی ایک عمومی فضا قائم ہونی چاہیے جو ممکنہ حد تک وسیع ترین سطح پر عوام کی براہ راست یا بالواسطہ شراکت کا تقاضا کرتی ہے۔

(د) قانون کی رو سے ہر ایک کے ساتھ انصاف اور برابری کا سلوک کیا جانا چاہیے۔

حق حکمرانی کے جواز کے لیے یہ چاروں معیار اس وقت تک پورے نہیں کیے جا سکتے جب

Marfat.com

تک کہ سیاسی طاقت کے حامل افراد اپنے اختیارات کا ماخذ عوام کو نہ بنائیں اور اپنی کارکردگی کے معیار کے لیے وہ عوام کو جواب دہ نہ ہوں۔ اس کے لیے ایک آزادانہ اور منصفانہ انتخاب کا نظام ضروری ہے۔ ایسے انتخابات کے بغیر عوام قرآن کے اس حکم کی تعمیل نہیں کر سکتے کہ:

"پہنچادو امانتیں امانت والوں کو" (سورۃ: ۴: ۵۸)

موجودہ دور میں حسن البنا اور مولانا مودودی جیسے مسلم مفکرین نے بھی ایسے ہی نتائج اخذ کیے ہیں۔ اسی لیے ایران، پاکستان، مصر، اردن، تیونس، انڈونیشیا اور دیگر ممالک میں دینی جماعتوں نے جمہوری طرز فکر کو قبول کر لیا ہے۔(۲)

تاہم مثالی نمونے کی راہ میں عملی دشواریاں اپنی جگہ موجود ہیں۔ ان میں سے بیشتر مشکلات انسانی احساسات اور بنیادی طور پر مطلوبہ قربانی کے لیے ان کی عدم آمادگی، سے تعلق رکھتی ہیں۔ پاکستان کے ریٹائرڈ ایرمارشل اصغر خاں اپنی کتاب "اسلام، سیاست اور ریاست۔ پاکستان کا تجربہ" (انگریزی) میں لکھتے ہیں:

مذہبی اور سیاسی طاقت کے امتزاج کو مسلم روایات میں ایک مثالی حیثیت حاصل تھی اور اب بھی ہے۔ مگر ایسے امتزاج کی عدم موجودگی بھی ایک تاریخی تجربہ اور مسلمہ حقیقت ہے۔ آئین جہاں بانی کی روایت اور مسلم عوام کی تاریخ بھی اسی حقیقت کے سانچے میں ڈھلی ہے۔(۳)

انھوں نے اس حقیقت کی نشان دہی بھی کی ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں سے عملاً تقریباً گیارہ صدیوں تک مذہب اور ریاست جدا رہے ہیں۔ تاہم مثالی نمونہ کی ہو بہو نقل کرنے کی کوششیں بھی کی گئی ہیں۔

(ب) اعلان کردہ اسلامی حکومتوں کا تجربہ:

ایران، سعودی عرب، پاکستان، سوڈان اور بنگلہ دیش کا دعویٰ ہے کہ ان کے یہاں اسلامی حکومتیں قائم ہیں۔ ان کے تجربات مختلف بھی ہیں اور قابل مطالعہ بھی۔

۱۹۷۔ ایران:

ایران میں اسلامی انقلاب سے چار بنیادی مقاصد حاصل کرنا مقصود تھا:

Marfat.com

(الف) نیابت الٰہی پر مبنی ایک مثالی حکومت کا قیام (ب) ایک حقیقی اسلامی معاشرے کا قیام (ج) اسلامی معاشی نظام کی بحالی اور (د) ایران اور دیگر مسلم اقوام کی آزادی کو بحال کرنا۔(۴)

انقلاب کے بعد ایران نے دور جدید کی انتہائی امید افزا اسلامی حکومت کی حیثیت سے آغاز کیا۔اسے عملاً نناوے فیصد عوام کی تائید و حمایت حاصل تھی جن میں سے بہت سے لوگوں نے سخت عسرت کی زندگی گزاری تھی، شاہ کے دور حکومت میں بہت مصائب جھیلے تھے اور انقلاب کی کامیابی کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ توقع کے عین مطابق جلد ہی مغرب سے اختلافات پیدا ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایران نے امریکنوں کو یرغمال بنایا، تخریب کاری کی لاتعداد کوششیں ہوئیں، ایرانی اثاثے منجمد کر دیے گئے اور مغرب نے عملاً ایران کا اقتصادی مقاطعہ کر دیا۔اس کے بعد آٹھ سال تک عراق کے ساتھ تباہ کن جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں فریقین کے دس لاکھ یا اس سے بھی زائد افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔اس عمومی تاثر کے باوجود کہ عراق جارح ہے دیگر مسلم ممالک کی طرف سے آٹھ سال تک امن بحال کرانے کی کوششوں کا نتیجہ صفر رہا۔یہ جنگ ۱۹۸۸ء میں ختم ہو گئی۔

جون ۱۹۹۳ء کے صدارتی انتخابات میں صدر رفسنجانی نے دو نسبتاً غیر معروف مگر "منظور شدہ" امیدواروں کے مقابلے میں ۶۳ فیصد ووٹ لے کر دوسری میعاد کے لیے کامیابی حاصل کر لی۔ رائٹر کی خبروں کے مطابق ایک صحافی امیدوار نے جو حکومت کی اقتصادی بدانتظامی پر معترض تھا، حیرت انگیز طور پر چوبیس فیصد ووٹ حاصل کیے۔ رائے دہندگان رہائشی سہولتوں، کم اجرتوں اور افراط زر کی بیس تا چالیس فیصد سالانہ شرح کے شاکی تھے۔گرتے ہوئے معیار زندگی اور عوام سے علما پر مشتمل حکمران طبقہ کے الگ تھلگ رہنے کے خلاف بھی آواز اٹھائی گئی۔یہ شکایات اقتصادی اور مادی معاملات پر تشویش کی آئینہ دار تھیں اور کوئی شک نہیں کہ مغرب کی مخالفت نے بھی اس میں بڑا اضافہ کیا۔ دوسری طرف اس سے کسی حد تک اظہار خیال اور بحث مباحثہ کی آزادی کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔

Marfat.com

اسلامی آئین اور اسلامی قوانین منظور کیے جا چکے ہیں جو آگے چل کر معاشرے اور اس کے اداروں کو ڈرامائی طور پر تبدیل کر سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا چار بنیادی مقاصد کے حتمی حصول یا ایرانی طرز کی اسلامی حکومت کے بارے میں کوئی بامقصد نتائج اخذ کرنا ابھی بہت قبل از وقت ہے۔ تاہم جو بات واضح ہو چکی ہے وہ یہ کہ ایک اسلامی جمہوریہ کے طور پر ایران سے متعدد مسلمانوں کو یہ تحریک ملی ہے کہ وہ خود اپنی حکومتوں میں تبدیلی کے لیے آواز اٹھائیں۔ ایرانی انقلاب مغرب سے ٹکر لینے اور اسے للکارنے کی علامت بن چکا ہے۔ مغربی ثقافت کا متبادل چاہنے والے بہت سے مسلمانوں میں ایران کی آواز سعودی عرب کی آواز پر سبقت لے گئی ہے۔ ایران نے معقول حد تک ایک جمہوری پارلیمنٹ بھی تیار کر لی ہے جو سرکاری اقدامات پر گرفت کے لیے آمادہ بھی رہتی ہے اور اس کی اہل بھی ہے۔ ایران کا تجربہ تمام مسلمانوں کے لیے لائق توجہ ہے۔

۱۹۸۔ سعودی عرب:

اسلام کے مقامات مقدسہ کے نگراں اور متعدد مسلم ممالک کو امداد دینے والے ملک کی حیثیت سے دنیا بھر میں بہت سے مسلمان سعودی عرب کی خدمات کے معترف ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ حکومت نے اسلامی قوانین نافذ کر رکھے ہیں جن کا اطلاق سعودی شہریوں کے علاوہ باہر سے آنے والے لوگوں پر بھی ہوتا ہے۔ تیل کی بے پناہ دولت کے ذریعے سعودی مملکت نے اپنے شہریوں کی اقتصادی فلاح و بہبود اور متعدد غریب مسلم ممالک کی ترقی کے لیے بہت پیسہ خرچ کیا ہے۔ سعودی حکومت کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا کہ برسوں تک بھاری امداد وصول کرنے کے بعد سوڈان کی نئی حکومت سعودی حکومت کی پالیسیوں پر اتنی کڑی تنقید بھی کر سکتی ہے۔

تاہم ناقدین، بالخصوص عراق کے خلاف جنگ خلیج کے دوران میں، تحفظ کے لیے، مغربی طاقتوں پر سعودی عرب کے حد سے بڑھے ہوئے انحصار اور اس کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں مغربی ممالک کے ضرورت سے زائد اثر و رسوخ پر بہت معترض ہوئے۔ کچھ لوگ مذہبی مناظرے پر قدغن، حکومت میں عام آدمی کو شرکت کی محدود اجازت اور اپنے اقتدار کا

Marfat.com

تسلسل یقینی بنانے کی غرض سے شاہی حکومت کے اقدامات کی مذمت کرتے ہیں۔ بہت سے طاقت ور اور باثر افراد کے جدید طرز زندگی کے بارے میں بھی شکایات سنی گئی ہیں جو اسلامی قوانین سے مستثنیٰ نظر آتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلیج کی جنگ سے مشرق وسطیٰ اور دنیا بھر کے مسلمانوں میں سعودی اثر ورسوخ کو نقصان پہنچا ہے۔ چند ہی مسلمان ہوں گے جو غیر ملکی مفادات کے تحفظ کی خاطر مغربی افواج کے ہاتھوں اپنے مسلمان بھائیوں کی ہلاکت کو معاف کر سکیں۔ اس کے برعکس سعودی عرب نے خود کو پوری طرح مغربی اقتصادی برادری کے حصار میں دے دیا ہے۔ وہ جدید ٹکنالوجی اور مالیاتی اور اقتصادی منصوبہ بندی حتیٰ کہ تعلقات عامہ تک کو بڑے موثر طور پر استعمال کر رہا ہے۔ اس کے تیل کے ڈالر مغرب کی انتہائی اہم صنعتوں میں لگ رہے ہیں جس سے بین الاقوامی سیاست میں سعودی عرب اور اس حوالے سے مسلمانوں کو آواز مل گئی ہے۔ مسلمانوں کی خواہش ہے کہ سعودی اثر ورسوخ کو بحیثیت عمومی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے زیادہ موثر طور پر استعمال کیا جاسکے۔

مثالی اسلامی حکومت کے دوبارہ قیام کے عمل میں سعودی تجربے کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے۔

۱۹۹۔ پاکستان:

پاکستان کے قیام کا سبب اسلام ہے۔ تقریباً تیس سال سے پاکستان کو اسلامی جمہوریہ کہا جارہا ہے۔ اسے برصغیر کے اُن مسلمانوں کو ایک وطن مہیا کرنے کی غرض سے بھارت کو کاٹ کر معرض وجود میں لایا گیا تھا جو اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔

معاشرہ کو اسلامی قالب میں ڈھالنے پر بہت توجہ دی گئی۔ اعلیٰ سطحی مذہبی کونسلیں قائم کی گئی ہیں، مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کے لیے متعدد اسلامی کانفرنسیں منعقد کی گئی ہیں۔ بعض اسلامی قوانین بھی نافذ کیے گئے جن میں مجرموں کو سزا اور سماجی کاموں میں باضابطگی پیدا کرنے پر توجہ دی گئی اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے اسلامی عدالتوں کا متوازی نظام قائم کیا گیا ہے۔ پاکستان بھر میں اسلام اور اسلامی اثرات نمایاں ہیں۔ ملک کے چپے چپے پر

Marfat.com

مساجد موجود ہیں۔ لوگوں کی بڑی کثیر تعداد نماز جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں شریک ہوتی ہے۔ چھوٹے قصبات اور دیہات میں بالخصوص عورتیں پردہ کرتی ہیں اور مسلمانوں کو شراب فروخت کرنے پر سرکاری طور سے پابندی عائد ہے۔ پاکستانی مسلمانوں میں دنیا بھر میں مسلمانوں کی جدوجہد کے لیے ہمدردی کے گہرے جذبات پائے جاتے ہیں اور مسلم اتحاد کی اپیلیں برابر ہوتی رہتی ہیں۔ تاہم روزمرہ کے سرکاری معمولات اور کاروباری سرگرمیوں میں اسلام کی یہ جھلک بہت کم نظر آتی ہے۔

پاکستان میں متعدد اسلامی سیاسی جماعتیں ہیں جن کے کارکن جذبے اور لگن سے سرشار ہیں اور جو مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ برابر کرتی رہتی ہیں۔ کم از کم ایک حکمران، ضیاالحق نے پوری طرح ان کے مقاصد کی حمایت کی۔ تاہم پاکستانی رائے دہندگان نے بہت کم ان کی حمایت کی اور بار بار ان پر سیکولر جماعتوں کو ترجیح دی۔ اکتوبر ۱۹۹۳ء کے انتخابات میں پھر یہی بات ثابت ہوئی۔

سب سے بڑے اور انتہائی طاقتور مذہبی گروپ جماعت اسلامی نے متعدد ہم خیال گروپوں سے انتخابی اتحاد قائم کر کے پاکستان اسلامی فرنٹ (پی آئی ایف) تشکیل دیا۔ پی آئی ایف کو ایک بہت منظم جماعت تسلیم کیا گیا جس نے انتخابی مہم بھی موثر طور پر چلائی مگر قومی اسمبلی کی ۲۱۷ نشستوں میں سے ۱۰۳ نشستوں پر مقابلہ کر کے اس نے صرف ۳ نشستیں حاصل کیں۔ پی آئی ایف کے رہنما قاضی حسین احمد تین نشستوں پر انتخاب لڑے اور تینوں جگہ ہار گئے۔ پی آئی ایف میں شامل جماعتوں نے کشمیر کے بارے میں سخت موقف اختیار کرنے پر زور دیا، سیاست میں خواتین کے داخلے کی مخالفت کی اور اسلامی اقتصادی اور عدالتی نظام رائج کرنے پر زور دیا۔ اب تک منعقد ہونے والے سب سے زیادہ آزادانہ انتخابات میں عوام نے سیکولر سیاسی جماعتوں کے حق میں رائے دینے کا فیصلہ کیا۔ پی آئی ایف کی شکست کے اسباب میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے:

(الف) اسلامی جماعتوں میں نااتفاقی اور پھوٹ۔

(ب) پاکستانی مذہبی رہنماؤں کے قول و فعل میں موجود تاریخی تفاوت۔

Marfat.com

(ج) موجودہ پارٹی رہنماؤں کی صلاحیتوں پر عدم اعتماد۔

(د) طاقت ور مقامی رہنماؤں (جاگیرداروں) کے وسیع اثرات۔

(ہ) روزی روزگار کے جھمیلوں میں الجھے ہوئے لوگوں کی مصروفیت۔

(و) مذہب اور سیاست کو الگ رکھنے کی خواہش۔

اسباب سے قطع نظر رائے دہندگان نے اسلامی مقاصد سے جذباتی وابستگی کے باوجود پی آئی ایف کے امیدواروں سے گریز کیا۔ اسلام کی اہمیت پاکستان میں ہمیشہ رہے گی۔ تاہم انتخاب میں پی آئی ایف کی مکمل شکست کے نتیجے میں اس کا امکان ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ پر توجہ کم ہو جائے اور ممکن ہے کہ سیکولر خطوط پر اقتصادی اور سماجی اصلاحات کا دور شروع ہو۔

۲۰۰۔ سوڈان:

سوڈان ایک اور مثال ہے جہاں اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش نے مغرب کو برہم کر دیا ہے۔ ۱۹۸۹ء کے لگ بھگ جنرل عمر حسن بشیر اور دیگر فوجی افسران نے ایک انقلاب کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا جس سے سوڈان میں اسلامی گروپ کا کنٹرول قائم ہو گیا۔ سخت اسلامی قوانین نافذ کرنے کی کوششوں پر متعدد مغربی ممالک اور امریکہ کو تشویش لاحق ہو گئی۔

من مانی نظربندیوں، ایذارسانی، مقدمہ چلائے بغیر ہلاکتوں، جبری نقل مکانی اور ہزاروں شہریوں کو فاقہ کشی میں مبتلا کرنے کے علاوہ سوڈان پر وسیع پیمانہ پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے الزامات عائد کیے گئے۔ ۱۹۹۱ء میں ایرانی صدر کے دورہ سوڈان کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے درمیان اقتصادی اور فوجی امور میں قریبی تعاون کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ مبصرین یہ خدشہ محسوس کر رہے ہیں کہ یہ دونوں ملک مصر، تیونس، اور الجزائر میں مغرب نواز حکومتوں کا تختہ الٹنے کی حمایت کر رہے ہیں۔ تمام مسلمانوں کو سوڈان میں داخلے کی آزادی سے متعلق سوڈانی پالیسی کی بنا پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہ بن گیا ہے اور وہ انھیں تربیت بھی دے رہا ہے۔ نیویارک میں بم دھماکوں کی منصوبہ بندی

Marfat.com

کے الزام میں بعض سوڈانی شہریوں کی گرفتاری کا نتیجہ سوڈان کو دہشت گرد ریاست قرار دینے کی شکل میں بھی برآمد ہو سکتا ہے۔ سوڈان کے ایک سفارت کار علی الحاج نے واشنگٹن ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے بعض پڑوسی ملکوں پر الزام لگایا ہے کہ وہ بین الاقوامی توجہ حاصل کرنے کی غرض سے سوڈان میں مذہبی بنیاد پرستی کا مسئلہ استعمال کر رہے ہیں۔

"ماضی میں جب لوگ کانگریس اور وہائٹ ہاؤس میں شرف باریابی حاصل کرنا چاہتے تھے تو کمیونزم کے بارے میں منفی خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ مگر اب جب وہاں کمیونزم کا کوئی وجود رہا نہیں تو لوگ سوڈان جیسے ملکوں اور بنیاد پرستی کے بارے میں منفی باتیں کرتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو اپنی بات سنانے کے لیے انھیں ویزا یا پاسپورٹ مل جاتا ہے۔ (۵)

۲۰۱۔ مصر میں بنیاد پرستوں کے خلاف الزامات:

اخباری اطلاعات (انٹر نیشنل ہیرالڈ ٹریبیون مورخہ ۴ر فروری ۱۹۹۴ء) مظہر ہیں کہ بنیاد پرست منجملہ اور باتوں کے مندرجہ ذیل معاملات کے لیے کوشاں ہیں:

(الف) تمام غیر ملکی بالخصوص مغربی فنون و ثقافت کا خاتمہ جن میں برہنہ تصاویر، ڈرامے، بیلے رقص، فلمیں، مغربی لٹریچر کے تراجم شامل ہیں۔

(ب) مصری نژاد لادین ادیبوں کی تحریروں کا خاتمہ۔

(ج) ملحدوں یا سیکولر نظریات کے حامل افراد کو حکومت میں اعلیٰ عہدوں سے محروم رکھنا۔

(د) سیکولر سوچ رکھنے والوں کو "ملحد" قرار دینا جو واجب القتل ہیں۔

(ہ) عیسائیوں کے ساتھ رابطہ سے گریز کرنا جس میں ان سے مصافحہ کرنے، یا ان کی مذہبی تعطیلات پر نیک خواہشات کے اظہار، حتیٰ کہ فٹ پاتھ پر ساتھ ساتھ چلنے سے بھی گریز شامل ہے۔

(و) دیہات میں لڑکیوں کے لیے چھ سال کی عمر سے نقاب کا اہتمام کرنا۔

(ز) اسلام پر زور دینے کے لیے اسکول کی کتابوں میں ترمیم۔

صاف ظاہر ہے کہ اس وقت مصر ایک نازک بحث میں الجھا ہوا ہے۔ عوام اپنا نقطہ نظر منوانے کے لیے انتہائی قدم اٹھانے پر بھی مجبور ہو سکتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کی

Marfat.com

ضرورت ہے کہ مذکورہ بالا مسائل پر اسلامی نقطہ نظر کیا ہے اور اسلامی نقطہ نظر کی حدود میں رہتے ہوئے کس حد تک تنوع برداشت کیا جا سکتا ہے۔

(ج) حقیقت کی پرکھ:

۲۰۲۔ مثالی نمونہ پر عملدر آمد:

دور جدید میں مثالی نمونے کے مطابق مسلم ریاستوں کا قیام دشوار ثابت ہوا ہے۔ مسلمان دور جدید کے لیے موزوں اسلامی طرز حکومت کی بحث میں پوری طرح الجھے ہوئے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ بنیاد پرستی سے (یعنی مذکورہ بالا پہلی اسلامی حکومت کے پیش کردہ نمونہ کی لفظی و معنوی دونوں صورتوں سے) رجوع کرنا ضروری ہے جب کہ بعض دوسرے لوگوں کے خیال میں اعتدال پسند مسلم مفکرین کی ترقی پسندانہ تشریح کے مطابق اسلام پر عمل کرنا بہتر ہے۔ یہ گروپ پہلی مسلم حکومت کی روح پر تو عمل کرنا چاہتا ہے مگر اس کی تفصیلات پر موجودہ دور کے تقاضوں کی بنیاد پر عملدر آمد کا خواہاں ہے۔

۲۰۳۔ اسلامی تنوع:

اکثر مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب تک قرآن کی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے اس وقت تک اسلام میں تنوع کی گنجائش موجود ہے۔ مسلمان ایک ایسے راستہ کی تلاش میں مشغول ہیں جس پر مختلف مکاتب فکر کے مسلم مفکرین مل جل کر سفر کر سکیں۔ تاہم کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی کٹر مسلمانوں کے درمیان تنازعہ اور اکثر تشدد کا سلسلہ بھی جاری ہے اور ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ بس وہی سچا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو ''کافر'' قرار دینے میں بھی دیر نہیں لگاتے۔ غیر مسلموں نے ہمیشہ اس افتراق سے فائدہ اٹھایا ہے اور، جیسا کہ سوڈانی سفار تکار کے مندرجہ بالا الفاظ سے ظاہر ہے، وہ اب بھی یہی کچھ کر رہے ہیں۔

اسلامی حکومتیں بنیادی اصولوں کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ گوناگوں نظریات سے مطابقت کا اہتمام بھی کر سکتی ہیں۔ بعض لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس قسم کے مختلف نظریات سے مطابقت پیدا کرنے والی کوئی حکومت قرآنی تعلیمات پر مبنی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ دور جدید میں ایک اسلامی حکومت میں کم از کم مندرجہ ذیل خصوصیات ہونی ضروری ہیں:

Marfat.com

(الف) قرآن و سنت پر مبنی ایک ایسا عملی آئین جو اس امر کی ضمانت مہیا کرتا ہو کہ قرآن و سنت کے منافی قوانین نافذ نہیں کیے جا سکتے۔

(ب) ایسے رہنما جو عوامی اور نجی زندگی میں اسلامی خصوصیات کا مظاہرہ کریں۔

(ج) ایسا انتخابی طریقہ کار جو فوج، طاقت ور اقلیتوں، غیر مسلموں یا غیر ملکی عناصر کے غیر ضروری اثر اور دباؤ سے آزاد ہو۔

(د) منظم طریقے سے میعادی انتخابات کا اہتمام ہو تا کہ شہری، وعدوں اور عمل کی بنیاد پر امیدواروں کو منتخب کرنے کے بارے میں فیصلہ کر سکیں۔

حواشی

(۱) مولانا فضل الکریم، ''المشکوٰۃ المصابیح'' کی احادیث (انگریزی) صفحہ ۵۸۱۔۵۸۰)۔

(۲) ایم عمر چھاپرا، اسلام اور اقتصادی چیلنج۔ ہرن ڈون: اسلامک فاؤنڈیشن، بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ برائے فکر اسلامی۔ ۱۹۹۲ء۔ صفحہ ۲۴۴۔

(۳) ایم اصغر خاں، ''اسلام، سیاست اور ریاست: پاکستان کا تجربہ''۔ لندن، زیڈ بکس، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۱۹۔

(۴) سمیر کے فرسون اور مہرداد مشائخی، ایران: اسلامی جمہوریہ میں سیاسی کلچر، لندن۔ روٹلیج۔ ۱۹۹۲ء صفحہ ۱۱۶۔

(۵) واشنگٹن ٹائمز: ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۴ء۔ صفحہ ۹۔اے۔

Marfat.com

باب ۱۳

مسلمانوں کا کردار

مسلمان دنیا کے تمام حصوں میں آباد ہیں۔ اس باب میں (الف) مسلم اکثریتی ممالک میں مسلمانوں (ب) امریکی مسلمانوں (ج) یورپی مسلمانوں اور (د) دیگر اقلیتی مسلمانوں کے کردار کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو درپیش مشکلات اور چیلنجوں اور نئے عالمی نظام میں ان کی شرکت میں اضافے کے لیے مطلوبہ اقدامات کا جائزہ لینا ہے۔

(الف) مسلم اکثریتی ملکوں میں مسلمانوں کا کردار:

۲۰۴۔ خانگی اصلاح:

مسلمانوں کی غالب اکثریت مسلم اکثریتی علاقوں میں رہتی ہے جو بالعموم افریقہ، ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں واقع ہیں۔ یہاں وہ اپنے بھائی بندوں کے ساتھ مانوس ماحول میں رہتے ہیں جہاں مسلمان ہونا عام سی بات اور توقع کے مطابق ہے۔ مساجد، اسلامی مدرسے، مسلم اساتذہ، اسلامی ادب اور مسلمان بھائی اور بہنیں ہر طرف نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ جو لوگ اسلام پر سختی سے عمل نہیں بھی کرتے وہ بھی یہ خواہش ضرور رکھتے ہیں کہ وہ عمل کریں یہ صورتحال غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کی زندگی کے بالکل برعکس ہے جہاں اسلامی

Marfat.com

ماحول تیار کرنے یا تلاش کرنے کے لیے بڑی کوشش کرنا پڑتی ہے۔ مسلم ممالک میں بعض مسلم رہنماؤں کے اسلام دشمن رویہ کے باوجود اسلام پر عمل اور اس کی تبلیغ آسان ہے اور سرکاری طور پر اس کی توثیق بھی کی جاتی ہے۔

مساجد اور اسلامی مدرسوں کے باوجود بیشتر مسلم ممالک میں زندگی ان غیر مسلم ممالک کی زندگی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے جو ترقی کے ایسے ہی مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ اچھے اور برے لوگ ہر معاشرے میں ہوتے ہیں۔ جھوٹ، گھمنڈ، منافقت، دھوکہ اور ظلم تمام ملکوں میں بعض افراد کی عام خصوصیات ہیں۔ جدید ریاستوں کی طرح تمام ترقی پذیر اقوام بے شمار مسائل سے دوچار ہیں، مثلاً انتظامیہ حتیٰ کہ عدلیہ میں بھی وسیع پیمانے پر رشوت ستانی، نسلی، لسانی اور قبائلی ناہمواریاں اور بے انصافی، سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے تشدد کا استعمال، اقتدار پر چند غیر نمائندہ افراد کا قبضہ اور چوری، آبروریزی، اغوا، قحبہ گری اور منشیات فروشی کے عام جرائم وغیرہ۔ ظاہر ہے اکثر مسلمان اسلام کی روح سے نہیں بلکہ جدید معاشرے سے متاثر ہوئے ہیں۔ اللہ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان طرز عمل کا فرق واضح کر دیا ہے:

> "... کفر کرنے والوں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان لانے والوں نے اُس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔ اس طرح اللہ لوگوں کو اُن کی ٹھیک حیثیت بتائے دیتا ہے۔" (سورۃ: ۳:۴۷)

مسلم ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت کو دیکھ کر بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ عمل کے اعتبار سے ان میں اور "منکرین خدا" میں کوئی فرق ہے بھی یا نہیں۔ مسلم مبصرین کا مشاہدہ ہے کہ بعض غیر مسلموں نے تو اسلامی طریقے اپنا لیے ہیں جب کہ خود بہت سے مسلمانوں نے انھیں ترک کر دیا ہے۔ انھیں اس بات کا افسوس ہے کہ اسلام مساجد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور یہ مسلمانوں کے قلوب کو روشن نہیں کر رہا ہے۔

اعلیٰ سرکاری افسران میں اسلامی طرز عمل کی اچھی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں حالانکہ یہ انتہائی ضروری ہیں۔ موجودہ قوانین (یا ضرورت ہو تو نئے قوانین) پر منصفانہ اور عادلانہ عملدرآمد کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ جرائم کے مرتکب سرکاری افسران عبرتناک سزاؤں کے

Marfat.com

مستحق ہیں۔ عوام کو اس بات کا یقین ہونا ضروری ہے کہ حکومت کا مقصد ان کے مسائل حل کرنا ہے محض ان پر حکومت کرنا نہیں۔ اسلامی تعلیم کی ہر سطح پر ضرورت ہے۔

۲۰۵۔ دعوتِ اسلام:

اللہ کا پیغام دوسروں تک پہنچانے اور ان میں اسلام کی بہتر آگہی پیدا کرنے کی غرض سے جاری سرگرمیاں "دعوت" کہلاتی ہیں۔ تبلیغ اسلام کے لیے تمام مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

اس بات پر عمومی اتفاق پایا جاتا ہے کہ تبلیغ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ خود ایک مثالی کردار بن جائیں۔ برائیوں سے اجتناب برتیں، نیکوکاری اختیار کریں اور مسلمانوں اور غیر مسلموں پر یکساں طور سے اسلام کی خوبیاں واضح کریں۔ مسلمانوں کو برابر یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے خاندان، اہل وطن اور غیر مسلموں کے لیے اچھے کردار کا عملی نمونہ پیش کریں تو عالم اسلام کو درپیش بہت سے مسائل کم ہو سکتے ہیں۔

مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو اس قسم کے دعوتی کام کی آزادی اور مواقع حاصل ہیں۔ بہت سے مسلمان دوسرے مسلمانوں کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسلام کا زیادہ گہرا مطالعہ کریں اور بہتر مسلمان بنیں۔ وہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی سرگرمی کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔ وہ اپنے آبائی شہر میں تبلیغی کام کرتے ہیں اور دوسرے شہروں بلکہ دوسرے ملکوں کے تبلیغی دورے بھی کرتے ہیں۔ دعوتی کام کرنے والوں پر اکثر ان کی لمبی داڑھیوں، لہراتی قباؤں، آیات کی تلاوت اور مذہبی رسوم کے حوالے سے تنقید کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صاحب ایمان ہونے کی عمیق تر روحانی اہمیت یا محض بہتر انسان بننے کی اہمیت پر زور نہیں دیتے اور اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

۲۰۶۔ حکومت پر اثر انداز ہونا:

جیسا کہ "مسلمانوں کی الجھنوں" سے متعلق باب میں بتایا جا چکا ہے زیادہ تر مسلم حکومتیں سیکولر طور طریقے قبول کرنے کی خواہش مند ہو چکی ہیں۔ اسلام سے گہری وابستگی رکھنے والے مسلمان بالعموم اور اسلامی سیاسی جماعتیں بالخصوص اپنی حکومتوں میں اسلام کا عمل دخل

Marfat.com

بڑھانے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ اسلامی جماعتیں عموماً یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ وہ اسلام سے واقف ہیں اور اگر انھیں اقتدار دے دیا جائے تو وہ حکومت کو زیادہ اسلامی بنا دیں گی۔ یہ جماعتیں نماز کی پابندی، عورتوں اور مردوں کی علاحدگی اور شریعت پر عمل نہ کرنے والوں کے لیے سخت سزا پر زور دیتی ہیں۔ تاہم جب حکومت کے پیچیدہ مسائل اور عوام کے فوری نوعیت کے مسائل کی بات آتی ہے تو پھر یہ جماعتیں اکثر سیاسی سادہ لوحی کا مظاہرہ کرنے لگتی ہیں۔ اکثر مسلمان، بالخصوص مغربی تعلیم یافتہ خواتین اور مرد جو حکمراں طبقے کا بڑا حصہ ہیں، بجا طور پر شکوک و شبہات کا شکار ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سیاسی جماعتوں کو تمام اہم اقتصادی، سیاسی، روحانی اور فوجی مسائل پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اور انھیں واضح طور پر بتانا چاہیے کہ ان کی حکومت میں عام آدمی کی زندگی کس طرح بہتر بنائی جائے گی۔

مسلم رہنما، جن میں بادشاہ اور آمر بھی شامل ہیں، عام طور پر اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ عہد حاضر میں ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمان اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہیں۔ وہ غیر مسلموں کے سامنے ان کی خوشامد اور غلامانہ ذہنیت پر متاسف ہیں۔ پاکستان کو ایٹمی ترقی کے خلاف وارننگ اور ''دہشت گرد ملک'' قرار دینے کی دھمکیاں مل رہی ہیں۔ سعودی عرب کو غیر ملکی مداخلت پر تکیہ کرنے پر اور پھر جنگ خلیج اور اس کے بعد ہونے والے اخراجات کے لیے بھاری رقوم کی ادائیگی پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ لیبیا پر بمباری کی جاتی ہے اور پھر اسے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو غیر ملکی طاقتوں کے حوالے کرے۔ عراق کو ہر ''غلط'' حرکت پر بموں کی بارش کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ایران کے اثاثے منجمد ہو چکے ہیں۔ ان سب کو امید ہے کہ ان کا یہ غلامانہ اور بے بسی کا انداز بدلے گا۔ اپنے قومی مفادات کے تحفظ اور خودداری برقرار رکھنے کی ضرورت پر بھی سب متفق ہیں اور یہ بات بھی سب تسلیم کرتے ہیں کہ مسلم حکومتوں کے مابین تعاون ان کے لیے مددگار ثابت ہوگا۔ اس کے باوجود سب نااتفاقی کا شکار اور باہمی جنگ و جدل میں مصروف ہیں۔

اسلام کو ایک ایسی مشترکہ رسی کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے جو سب کے لیے سہارا بن سکتی ہے۔ تو پھر مسلمانوں کو یہ کردار ادا کرنا ہوگا کہ حکام اور رہنماؤں کو اس حقیقت کا احساس

Marfat.com

دلائیں کہ وہ اسلامی عقائد اور روایات کو ایسی زبان دیں اور اعمال کا ایسا مجموعہ پیش کریں جسے جدید معاشرہ سمجھ بھی سکے اور ان سے استفادہ بھی کرسکے۔

۲۰۷۔ مسلمانوں کا اتحاد:

اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر بڑا زور دیتا ہے۔ قرآن کا فرمان ہے کہ اللہ لوگوں کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے قلوب کو تبدیل نہیں کرتے۔ چونکہ مسلمان اپنے عقائد کا اظہار انتہائی مثبت اور پرزور انداز میں کر رہے ہیں۔ لہٰذا اسلامی تحریکوں کو انتہائی نچلی سطح پر حمایت حاصل ہو رہی ہے۔

بہت سے مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں اسلام کو قوت فراہم کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ بہت سے مسلمان اس سلسلہ میں "سخت جراحت" اور پوری دنیا میں فوری طور پر مسلمانوں کا غلبہ اور اقتدار قائم ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں۔

وہ تمام ظالموں اور "دشمنان خدا" کے فوری خاتمے کے آرزومند ہیں۔ پختہ کار اور بالغ نظر رہنماؤں نے انھیں سخت محنت اور قربانی سے کام لینے کی ضرورت کا احساس دلا کر جذبات کی شدت کم کی ہے۔

مسلمان سیاسی طور پر سرگرم، منظم اور راہ ترقی پر گامزن ہو رہے ہیں یا اسلامی گروپوں میں شامل ہو رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اپنے مقصد سے لگن رکھتے ہیں اور پالیسی ساز سطحوں تک پہنچنے کے لیے سخت محنت کر رہے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کے تدبر اور بصیرت کو ان کے اپنے میدان عمل میں مناسب پذیرائی ملے گی۔ انھوں نے مشترکہ مقاصد کے حصول کی غرض سے افراد اور ہم خیال گروپوں کو یکجا کرنے کے لیے کام کیا ہے۔ قومی سطح پر انھوں نے اپنی طاقت ملک کے اندر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کی ہے۔

ملک میں مقامی حکومت کے فروغ نے بحیثیت مجموعی امہ کی ترقی کے وسیع تر مشن کو تقویت بخشی ہے۔ بہت سے مسلمان بین الاقوامی سطح پر امہ کے مفاد کے لیے قومی مفادات سے دستبرداری کی حمایت کرتے ہیں۔ مسلم اتحاد کا تصور بہتوں کے لیے بدستور ایک خواب ہے اور دوسروں کے لیے ایک مفروضہ۔ جب تک مسلم ممالک انفرادی حیثیت میں اپنے

Marfat.com

اختیارات ایک متحدہ ''حکومت'' کو سونپنے پر آمادہ نہیں ہوتے اس وقت تک یہ خیال حقیقت سے بعید ہی رہے گا۔

(ب) امریکی مسلمانوں کا کردار:

۲۰۸۔ابتدائی مسلم تارکین وطن:

۱۹۰۰ء کے ابتدائی دور میں مشرقی بحیرہ روم...... شام، لبنان، ایران، ہندوستان اور ترکی سے لاتعداد مسلمانوں نے امریکہ نقل مکانی کی۔ ان نووارد تارکین نے قبیلہ کی طرز پر اپنی الگ الگ بستیاں قائم کیں۔ ان میں سے بہت سے مسلم تارکین وطن امریکہ کے مشرقی ساحلی علاقوں اور مغربی وسطی علاقوں میں آباد ہوگئے۔

قومی اور ذیلی قومی برادریاں شمالی شہری مراکز، خصوصاً ڈیٹرائٹ میں بھی تشکیل پائیں۔ مسلم تارکین وطن نے سب سے پہلے مغربی وسطی علاقوں میں مساجد اور اسلامی مراکز تعمیر کیے۔(۱)

۱۹۰۰ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان مسلم تارکین وطن کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ بہت سے مسلمان البانیہ، سابق یوگوسلاویہ، سابق سوویت یونین کے زیر تسلط علاقوں اور پولینڈ سے امریکہ پہنچے۔ یہ لوگ نیویارک اور نیوجرسی میں آباد ہوئے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے بسکٹ کی صنعت میں اپنے لیے جگہ بنائی۔

وسط مغربی اور انتہائی مغربی علاقوں کی زرخیز زمینیں ان تارکین وطن کے لیے باعث کشش بنیں جو مشرق وسطیٰ کے دیہی پس منظر کے حامل تھے۔ عربوں اور البانوی باشندوں نے وسط مغربی علاقے کو ترجیح دی جب کہ آزادی سے قبل کے علاقہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے بھارتی مسلمان کیلی فورنیا کی زرعی اراضی کی طرف متوجہ ہوئے جہاں زرعی پیداوار مثلاً چاول اور گنّے کے بارے میں ان کا علم و تجربہ ان کے لیے ایک اثاثہ ثابت ہوا۔ یہ مسلمان صدی کے اختتام پر پنجاب میں خوراک کی قلت کے پیش نظر امریکہ پہنچے اور مزارعوں کی حیثیت سے مغربی ساحل پر آباد ہوئے۔ ویلوز، کیلی فورنیا، ان کی ابتدائی بستیوں میں سے ایک تھی۔ کچھ پاکستانی اور بھارتی بھی مشرقی ساحلی علاقے میں آباد ہوگئے۔

Marfat.com

ان اولین تارکین وطن میں سے اکثر نہ تو زیادہ تعلیم یافتہ تھے اور نہ ان کے اپنے ممالک میں ایسے کوئی ذرائع تھے جو ان کی مدد کر سکیں اور ان میں سے زیادہ تر کا خیال یہی تھا کہ ''نئی دنیا'' میں ان کی آمد سے اقتصادی مواقع کی نئی راہیں کھل جائیں گی۔ جلد از جلد ''امیر'' بن جانے کے اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کی گہری خواہش کی بنا پر بہت سے تارکین وطن کاروباری بن گئے۔ انھوں نے خاص طور پر کیلی فورنیا اور انڈیانا کی ریاستوں میں اپنے کاروباری مراکز قائم کیے۔ اکثر نے اپنے نام بدل لیے اور اسلامی عقائد کی پابندی ترک کر دی۔

مسلم نقل مکانی کا یہ اولین دور بڑی حد تک نفسیاتی اعتبار سے تباہ کن ثابت ہوا جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان تارکین وطن کے سامنے اپنی مذہبی روایات کو تقویت پہنچانے کی صورت نہیں رہی۔ ان میں سے بعض نے اپنا اسلامی ثقافتی تشخص کھو دیا یا اسے ترک کر دیا اور اسی لیے ان پر اس معاشرہ کا رنگ چڑھ گیا اور وہ پوری طرح اس میں ضم ہو گئے۔ مزید بر آں امریکہ میں پہلے سے موجود لبنانی اور شامی نژاد باشندوں کی اکثریت عیسائی تھی لہٰذا نئے مسلم تارکین وطن کے سامنے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا اور اگر تھا بھی تو بہت محدود، کہ اگر انھیں ایسے لوگوں کا ساتھ چاہیے جو ان ہی کی زبان بولتے ہوں اور اسی ثقافت کو سمجھتے ہوں تو پھر وہ اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل جائیں۔ (۲)

عام تارکین وطن کی طرح مسلم تارکین وطن نے بھی اپنے دور کی سماجی اور سیاسی قوتوں پر اپنا ردِ عمل ظاہر کیا۔ جتنا زیادہ مسلم تارکین وطن کی آمد کا سلسلہ بڑھا، بالخصوص ۱۹۲۰ء کی دہائی میں، اتنا ہی زیادہ ٹھوس بنیاد پر مسلم برادری کا فروغ بھی عمل میں آتا گیا۔ تاہم یہ مسلم تارکین وطن، جنھوں نے اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کی جدوجہد کی، بہت زیادہ الگ تھلگ اور جتھہ بندی کی کیفیت میں زندگی گزارتے رہے۔ اس کے علاوہ غیر ملکیوں کے ساتھ اس وقت امریکنوں کا حد سے بڑھا ہوا تنفر اور حقارت آمیز رویہ بھی یقیناً تارکین وطن کے محدود معاشرتی میل جول یا الگ تھلگ رہنے کا سبب بنا۔ یاد رہے کہ نسل پرستوں کی چلائی ہوئی اصلاح نسل کی تحریک ۱۹۲۴ء میں امریکی کانگریس سے جانسن ریڈ ایکٹ منظور کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس قانون کے تحت خاصے عرصے تک مشرقی یورپ اور

Marfat.com

بحیرہ روم کے ممالک سے تارکین وطن کی امریکہ آمد پر پابندی عائد رہی۔
اس عنصر کے پیش نظریہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید اولین مسلم تارکین وطن کا الگ تھلگ رہنے کا فیصلہ درست تھا۔ سب کے ساتھ اس بے تعلقی اور اپنی قبیلہ پرستی کے اس رویے سے اخذ کیے جانے والے نتائج نے مسلمانوں کو اپنے غیر مسلم پڑوسیوں بالخصوص افریقی۔امریکنوں تک پہنچنے اور ان میں دعوتی کام سے باز رکھا۔ اسلام اس وقت تک سیاہ فام طبقے میں کوئی پہچان پیدا نہ کر سکا جب تک وہ ایک تبدیل شدہ شکل میں سیاہ فاموں کے قوم پرستانہ جذبہ کے تابع نہ آگیا۔

۲۰۹۔امریکی مسلم برادری:

امریکہ میں مسلمانوں کی ٹھیک ٹھیک تعداد کا علم تو کسی کو نہیں۔ تاہم عام خیال یہ ہے کہ شمالی امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد پانچ اور آٹھ ملین کے درمیان ہے۔ گزشتہ دو عشروں میں آبادی میں اضافے کی شرح کے پیش نظر ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اختتام تک اسلام بہ آسانی عیسائیت کے بعد دوسرا بڑا مذہب بن سکتا ہے۔ اخبار "یو ایس اے ٹوڈے" نے ۲۸ر جنوری ۱۹۹۴ء کو اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ ۴۲ فیصد کے لگ بھگ امریکی مسلمان مقامی سیاہ فام ہیں، ۲۴ فیصد کا تعلق جنوبی ایشیائی باشندوں (پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش یا افغانستان کے تارکین وطن یا ان کی اولاد) سے ہے۔ ۱۲ فیصد عرب، ۶ فیصد افریقی اور تقریباً ۲ فیصد مقامی سفید فام باشندے ہیں۔ تقریباً ۹۰ فیصد سنی مسلمان ہیں۔
اسلام کے بنیادی اصولوں پر تو تمام مسلمان یقین رکھتے ہیں مگر اس برادری کا تنوع مختلف ثقافتی ورثوں، ذاتی تجربات، اور قومی اساس کے فرق کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ مسلمان پورے امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا سب سے زیادہ ارتکاز کیلی فورنیا، نیویارک، ایلینوائز اور واشنگٹن ڈی سی میں ہے۔

۲۱۰۔نئے وطن سے تطابق:

مغربی ممالک میں آباد تمام مسلمانوں کو وہی ثقافتی تشخص کے مسائل درپیش ہیں۔ نوجوان مسلمانوں خصوصاً خواتین کو انتہائی سنگین مسائل کا سامنا ہے۔ اسلام کی قائم کردہ شائستگی،

Marfat.com

ضبط نفس اور اخلاقی اقدار اور مغربی ثقافت کی اختیار کردہ بے اعتدالی، آزادانہ جنسی اختلاط اور انفرادیت پسندی کے درمیان ایک ٹکراؤ ہے۔ صحت مند نوجوان مسلم مردوں اور عورتوں کے لیے ترغیب و تحریص کے بے شمار پھندے ہیں جن سے دامن بچانا آسان نہیں ہے۔ اکثر بچے دوہری زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک زندگی وہ ہے جو وہ اپنے والدین کے ساتھ گھر پر یا اسلامی تقریبات میں بسر کرتے ہیں اور دوسری وہ جو اسکول اور سیکولر سماجی تقریبات میں گزارتے ہیں۔ یہ بچے محسوس کرتے ہیں کہ انھیں کچھ باتیں اپنے مسلم والدین سے پوشیدہ رکھنی ہیں۔

دیانت داری اور بامقصد طریقے سے، حدود میں رہتے ہوئے، نئے وطن کے ماحول اور اس کی ثقافت میں رچ بس جانے کا عمل اکثر مفقود ہوتا ہے جب کہ اس کی ضرورت ہے۔ نوجوان لڑکیوں کے والدین ان کے تحفظ اور خود اپنے ذہنی سکون کی خاطر ان پر خصوصی پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ یہ بات لڑکیوں کو خاص طور پر کھلتی ہے۔ والدین کی مسلسل نگرانی ایک قسم کی شکست خوردگی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے، والدین کے ساتھ تلخی پیدا ہوتی ہے اور اکثر صورتوں میں صورتِ حال سرکشی اور بغاوت پر منتج ہوتی ہے۔ شمالی امریکہ کی مسلم خواتین دوہرے معیار پر مسلم ممالک کی خواتین سے زیادہ نکتہ چینی کرتی ہیں۔ مغرب میں ان کا سامنا ایسی عورتوں سے ہے جن پر کوئی روک ٹوک نہیں، ذرائع ابلاغ میں انھیں جس انداز میں پیش کیا جاتا ہے وہ حقیقی زندگی میں بھی اتنی ہی بے لگام ہیں اور مسلم خواتین اس سے متاثر ہو کر نقل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

۲۱۱۔ امریکی مسلمانوں کی اہمیت:

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امت مسلمہ کو متحد کرنے میں مدد دینے کے لیے امریکی مسلمانوں کو خاص طور پر ایک اہم کردار ادا کرنا ہے۔ "دی مسلم ورلڈ مانیٹر" نے اپنی ۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ امریکہ میں دنیا کے ہر نسلی، ثقافتی اور قومی گروپ سے تعلق رکھنے والے مسلمان موجود ہیں جو امت کے پورے حلقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ امریکہ میں مسلمانوں کو دنیا کے تمام مسلمانوں کے ساتھ باہمی رابطے کے براہ راست مواقع حاصل

Marfat.com

ہیں۔ وہ اُن مسائل، اختلافات اور تنازعات کو سمجھ سکتے ہیں جن کا تعلق سمندر پار سے ہے اور جو مسلم تارکین وطن اپنے ساتھ امریکہ لاتے ہیں۔ اس بارے میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نفاق کا سبب بننے والے یہ مسائل امریکہ میں زیادہ غیر جانبدارانہ اور کم شدت پسندانہ ماحول میں حل کیے جاسکتے ہیں۔ پھر امریکہ میں ان مسائل کو حل کرنے کے لیے جن طریقوں پر عمل کیا جائے انھیں طریقوں کو دوسرے مقامات پر نسلی اور نظریاتی جھگڑے طے کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

لیکن بڑی حد تک ایسا ہوا نہیں۔ تارکین وطن اور امریکہ میں جنم لینے والے مقامی مسلمان دونوں ہی ایک دوسرے سے اس بات کے شاکی ہیں کہ انھوں نے اپنی متعلقہ صورتحال پر توجہ نہیں دی۔

امریکہ میں مقامی مسلمانوں کو بیرونی ممالک میں پیدا ہونے والے مسلمانوں کا مربیانہ انداز پسند نہیں ہے۔ انھیں شکایت ہے کہ تارکین وطن خود اپنے ملک میں تو اسلام کا تحفظ کرنے میں ناکام رہے اور اپنے ناقص رسوم و رواج نو مسلموں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ غیر ملکی مسلمانوں کی پیروی کرنا ایسے شکست خوردہ نوآبادیاتی نظام کے زخم خوردہ مغرب زدہ مسلمانوں کی پیروی کرنے کے مترادف ہے جو مادی فلاح کی تلاش میں اپنی مسلم مادر وطن سے قطع تعلق کر کے شمالی امریکہ آگئے۔ بعض مفکرین کے خیال میں ایک غیر مسلم سرزمین پر مسلمانوں کا واحد کردار اسلام کی تبلیغ کرنا ہے۔ اس کا کوئی اور عذر ناقابل قبول ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ مقامی مسلمان اس پر بھی معترض ہیں کہ تارکین وطن مسلمان تمام انسانوں کے لیے مساوی حقوق کے سلسلے میں مخلص نہیں ہیں جو اسلام میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

> "اولین مسلم تارکین وطن نے کچلے ہوئے افریقی۔ امریکنوں میں اسلام کو متعارف کرانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ان میں سے بعض مسلمانوں نے سیاہ فام برادری میں چھوٹا موٹا کاروبار شروع کیا لیکن جب بات دینی تعلیم یا تبلیغ کی آئی تو انھوں نے افریقی۔ امریکنوں

Marfat.com

کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ ان میں سے بعض نے تو شراب، خنزیر کا گوشت اور جوئے کے ٹکٹ فروخت کر کے اسلامی عقائد کی صریح خلاف ورزی بھی کی اور یہ سب کچھ انھوں نے محض امریکی دولت کے حصول کا خواب پورا کرنے کی آس میں کیا۔ اس لیے اس سے ان افریقی امریکنوں کی سوچ کی تقویت ملتی ہے جو ابھی تک ثقافتی طور پر اپنا تشخص عربوں، پاکستانیوں شرق الہند کے باشندوں اور دیگر نسلوں کے مسلمانوں کے ساتھ ملانا چاہتے ہیں اور اس امر کا تاریخی جائزہ لینے کے متمنی ہیں کہ مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے ان مسلمانوں نے افریقی امریکی مسلمانوں کو تبدیلی مذہب پر آمادہ کرنے کی کوئی کوشش کیوں نہیں کی۔ یہ تو جب نوبل ڈریو علی اور خاص طور پر عالیجاہ محمد نے خود اپنی اسلامی تحریکیں شروع کیں تب کہیں مختلف نسلوں کے ان مسلمانوں نے سیاہ فام امریکی برادری میں درست (راسخ العقیدہ) اسلام کے بارے میں زور و شور سے آواز بلند کی۔" (۴)

مسلم تارکین وطن مقامی امریکی مسلمانوں میں مسلمہ روایات اور رسوم ورواج سے روگردانی پر اعتراض کرتے ہیں۔ انھیں شکایت ہے کہ امریکی مسلمانوں کی قیادت اہم شعبوں مثلاً قرآن کی عربی زبان اور فقہ میں بنیادی اسلامی تعلیم سے عاری ہے۔ وہ امریکی "آئمہ" کو کچھ زیادہ لائق تعظیم نہیں گردانتے جو عربی میں قرآن تو مشکل ہی سے پڑھ سکتے ہیں مگر پیچیدہ نظری تصورات پر طویل خطبات دیتے ہیں۔ یہ لوگ ان آئمہ کے عقائد پر عیسائیت کے اثرات اور حدیث سے ان کے بے ادبانہ رویے پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے خیال میں امریکہ میں بہت سے لوگ جن عقائد پر عمل کرتے ہیں وہ اسلام نہیں ہے۔ وہ لوئی فرح خاں جیسے لیڈروں پر اسلام کی تعلیمات اور مسلمہ عقائد کو مسخ کرنے پر بھی کڑی نکتہ چینی کرتے ہیں۔

Marfat.com

۲۱۲۔امریکی مسلمانوں میں باہمی تعاون:

امریکی مسلمانوں کے مابین شدید نوعیت کے تنازعات کی مثالیں تو موجود ہیں مگر بحیثیت مجموعی وہ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ مثالی تارکین وطن معقول حد تک تعلیم یافتہ ہیں اور ان کے بچے بھی عام طور پر نسلی، لسانی اور اپنی آبائی سرزمینوں پر پائے جانے والے قومی تعصّبات سے پاک ہیں۔ سنی، شیعہ کشیدگی کے باوجود مقامی مسلمانوں اور مسلم تارکین وطن اور عرب اور غیر عرب مسلمانوں کے تعلقات عام طور پر دوستانہ ہیں اور وہ ایک دوسرے کی تائید وحمایت کرتے ہیں۔

افریقی نژاد مسلمان اور امریکہ میں پیدا ہونے والے افریقی۔ امریکی مسلمانوں کا گروپ پوری امریکی مسلم برادری سے الگ تھلگ اور کٹا ہوا گروپ ہے۔ اگرچہ اسلام کی بنیاد نسلی مساوات پر ہے۔ لیکن رنگ کی بنیاد پر امتیاز اب بھی خاصی حد تک موجود ہے۔ امریکی مسلمان آپس میں حائل ہر قسم کی رکاوٹیں دور کرنے بالخصوص نسلی امتیاز پر مبنی اختلافات کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔

۲۱۳۔حیثیت:

تارک وطن امریکی مسلمانوں نے اسلام سے اپنی وابستگی کا اظہار ۱۹۶۰ء کی دہائی میں کھل کر شروع کیا۔ اس وقت سے وہ نوجوان نسل کو اسلام کی تعلیم کے لیے مساجد اور اسکولوں کے قیام میں مصروف ہیں۔ انھوں نے سخت محنت سے کام کیا اور شان دار پیش رفت کی ہے جس کے نتیجے میں سیکڑوں مساجد، کمیونٹی سنٹرز اور اختتام ہفتہ پر دینی تعلیم کے مدارس کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں مساجد کی تعداد ۱۰۰ کے قریب تھی جو ۱۹۹۳ء میں بڑھ کر ۱۱۰۰ تک پہنچ گئی۔ ۱۰۰ سے زائد کل وقتی اسلامی اسکول بھی قائم ہو چکے ہیں۔

امریکہ اور انگلینڈ میں مسلم مفکرین نے، خاص طور پر نوجوانوں کے لیے، جدید انگریزی زبان میں کافی لٹریچر تیار کیا ہے جو امریکہ میں موجودہ نوجوان نسل کی ضروریات سے مطابقت رکھتا ہے اور اس سے وسیع پیمانے پر استفادہ کیا جا رہا ہے۔ دوسرے مسلم ممالک اب تک وہی لٹریچر استعمال کر رہے ہیں جو طویل عرصہ قبل تیار کیا گیا تھا۔ تمام ملکوں کے مسلمان مغرب

Marfat.com

میں کیے جانے والے کام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کویت پر عراقی حملہ، صومالیہ میں مسلمانوں کی خانہ جنگی اور فاقہ زدگی اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر بم دھماکہ کے واقعات مغرب میں اسلام دشمن اور مسلم دشمن خبروں کا سبب بنے ہیں۔ اس کے بعد اقوام متحدہ اور دوسرے مقامات پر بم دھماکوں کی سازش کے الزام میں کچھ مسلمانوں کی گرفتاری نے امریکہ میں ہر مسلمان کو ممکنہ دہشت گرد اور مغربی تہذیب کے دشمن کے روپ میں پیش کیا ہے۔

امریکہ میں بعض مسلمان اس پر شرمندگی اور خطرہ محسوس کرتے ہیں جب کہ دوسرے مسلمان اتنے مایوس بھی نہیں ہیں۔ کیلی فورنیا کے ایک نوجوان امریکی نے اس صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اسکول میں بچوں کا ہر بات پر مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ انھیں ٹھگنے ہونے کا، ان کا لہجہ عجیب وغریب ہونے کا، انھیں نامانوس نام اور مختلف مذہب رکھنے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صورتحال صرف مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہے۔ ہر ایک کو ان ہی حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی نئے نظریات اور نیا دین متعارف کرانے پر مکہ میں تیرہ سال تک بے حد وحساب لعن طعن اور دشنام طرازی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ متعدد مذہبی اقلیتوں کی طرح امریکی مسلمان بھی ثابت قدم ہیں اور دوسروں کو اپنے مذہب اور رسوم ورواج سے آگاہ کر رہے ہیں۔

پریس میں انھیں اس وقت جس انداز میں پیش کیا جا رہا ہے وہ اگرچہ منفی ہے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ زحمت کے بھیس میں رحمت ہو۔ بے شمار امریکی پہلی مرتبہ مسلمانوں کے بارے میں کچھ پڑھ یا سن رہے ہیں۔ پہلے جن خدشات، شکوک وشبہات اور خیالات کا اظہار ڈھکے چھپے انداز اور سرگوشیوں میں کیا جاتا تھا اب ان پر کھل کر بحث ہوتی ہے اور اکثر یہ وسوسے اور خدشے رفع بھی ہو جاتے ہیں۔ بعض امریکیوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ اسلام پر نکتہ چینی کا سلسلہ کچھ زیادہ ہی دراز ہو گیا ہے اور اب انھوں نے مسلمانوں اور ان کے مذہب کی حمایت میں بولنا شروع کر دیا ہے۔ اسی طرح ذرائع ابلاغ کی ناانصافی پر برہمی کے مشترکہ احساس کی وجہ سے مسلمان بھی اب زیادہ متحد اور سیاسی طور پر فعال گروپ بن گئے

Marfat.com

ہیں۔ مسلمانوں نے پہلی مرتبہ "ٹاک شو" کے میزبانوں اور ان کے ارکان کانگریس کو بلانا شروع کر دیا ہے۔ امریکی عوام کے تجسّس میں بھی اضافہ ہوا ہے جس سے دعوتی کام کے مواقع پیدا ہوئے ہیں۔ مسلمان اپنے پڑوسیوں اور واقف کاروں کو اسلام اور اس کے نقطہ نظر سے آگاہ کرنے کے لیے وقت نکال رہے ہیں۔

بہت سی مسلم تنظیموں اور مفکروں کو مسلمانوں میں تعاون بڑھانے کی ضرورت کا احساس ہو گیا ہے۔ "اسلامی افق" (انگریزی) رسالہ نے اپنے موسم بہار ۱۹۹۲ء کے شمارے کا بیشتر حصہ اسی موضوع کے لیے وقف کیا تھا۔ سرورق کے مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ امریکہ کے مسلمانوں میں بالخصوص مندرجہ ذیل شعبوں میں تعاون کا فقدان ان کے راستہ کی رکاوٹ ہے۔ (الف) اسلامی دعوۃ (ب) ابلاغی سرگرمیوں کو مربوط بنانا (ج) اسلامی تعلیم کا فروغ (د) ایک سیاسی بنیاد کا قیام (ہ) اقتصادی ترقی (و) آئندہ نسل کو متحد کرنے کا اہتمام اور (ز) اسلامی مراکز اور مساجد کو یکجا کرنا۔

۲۱۴۔ مسلم نوجوانوں کی ترقی:

مسلم نوجوانوں کی فلاح و بہبود تمام مسلمانوں کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔ امریکہ میں خاص طور پر اس کی بڑی اہمیت ہے۔ مسلمان اپنے نوجوانوں میں اسلام کی آگہی، قرآن و سنت کے علم میں اضافے، عربی زبان کی سمجھ اور نماز، روزہ کی پابندی کی حوصلہ افزائی کے حوالے سے بہتر اوصاف پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ تاہم نوجوانوں کی تربیت سے متعلق معاملات میں مسلمانوں کو ان کی کردار سازی اور اپنی اہمیت کا احساس کرنے، انھیں خود کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے ایک مثالی نمونہ بنانے، رحم اور انصاف سے کام لینے اور بحیثیت مجموعی پوری برادری کی ترقی کے لیے کام کرنے کی خصوصیات پیدا کرنے پر توجہ دینے کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔

۲۱۵۔ تنظیمی ضروریات:

مسلم برادری کے رہنماؤں اور سرگرم کارکنوں کے انٹرویوز کی بنیاد پر "اسلامی افق" کے سابق مدیر اعلیٰ کامران میمن نے متعدد مطلوبہ اقدامات پر زور دیا ہے۔ انھوں نے

Marfat.com

مندرجہ ذیل ضرورتوں کی نشان دہی کی ہے:

(الف) اسی فیصد سے زائد بے عمل مسلمانوں کو مساجد جانے پر آمادہ وراغب کرنا۔

(ب) دعوتی پروگرام کا دائرہ کالج کیمپس تک وسیع کرنا۔

(ج) اہم مسائل پر روشنی ڈالنے کے لیے ابلاغ کے ذریعوں کا مشترکہ استعمال، اہم شہروں میں مشترکہ نیوز بیورو کے لیے مالی وسائل کی فراہمی، اشتہارات میں شراکت، اسلامی ٹی وی چینل کا قیام۔

(د) مسلم مفکرین اور بین المذہبی تنظیموں کی مدد سے مشترکہ طور پر مسلمانوں کو زدوکوب کیے جانے کا جواب دینا۔

(ہ) مسلم مقررین کے ایک بیورو کے حصہ کے طور پر ملک کے مختلف حصوں میں مسلم رہنماؤں، مفکرین اور سرگرم کارکنوں کی خدمات سے استفادہ کرنا۔

(و) ہر اسلامی اسکول میں نت نئے تجربے اور اختراع کے بجائے مطالعہ اسلامیات کے لیے حال ہی میں تیار شدہ اور پرکھے ہوئے نصاب تعلیم اور نصابی کتب کا استعمال۔

(ز) مسلمانوں کو درپیش نازک مسائل کے حل میں مدد کے لیے موجودہ متعدد سیاسی شخصیات اور عطیہ دینے والوں میں اشتراک عمل۔

(ح) مسلمانوں کے کاروبار میں توسیع اور مدد فراہم کرنا۔

(ط) اختلاف کا امکان کم کرنے کی غرض سے نوجوانوں کی توجہ برادری کو درپیش نازک مسائل پر مرکوز رکھنا۔

(ی) اس کونسل کی طرز پر جس کا آغاز نیویارک میں ہو چکا ہے، ایک موثر قومی کونسل کا قیام۔

۲۱۶۔ امریکہ میں اسلام کا تصور:

امریکن مسلم کونسل نے مارچ ۱۹۹۳ء میں ایک ملک گیر عوامی سروے کیا تھا جس سے پتہ چلا کہ صرف تئیس فیصد اسلام کے لیے موافق جب کہ چھتیس فیصد غیر موافقانہ رائے رکھتے تھے اور اکتالیس فیصد اس بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں رکھتے تھے۔ اس کا کوئی بھی سبب ہو مگر امریکہ میں اسلام اور مسلمان کچھ زیادہ مقبول نہیں ہیں۔ امریکی مسلمانوں کو بدستور

Marfat.com

امتیازی سلوک اور ربط وضبط سے گریز کا سامنا ہے۔ اگر مسلمان اسلام کے تاثر کے بارے میں تبدیلی چاہتے ہیں تو انھیں امریکیوں کو اسلام کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے بہت کام کرنا پڑے گا۔ اسلام کے بارے میں کوئی قطعی رائے ظاہر نہ کرنے والوں کی بھاری تعداد ان کے کھلے ذہن کی نشان دہی کرتی ہے اس لیے حوصلہ افزا ہے۔

(ج) امریکہ کی کچھ مسلم تنظیمیں:

۲۱۷۔ امریکن مسلم کونسل (اے ایم سی):

اے ایم سی امریکی مسلمانوں کے مفادات کی تکمیل کے لیے ۱۹۹۰ء میں تشکیل دی گئی تھی جس کے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں:

(الف) مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے خلاف امتیاز کی نشان دہی اور اس کی مخالفت۔

(ب) کانفرنسوں، مجالس مذاکرہ اور تربیتی اجلاسوں کا اہتمام۔

(ج) امریکی مسلمانوں کو منظم کرنا تاکہ وہ امریکی زندگی کے مرکزی دھارے میں ایک سیاسی قوت بن سکیں۔

(د) امریکی مسلمانوں کے لیے باعث تشویش مسائل کے بارے میں کانگریس اور وہائٹ ہاؤس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

(ہ) مختلف ثقافتوں کی نمائندگی اور تعاون کے ذریعے کی حیثیت سے خدمات انجام دینا۔

(و) قومی سطح پر مسلم تنظیموں کا جال بچھا دینا۔

اے ایم سی کے ارکان کی تعداد نسبتاً کم ہے اس کا ڈائریکٹر ایک سخت کوش اور محنتی انسان ہے جو چند مخلص جز وقتی کارکنوں کی مدد سے کام کرتا ہے۔ تاہم مسلمانوں کے لیے یہ تنظیم واشنگٹن میں مسلمانوں کی ایک واضح اور مثبت آواز بن چکی ہے۔ اپنی کم عمری کے باوجود اے ایم سی نے خود کو ایک موثر تنظیم ثابت کر دیا ہے۔ اس کی انتظامیہ اور عملہ مندرجہ ذیل شعبوں میں بہت مددگار ثابت ہو چکے ہیں:

(الف) مسلمانوں کو کانگریس کے اجلاسوں کا آغاز قرآن کی تلاوت سے کرنے کی دعوت دی گئی۔

Marfat.com

(ب) امریکی فوج کی جانب سے پہلی بار مسلم امام کی تقرری عمل میں آئی۔
(ج) امریکی مسلح افواج اور امریکی جیلوں میں مسلمانوں کے لیے حلال (اسلامی لحاظ سے پاک) غذا دستیاب ہے۔
(د) امریکی مسلمانوں کو ذرائع ابلاغ کی جانب سے مسلمانوں کے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے مدعو کیا جارہا ہے۔
(ہ) صدر بش نے امریکی مسلمانوں کے لیے عید کا پیغام ریکارڈ کرایا۔
(و) کانگریس نے مذہبی آزادی کی بحالی کا ایکٹ منظور کیا اور صدر کلنٹن نے اس پر دستخط کیے، متعدد مسلمانوں کو دستخطی تقریب میں مدعو کیا گیا۔
(ز) حکومت اور نجی شعبے میں مسلمانوں کے مقاصد کے لیے حمایت کی کوششوں میں اضافہ ہوا۔
(ح) امریکی مسلمانوں اور بیرونی ممالک سے آنے والے مسلم رہنماؤں کے درمیان رابطے بڑھے ہیں۔

۲۱۸۔ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (آئی ایس این اے):

آئی ایس این اے شمالی امریکہ میں اسلام کا پیغام پھیلانے والے مسلمانوں اور مسلم تنظیموں کی ایک وسیع البنیاد مجلس ہے۔ اس کے مقاصد میں: مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا، کل وقتی مسلم اسکول قائم کرنا، دعوتی کاموں اور نوجوانوں کی سرگرمیوں کو فروغ دینا اور دنیا بھر میں مسلم مقاصد میں مدد دینا شامل ہیں۔ اس کے کل وقتی عملہ کی تعداد ۱۰ سے بھی کم ہے اور بے حد محدود وسائل کے ساتھ ایک بہت بڑے اور ضروری ایجنڈے کو نمٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔

۲۱۹۔ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (آئی سی این اے):

آئی سی این اے کا اعلان کردہ مشن قرآن اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق اسلامی طرز حیات تشکیل دینا ہے۔ آئی سی این اے کا تعلق پاکستان میں جماعت اسلامی سے ہے اور اس کے پروگرام میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں:

Marfat.com

(الف) دعوۃ، بنی نوع انسان کو رابطہ اور تعلق کے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کرتے ہوئے خالق کی اطاعت کی دعوت دینا۔

(ب) مسلمانوں کو بنی نوع انسان پر اپنے قول و فعل سے ایمان کی گواہی کا حق ادا کرنے کی ترغیب دینا۔

(ج) اسلامی علم میں اضافہ کرنے، کردار بہتر بنانے اور آئی سی این اے سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کے ہنر اور صلاحیت کو فروغ دینے کے لیے تعلیمی اور تربیتی مواقع فراہم کرنا۔

(د) ہر قسم کی بداخلاقی اور جبر کی مخالفت کرنا اور معاشرے میں سماجی، اقتصادی انصاف اور شہری آزادیوں کے لیے کی جانے والی کوششوں کی حمایت کرنا۔

(ہ) دنیا کے کسی بھی حصے میں تمام ضرورت مندوں کی مدد کے ذریعے انسانیت کے رشتے مضبوط کرنا اور اس سلسلے میں پورے شمالی امریکہ میں آس پاس کے علاقوں پر خصوصی توجہ مرکوز کرنا۔

(و) آئی سی این اے کے پروگرام پر عملدر آمد اور امہ میں اتحاد کے فروغ کے لیے دیگر تنظیموں سے تعاون کرنا۔

آئی سی این اے اسلامی اصولوں کے مطابق جمہوری، قانونی اور پرامن ذرائع استعمال کرنے پر یقین رکھتی ہے۔

۲۲۰۔ دی شیعہ موومنٹ:

امریکہ سمیت دنیا بھر میں اس تحریک کے بہت سے پیروکار ہیں۔

۱۹۶۰ء کے عشرے میں سنیوں اور شیعوں نے مل جل کر امریکہ میں اسلامی اداروں کے قیام کے لیے کام کیا۔ ایران میں انقلاب کے بعد شیعہ گروپ زیادہ الگ ہو گیا ہے اور متعدد بڑے بڑے شہروں میں وہ اپنی مساجد اور ادارے قائم کر رہا ہے۔ عمومی صورتحال یہ ہے کہ عقیدے کے اختلافات کے باوجود امریکہ میں بالعموم سنی اور شیعہ فرقوں کے درمیان دوستانہ تعلقات ہیں۔ شیعہ مالکم ایکس کی بڑی عزت کرتے ہیں اور انھوں نے اپنے مکتبہ فکر کو بڑی کامیابی سے افریقی۔ امریکی برادری میں متعارف کرایا ہے۔ امریکہ میں بہت سے عسکریت پسند افریقی۔ امریکی مسلمان ایرانی انقلاب سے ہمدردی رکھتے ہیں اور انھوں نے اس کی حمایت کی ہے۔

Marfat.com

۲۲۱۔ دی نیشن آف اسلام:

۱۹۳۰ء کے عشرے میں عالیجاہ محمد نے افریقی امریکنوں کو سربلند کرنے کے لیے اس تحریک کو منظم کیا۔ انھوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں کی تعلیم دی مگر متعدد ایسے نظریات بالخصوص عالیجاہ کی پیغمبری اور تحریک کے بانی فرد محمد کی مبینہ الوہیت کے تصور کا اضافہ بھی کر دیا جو تقریباً تمام راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول ہیں۔ عالیجاہ محمد کی قیادت میں نیشن آف اسلام نے بعض نمایاں شخصیات پیدا کیں جن میں مالکم ایکس، باکسنگ کے عالمی چیمپئن محمد علی اور لوئی فرح خان شامل ہیں۔ امریکہ میں اسلام کے فروغ میں ان شخصیات کے علاوہ نیشن کی سماجی و اقتصادی کامیابیوں سے بھی مدد ملی۔

عالیجاہ محمد کی وفات کے بعد سے منسٹر (مبلغ) فرح خاں نے نیشن کے متعدد اولین دور کے پروگرام دوبارہ شروع کیے اور اس کے مخصوص نظریات کو بحال کیا۔ ایک گروپ کی حیثیت سے یہ خاصے جرات مند لوگ ہیں جو اقتصادی خود کفالت پر یقین رکھتے ہیں۔

دوسرے مسلمانوں کی طرح یہ بھی شراب نوشی، غیر قانونی منشیات، بدکاری، ہم جنس پرستی وغیرہ کے سخت خلاف ہیں۔ وہ غلامی اور سیاہ فام امریکنوں کے بیشتر مصائب کے لیے سفید فاموں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔

منسٹر فرح خاں اور ان کے پیروکاروں کی جانب سے یہودیوں کے خلاف انتہائی سخت بیانات کی وجہ سے ان کی شخصیت خاصی متنازعہ اور موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ بعض مسلمانوں نے نیشن آف اسلام کو روایتی اسلام کے قریب تر لانے کی کوششیں کی ہیں جب کہ دوسروں نے یہ کہہ کر اس سے دوری اختیار کر لی کہ فرح خاں کے نظریات اسلام سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ صورتحال جو بھی ہو، بہر حال منسٹر فرح خاں کی شہرت نے بعض مسلمانوں کے لیے مسائل ضرور پیدا کیے۔

۲۲۲۔ امام ڈبلو دین محمد:

۱۹۷۵ء میں عالیجاہ محمد کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ڈبلو۔ دین محمد کو دی نیشن آف اسلام کی قیادت کے لیے منتخب کیا گیا۔ امام محمد نے نیشن کی تعلیمات کو روایتی اسلام سے ہم آہنگ

Marfat.com

کرنے کے لیے تیزی سے تبدیلیاں کیں۔ انھوں نے اپنے والد کے تشکیل کردہ بیشتر تنظیمی ڈھانچے کو توڑ دیا اور اس کی جگہ ایک ایسا مثالی تنظیمی ڈھانچہ کھڑا کیا جو مشرق میں مروج اسلام سے زیادہ مطابقت رکھتا تھا۔ اپنے والد کے برخلاف وہ رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ انھوں نے مکمل طور پر روایتی اسلام کو قبول کر لیا ہے اور انھیں زیادہ تر مسلم تارکین وطن کی حمایت حاصل ہے۔ وہ افریقی نژاد امریکی مسلمانوں کے سرکردہ نمائندے ہیں۔

امام محمد عیسائی اور یہودی مذہبی برادریوں کے ساتھ بین المذہبی مذاکرات میں بہت سرگرم رہے ہیں۔ وہ ایک مستحکم افریقی۔ امریکی مسلم برادری کا وجود برقرار رکھنے اور افریقی۔ امریکی مسلمانوں میں روایتی اسلام کی تبلیغ میں بھی کامیاب رہے ہیں اور امریکہ کے تمام مسلمانوں کو یکجا کرنے کے سلسلے میں وہ بڑا نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

امریکہ میں آئی سی این اے، آئی ایس این اے اور ڈبلوڈی دین محمد کی تنظیم سمیت متعدد مسلم تنظیمیں اپنے کنونشن مشترکہ طور پر منعقد کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہیں۔ اتحاد کی کوششیں جاری ہیں۔

۲۲۳۔ مسلم تنظیموں کا رابطہ:

مذکورہ بالا تنظیموں کے علاوہ بہت سی دوسری تنظیمیں بھی اپنی بہترین صلاحیت کے مطابق اپنے ارکان اور امہ کی خدمت کے لیے سخت کوششیں کر رہی ہیں۔ اللہ ان تمام لوگوں کو اپنے فضل سے نوازے جو اس کی مخلوق کی بھلائی کے لیے کوشاں ہیں۔ ان میں سے بعض تنظیموں کے ارکان میں داخلی اختلاف رائے اور ٹکراؤ کی صورت بھی پائی جاتی ہے۔ اگر داخلی جھگڑوں کو باہمی افہام و تفہیم سے طے کر لیا جائے اور تمام تنظیموں کی قیادت مسلمانوں کو درپیش اہم مسائل پر ایک دوسرے سے تعاون کرے تو اس سے یقیناً مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ متعدد تنظیموں کے ارکان امریکہ کے تمام حصوں میں موجود ہیں۔ تاہم موثر رابطے اور اشتراک کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ تمام مسلم تنظیموں کی ایک انتہائی منظم اور موثر نیشنل کونسل مفید ثابت ہو گی اور اس کی کوشش کی جانی چاہیے۔

Marfat.com

۲۲۴۔سیاسی شرکت:

مغرب میں مسلمان مختلف وجوہ کی بناپر اب تک سیاست میں غیر فعال رہے ہیں۔ بعض لوگ مسلسل اس بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ آیا اسلام کی رو سے سیاست میں شرکت پسندیدہ ہے بھی یا نہیں اور اس کی اجازت دی بھی گئی ہے یا نہیں؟ تاہم بیشتر مسلمانوں نے، بالخصوص نوجوان نسل نے سیاسی عمل میں شرکت کی اہمیت کو تسلیم کرلیا ہے اور اب وہ زیادہ سرگرم ہوتے جارہے ہیں۔ متعدد مسلم اخبارات، رسائل اور نیوزلیٹر نکلنے لگے ہیں۔اگرچہ ان کی اشاعت بنیادی طور پر مسلم قارئین تک محدود ہے۔ ۱۹۹۲ءاور ۱۹۹۴ء کے عام انتخابات کے دوران میں ووٹروں کی رجسٹریشن اور سیاسی طور پر متحرک ہونے کی کچھ کوششیں کی گئیں مگر ان کا کوئی واضح مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

قومی یا ریاستی سطح پر کوئی مسلمان کسی بھی قابل ذکر سیاسی عہدے کے لیے کامیابی حاصل نہیں کرسکا۔ بعض مسلمان بڑے شہروں میں معمولی عہدوں اور چھوٹے شہروں میں نسبتاً اہم عہدوں پر منتخب ہوئے ہیں۔ بہت سے نوجوان امریکیوں کی طرح نوجوان مسلمانوں نے بھی مستقبل کے سرکاری عہدوں کے حصول میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے۔ مقامی طور پر پیدا ہونے والے افریقی۔ امریکی مسلمانوں کی تعداد اور طاقت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ کمتر اقتصادی سطح سے تعلق رکھنے کے باوجود اسلام سے گہری وابستگی رکھتے ہیں اور امریکی سیاسی نظام میں اپنے راستے سے واقف ہیں۔ وہ منشیات اور جرائم کے خلاف جنگ میں اپنی برادریوں کی مدد کررہے ہیں۔ انھوں نے صاف ستھری زندگی گزارنے والے لوگوں کے طور پر نیک نامی حاصل کرلی ہے۔

۲۲۵۔امریکی سیاسی جماعتوں سے تعلقات:

امریکی مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، سیاسی دلچسپی اور شعور کے باوجود دونوں سیاسی جماعتیں ان سے دور ہی رہی ہیں۔ ۱۹۹۲ء کے انتخابات میں صدارت کے دونوں اہم امیدواروں نے آئی ایس این اے اور اے ایم سی کی پیہم کوششوں کے باوجود مسلم رائے دہندگان سے معمولی سطح پر بھی مذاکرات یا کسی قسم کے رابطے سے انکار کردیا۔ ۱۹۹۴ء میں کانگریس کے ریاستی اور

Marfat.com

مقامی انتخابات نے مرکزی دھارے کے چند امیدواروں اور کچھ مسلمانوں کے درمیان تھوڑے بہت رابطے کا سلسلہ شروع کرنے میں مدد دی۔

۲۲۶۔ بوسنیا ریلی:

مئی ۱۹۹۳ء کے دوران میں جب امریکی ذرائع ابلاغ اور صدر سمیت ممتاز سیاست دانوں نے بوسنیا میں مسلمانوں کے مقاصد کی حمایت کی تو واشنگٹن کی بوسنیا ریلی میں سیکڑوں منتخب ارکان میں سے صرف ایک رکن نے شرکت کی۔ اس ریلی پر تبصرہ کرتے ہوئے بی بی سی نے صحیح بات کہی کہ مسلمان امریکہ میں مظاہرہ تو کر سکتے ہیں مگر وہ امریکی عوام نہیں ہیں۔ "اسلامی افق" میگزین نے اپنے ستمبر ۱۹۹۳ء کے شمارے میں لکھا کہ اس ریلی نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں مدد دی لیکن یہ ریلی امریکی حکومت کو بوسنیا میں مسلمانوں کی حمایت پر آمادہ نہیں کر سکی۔ منتظمین نے تمام امریکنوں کو یکجا کرنے کے بجائے اپنی توجہ مسلمانوں کو اکٹھا کرنے پر مرکوز رکھی، یہ امریکی ریلی کے بجائے مسلم ریلی تھی۔ اس سے حتمی نتیجہ یہی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اپنے ہم وطنوں یا منتخب نمائندوں کی نظروں میں امریکی مسلمانوں کی کچھ زیادہ وقعت نہیں ہے۔

بوسنیا میں مسلمانوں کے مقاصد کے لیے ذرائع ابلاغ، متعدد سیاست دانوں اور امریکی عوام کے ایک بہت بڑے حصے کی حمایت کے باوجود امریکی مسلمان مطلوبہ کارروائی کا مطالبہ منوانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس سے زیادہ پیچیدہ اور متنازعہ مسائل کے لیے حمایت حاصل کرنا تو اور بھی زیادہ دشوار ہوگا۔

۲۲۷۔ مسلمان سیاست کے مرکزی دھارے میں:

امریکہ مختلف قومیتوں، ثقافتوں اور مذاہب کا ایک مرکب ہے۔ بہر حال امریکی عوام میں قوم پرستی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ امریکی ہونے پر فخر کو اولیت حاصل ہے۔ بہت سے مسلم تارکین وطن نے اب تک اپنی آبائی زمینوں کو نہیں بھلایا ہے اور وہ واپس جانے کے خواب دیکھتے ہیں مگر امریکہ میں پیدا ہونے والے ان کے بچوں کو امریکی شہریت اپنی جڑوں سے زیادہ عزیز ہے۔ اکثر مسلمانوں کے نزدیک امریکی نظام میں مکمل شرکت ہی واحد متبادل

Marfat.com

راستہ ہے اور اسلام کی رو سے درست بھی۔

مسلم تارکین وطن اکثر دیگر اقلیتوں بالخصوص افریقی۔امریکیوں کے تجربوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ابھی ۱۹۵۰ء کی دہائی تک تو امریکہ میں سیاہ فام اور سفید فام باشندوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا ملک کا قانون تھا۔"الگ مگر مساوی" سہولتوں پر مشتمل اسکولوں اور "غسل خانوں" کا اصول رائج تھا حالانکہ یہ بڑی واضح سی بات ہے کہ علاحدہ سہولتوں کے اہتمام کی صورت میں یہ سہولتیں برابر نہیں ہو سکتیں۔ برسہا برس کی جدوجہد اور قربانیوں کے بعد، جس کے دوران انھیں ہراساں اور ذلیل کیا جاتا رہا، اور انھیں زدوکوب اور ہلاک کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہا، بالآخر سیاہ فام امریکی اور ان کے سفید فام حامی قانونی طور پر الگ رکھنے کا یہ سلسلہ بند کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے مکانات اور چرچ نذر آتش کر دیے گئے مگر عدالتوں اور کانگریس کی طرف سے مشکلات کے کچھ ازالے تک وہ ثابت قدم رہے۔مارٹن لوتھر کنگ، مالکم ایکس، تھر گڈ مارشل، جان کینیڈی اور رابرٹ کینیڈی کی زندگیاں امریکہ میں مسلمانوں سمیت تمام اقلیتوں کے لیے سبق رکھتی ہیں۔

مسلم مبصرین آج کے سیاہ فاموں کا اور ۱۹۵۰ء کی دہائی سے اب تک ان کی بے شمار کامیابیوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ ۱۹۹۲ء کے انتخابات کے بعد امریکی کانگریس میں سیاہ فام ارکان کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔وہ ایک طاقت ور اساس کے مالک ہیں۔کانگریس میں ہونے والی نازک بحثوں اور ووٹوں میں ان کی وجہ سے بڑا فرق پڑ سکتا ہے۔

امریکہ کا صدر ان کے سالانہ عشائیہ میں شریک ہوتا ہے اور ان کے اہم مسائل پر توجہ دیتا ہے۔صدر کلنٹن انھیں اپنی انتظامیہ میں تعینات کیے جانے والے سیاہ فام افراد کی تعداد سے آگاہ کرتے ہیں اور مستقبل میں مزید سیاہ فاموں کے لیے اور بہت کچھ کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

ان حالات کی روشنی میں بہت سے مسلم تارکین وطن کے خیال میں جن لوگوں کی کانگریس میں کوئی سیاسی نمائندگی نہیں ہے انھیں سیاہ فام لوگوں کی مثال پر عمل کرنا چاہیے۔ ان مسلمانوں کو یہ نظر آرہا ہے کہ سیاہ فاموں کے بارے میں قائم بہت سے تصورات اور خیالات

Marfat.com

حرف غلط کی طرح مٹا دیے گئے ہیں اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سخت محنت اور قانونی ذرائع سے مسلمان بھی ایسی ہی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ مختلف مراحل میں امریکی کیتھولک، یہودی، مقامی امریکی اور دیگر افراد بھی امتیازی سلوک اور نظرانداز کیے جانے کے ایسے ہی تجربات سے گزر چکے ہیں۔ ازالہ حیثیت عرفی کی ایک موثر لیگ یہودیوں کے لیے بڑی مفید ثابت ہوئی ہے۔ رنگ دار لوگوں کی ترقی کے لیے قائم نیشنل ایسوسی ایشن (این اے اے سی پی) سیاہ فام افراد کے لیے مفید رہی ہے۔ وسیع پیمانے پر ووٹروں کے اندراج اور انتخابی عمل میں شرکت کے لیے چلائی جانے والی تحریکوں سے سب کو مدد ملی ہے۔ بہت سے مسلم تارکین وطن یہی راستہ اختیار کرنے کے حامی ہیں۔

۲۲۸۔ ری پبلکن اور ڈیموکریٹک پارٹیوں میں سے انتخاب:

دونوں جماعتوں میں چند لیڈروں کے سوا بحیثیت مجموعی دونوں ہی جماعتیں (الف) اسرائیل کی شدت سے حامی ہیں۔ (ب) یہودیوں کے پیسے، ووٹ اور میڈیا کی طاقت کو اہمیت دیتی ہیں۔ (ج) ایک مضبوط اسرائیل کے بارے میں انجیل کی پیشن گوئیوں کی تکمیل میں مدد دینے کی خواہش مند ہیں (د) عیسائیت سے گہری وابستگی اور اسلام کے لیے تاریخی ناپسندیدگی کا مشترک جذبہ رکھتی ہیں اور (ہ) امریکہ میں یا بیرونی ممالک میں مسلم رہنماؤں اور شہریوں کے لیے احترام کا کوئی جذبہ نہیں رکھتیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی پارٹی اسلام کی مدد کرنا نہیں چاہتی۔ آج تک اسلامی مقاصد کے لیے (افغانستان اور صومالیہ میں) جو کچھ بھی حمایت ہوئی ہے وہ جغرافیائی و سیاسی اسباب اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

۲۲۹ ری پبلکن (الف) خاندانی اقدار کے شدت سے حامی ہیں (ب) ہم جنس پرستی اور اسقاط کے خلاف ہیں (ج) یہاں اقلیتوں کی نمائندگی کم ہے مگر وہ اس میں اضافہ کے خواہاں ہیں۔ (د) سرد جنگ کے اتحادیوں (سعودی عرب، پاکستان) کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور (ہ) مشرق وسطیٰ کے ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات کو اہمیت دیتے ہیں۔ یہ لوگ مذہب (بڑی حد تک عیسائیت) کو اسکولوں میں متعارف کرانے کے حامی ہیں اور متعدد مسلم آمروں کی طرف سے امریکہ کے ساتھ اظہار یکجہتی کی بنا پر ان کی حمایت کرتے ہیں۔

Marfat.com

ڈیمو کریٹس: (الف) اقلیتوں کے ساتھ زیادہ رواداری کا مظاہرہ کرتے ہیں کیوں کہ زیادہ تر اقلیتی شہریوں کے ووٹ ان ہی کے پاس ہیں (ب) چرچ اور حکومت کی علاحدگی پر پختہ یقین رکھتے ہیں (ج) ترقی پذیر ملکوں کے لیے غیر ملکی امداد کی حمایت کرتے ہیں اور (د) نقل مکانی کے مسائل پر زیادہ لچک دار رویہ رکھتے ہیں۔

ہر پارٹی میں ایسی خصوصیات ہیں جو مسلم شہریوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔ مسلمان ایسی سیاسی حیثیت کے خواہاں ہیں کہ دونوں پارٹیاں مسلم ووٹ اور مسلم حمایت کے حصول کے لیے مقابلہ کریں جس طرح وہ یہودیوں کے سلسلے میں کرتی ہیں۔ مگر بد قسمتی سے امریکی مسلمان اپنی سیاسی سرگرمی کے فقدان کی بنا پر انتخابات میں کسی بھی پارٹی کے لیے کچھ زیادہ اہمیت کے حامل ثابت نہیں ہوئے نہ ان کا کوئی ووٹ بینک ہے اور نہ وہ مالی تعاون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر اب مسلمان آہستہ آہستہ بیدار ہو رہے ہیں۔ ووٹر رجسٹریشن، پی اے سی کی تشکیل اور امیدواروں کے ساتھ مذاکرات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مسلمانوں نے دونوں پارٹیوں کے لوگوں سے رابطے قائم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔

اس مرحلے پر تو مسلمان خود کو کسی بھی فرد یا پارٹی کے ساتھ کام کے لیے آزاد سمجھتے ہیں جو مسلمانوں سے عزت کا سلوک کرے اور جائز مسلم مفادات کی حمایت کرے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ دیکھنا ہوگا کہ ان میں سے کون سی پارٹی منتخب پسندیدہ جماعت کی حیثیت سے ابھرتی ہے۔

۲۲۹۔امریکی مسلمانوں کے لیے سیاسی ایجنڈا:

امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کی حیثیت کو بہتر بنانے کی غرض سے اقدامات کا ایک لائحہ عمل تیار کرنا امریکی مسلمانوں کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ امریکہ اور مسلمانوں کے درمیان، (جن میں امریکہ میں مقیم اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمان اور ان کے اعزہ واقربا بھی شامل ہیں) باہمی طور پر مفید تعلقات قائم کرنے کے طریقوں پر امریکی عوام، سیاسی جماعتوں اور منتخب نمائندوں سمیت فیصلہ ساز اداروں کے ساتھ مل کر کام کریں۔

Marfat.com

اس کام کی ابتدا مسلم مفادات کی فہرست کی تیاری کے ذریعے کی جاسکتی ہے مثلاً:

(الف) امریکہ میں اسلام پر عمل اور اس کے پرچار کی آزادی۔

(ب) فلسطین، کشمیر اور بوسنیا سمیت موجودہ مسلم مقاصد کے لیے انتظامی اقدامات، مثبت قانون سازی اور منفی اثرات رکھنے والے قوانین کی شکست کے حوالے سے امریکی حمایت۔

(ج) دنیا بھر میں مسلم عوام اور حکومتوں کا تحفظ۔

(د) مسلم ممالک اور امریکہ کے درمیان اقتصادی، سیاسی، ثقافتی، روحانی اور فوجی شعبوں میں زیادہ سے زیادہ فائدہ مند تعلقات کی صورت میں دنیا بھر میں مسلمانوں کی ترقی میں مدد۔

(ہ) ذرائع ابلاغ کے ذریعے عام طور سے تمام مسلمانوں اور خاص طور سے عربوں کو منفی شکل میں پیش کرنے کا سلسلہ ختم کرنے کی حمایت۔

(و) دوسری بہت سی اقلیتوں مثلاً سیاہ فاموں، یہودیوں، اطالویوں اور آئرش باشندوں کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بھی مثبت تصویر کشی کرنے اور اسے برقرار رکھنے کی حوصلہ افزائی۔

اس امر کی وضاحت بھی مفید ثابت ہوگی کہ ایک سیاسی گروپ کی حیثیت سے اپنے انداز میں بہتری لانے کے لیے خود مسلمانوں کو کیا اقدامات کرنے چاہییں۔ ان میں حسب ذیل اقدامات شامل ہو سکتے ہیں:

(الف) ایسے معقول اور قابل عمل مطالبات کی فہرستوں کو پابندی سے بناتے رہنا جنھیں مسلمان، منتخب یا مقرر کردہ نمائندوں کو پیش کر سکیں۔

(ب) ایسے امریکی مسلم کارکنوں یا ماہرین کی نشان دہی کرنا جو اس مخصوص موضوع کو بہترین انداز میں نمٹا سکتے ہوں اور پھر انھیں یہ مخصوص ذمہ داری سونپنا۔

(ج) مختلف موضوعات اور جغرافیائی شعبوں میں جہاں اسپیشلسٹ گروپوں کی کمی ہے وہاں ان کی ترقی کی حوصلہ افزائی کرنا اور ان کی مدد کے لیے برادری سے مطلوبہ مالی، انسانی اور دیگر وسائل کی فراہمی کو یقینی بنانا۔

(د) ان مقاصد کے حصول میں ماہرین کے لیے تمام مسلم کارکنوں سے تعاون کے حصول کو یقینی بنانا۔

Marfat.com

(ہ) مختصر، درمیانہ اور طویل المیعاد مسائل کے بارے میں غور و فکر اور قبل از وقت منصوبہ بندی کے لیے فکری اداروں کے قیام کی حوصلہ افزائی کرنا۔

متعدد مسلم قومی اور نسلی گروپ پہلے ہی ان خطوط پر کام کر رہے ہیں۔ عرب، پاکستانی، کشمیری، فلسطینی وغیرہ برسوں سے اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ تاہم ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمانوں کے لیے یہ کام نیا ہے۔ بہرکیف صورت حال کچھ بھی ہو بہت سی مسلم تنظیمیں، جن میں اکثر کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، بہت کچھ کر رہی ہیں اور انھیں مسلمانوں کے سہارے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے لیے اب ضروری ہے زیادہ منظم طرز فکر اپنانے کی اور زیادہ وسائل اور زیادہ وسیع پیمانے پر کام کرنے کی۔ یقیناً مختلف مسلم گروپوں کے لیے ایک دوسرے کی تائید و حمایت کی بھی ضرورت ہے۔

جیسا کہ کانگریس کے ۱۹۹۴ء کے انتخابی نتائج سے ظاہر ہوتا ہے امریکی رائے دہندگان صحیح بات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسکولوں میں دعاؤں، اخلاقی قدروں اور خاندان اور معاشرے میں مذہب کے زیادہ عمل دخل نے ظاہری طور پر ووٹروں کی حمایت حاصل کی ہے۔ حتیٰ کہ صدر کلنٹن بھی سرکاری اسکولوں میں دعا کا سلسلہ متعارف کرانے کی صورت نکالنے میں مدد دینے کے لیے تیار ہیں۔ امریکی آئین چرچ اور ریاست کی علاحدگی کا حکم دیتا ہے۔ یہ ایک فطری رد عمل تھا امریکہ کے ان بانیوں کا جن میں سے اکثر لوگ یورپ میں ریاستی مذہب کی چیرہ دستیوں اور مظالم سے جان چھڑا کر امریکہ پہنچے تھے۔ تاہم عیسائی گروپوں کی دلیل یہ ہے کہ چرچ اور ریاست کی علاحدگی کے آئینی نظریہ کے طول کھینچنے کے نتیجے میں سیکولر تنظیموں اور پروگراموں کے مقابلے میں مذاہب اور مذہبی گروپوں کو دشواری سے دوچار ہونا پڑا۔

امریکی یہودی اس علاحدگی کو قائم رکھنے کی حمایت میں ایک مضبوط قوت ہیں۔ یہ بھی ایک فطری رد عمل ہے کیوں کہ وہ مذہبی حکومتوں کے ہاتھوں جبر و ستم کی ایک طویل تاریخ رکھتے ہیں۔

امریکی مسلمانوں کو اس کے مضمرات سمجھنے کے لیے اس مسئلہ کا احتیاط سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

انتہائی اہم بات یہ ہے کہ امریکی مسلمان (الف) اپنے بارے میں گھسے پٹے مفروضوں اور غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کریں (ب) امریکی عوام کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں آگاہ کریں (ج) اپنے مذہب پر عمل کی آزادی کو برقرار رکھیں اور (د) دیگر مذاہب کے پیروکاروں سے بات چیت جاری رکھنے کی آزادی برقرار رکھیں۔

۲۳۰۔امریکی مسلمانوں کی مالی ضروریات:

امریکی مسلمانوں کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ پیسے کی کمی ہے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۹۰ء تک کے عرصے میں تیل کی بدولت مالدار عرب ریاستوں نے اسلامی اسکولوں، مساجد اور کتابوں کے لیے مطلوبہ رقم کا بڑا حصہ فراہم کیا۔ لیکن جنگ خلیج کے بعد امریکہ میں بہت سے مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان ریاستوں سے مدد حاصل کریں یا انھیں ان کے ذریعے شناخت کیا جائے۔ اسی طرح یہ ریاستیں اور ان کے مالدار شہری بھی ایسے لوگوں کی مدد نہیں کرنا چاہتے تھے جنھوں نے جنگ خلیج کے دوران ان پر نکتہ چینی کی تھی۔ اس کے علاوہ سعودی عرب اور دیگر مملکتیں اپنے بھاری مالیاتی ذخائر جنگ میں خرچ کر چکی تھیں۔ جس کے نتیجے میں اسلامی تنظیمیں پیسے کی شدید قلت سے دوچار ہو گئیں۔ اب یہ تنظیمیں تقریباً مکمل طور پر مقامی مسلمانوں کی اعانت پر ہی انحصار کرتی ہیں۔

منصوبے تو بہت ہیں مگر مقامی طور پر عطیہ دینے والوں کی تعداد اور دستیاب فنڈز محدود ہیں۔ دیگر تنظیموں کے ساتھ آئی ایس این اے بھی مقروض ہے اور اسے اپنے عملہ کے بیشتر ارکان کو علاحدہ کرنا پڑا۔ انفرادی طور پر آسودہ حال مسلمان مثلاً ڈاکٹر، انجینئر، تاجر اور دیگر پیشہ ور افراد اعانت کر رہے ہیں۔ بے شمار مسلمان مسلم تنظیموں کی سرگرمیوں میں شرکت بھی کرتے ہیں اور ان تنظیموں کی فراہم کردہ سہولتوں یکشنبہ مدارس (سنڈے اسکولوں) جمعہ اور عیدین کی نمازوں، تجہیز و تکفین، شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات سے استفادہ بھی کرتے ہیں مگر رکنیت کے برائے نام واجبات کی ادائیگی تک نہیں کرتے۔

(د) یورپی اور دیگر اقلیتی مسلمانوں کا کردار اور باعثِ تشویش امور:

۲۳۱۔یورپی مسلم آبادی:

تقریباً دس ملین مسلمان یورپی یونین میں آباد ہیں۔ (۴) برطانیہ میں بیس لاکھ کے لگ بھگ

Marfat.com

مسلم شہری ہیں جنھوں نے بنیادی طور پر برصغیر کے علاقوں سے نقل مکانی کی ہے۔ فرانس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۲۰ لاکھ ہے جو بنیادی طور پر شمالی افریقی عربوں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ جرمنی میں صرف ترکوں کی تعداد ۳۰ لاکھ کے قریب ہے جو گزشتہ تیس سال سے زائد عرصے سے وہاں مقیم ہیں۔

۲۳۲۔ یورپی تجربہ:

امریکہ میں آباد مسلمانوں کی طرح یورپی مسلمانوں نے بھی مساجد اور اسلامی اسکولوں کے قیام سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ اگرچہ ترک اور عرب نسل کے مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد مغرب زدہ ہو چکی ہے لیکن پھر بھی بہت سے دوسرے مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات پر کاربند رہنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ برطانیہ میں مسلمانوں نے آپس میں تبادلہ خیال اور برادری کے نقطہ نظر کے اظہار کے لیے ایک مسلم پارلیمنٹ تشکیل دے رکھی ہے۔ یہاں کی مسلم برادری خاصی سرگرم اور فعال ہے۔ اپنے مشترکہ مسائل پر تبادلہ خیال کے لیے وہ متعدد کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ ستمبر ۱۹۹۲ء میں یونی ورسٹی آف بریڈفورڈ میں "ایک تغیر پذیر یورپ میں اسلام، اسلامی تشخص، شہریت اور معاشرتی پالیسی" کے موضوع پر منعقد ہونے والی کانفرنس اس کی ایک مثال ہے۔

۲۳۳۔ عمومی تشویش:

یورپ میں مسلمانوں کو بوسنیا میں یورپی سرزمین پر رونما ہونے والے واقعات پر سخت تشویش ہے۔ اگر مقامی یورپی مسلمانوں کو باقی یورپ تحفظ فراہم نہیں کر سکتا تو پھر پورے یورپ میں بکھرے ہوئے دوسرے مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟ انھیں مندرجہ ذیل امور پر بھی پریشانی اور تشویش لاحق ہے:

(الف) یورپی پریس میں اسلام پر اوہام پرستی کا الزام لگانا۔

(ب) جسمانی تحفظ میں کمی اور دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں اور ٹھگوں کی جانب سے خوف و ہراس پھیلانا۔

(ج) مسلم نوجوانوں کے لیے اقتصادی امکانات کا انحطاط پذیر ہونا۔

Marfat.com

(د) یورپ میں مسلمانوں کی مزید نقل مکانی پر پابندیوں میں اضافہ کرنا۔

(ہ) مسلمانوں کی حیثیت سے تشخص برقرار رکھنا۔

(و) غیر مسلم معاشروں میں بھٹک جانے والے مسلم نوجوان۔

یورپی مسلمانوں میں اس امر پر اتفاق رائے دور دور نظر نہیں آتا کہ یورپ میں اپنے موجودہ چیلنجوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ تاہم مسائل کو سمجھ لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں تبادلہ خیال جاری ہے۔

۲۳۴۔ فرانس کا تجربہ:

دوسری عالمی جنگ کے بعد کے عرصے میں فرانسیسی حکومت نے شمالی افریقی ممالک (الجزائر، مراکش، تیونس) کے کارکنوں کو فرانس آنے اور ملک کی تعمیر نو میں ہاتھ بٹانے کی دعوت دی۔ دوران جنگ فرانسیسی باشندوں کی ہلاکت سے پیدا ہونے والا خلا پُر کرنے کے لیے افرادی قوت کی ضرورت تھی۔ ان کارکنوں کو بالآخر اپنے خاندانوں کو بھی لانے کی اجازت دے دی گئی۔ آج ایک اندازے کے مطابق تقریباً چالیس لاکھ غیر ملکیوں میں (آبادی کا تقریباً ۷ فیصد) نصف تعداد عربوں اور افریقیوں کی ہے جن میں سے بیشتر مسلمان ہیں۔

فرانس میں اسلام کو دوسرا بڑا مذہب بتایا جاتا ہے۔ اگرچہ تارکین وطن کی دوسری نسل کے بہت سے لوگ اب اسلام پر عمل پیرا نہیں ہیں لیکن متعدد فرانسیسی شہروں میں مساجد اور عربی علامات عام ہیں۔ دائیں بازو کی جماعت نیشنل فرنٹ اور زیادہ تر فرانسیسی عوام کو یہ بات پسند نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلامی بنیاد پرست فرانس اور مغرب کو عدم استحکام سے دوچار کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ فرانسیسی حکام نے الجزائر میں اسلامی جماعتوں کی حمایت کی پاداش میں بہت سے مسلمانوں کو گرفتار بھی کیا ہے۔ فرانس اور مغربی ممالک الجزائر میں سیکولر حکومت کو ترجیح دیتے ہیں اور اس سلسلے میں مناسب اقدام کے لیے بھی تیار ہیں۔

زیادہ تر مسلم تارکین وطن علاحدہ مخصوص بستیوں میں رہتے ہیں۔ بہت سے علاقوں میں بیروزگاری کی شرح پچاس فیصد سے زائد ہے۔ قانونی معاشی مواقع کم ہونے کی وجہ سے

Marfat.com

بہت سے لوگوں نے منشیات اور عصمت فروشی کا دھندا اختیار کر لیا ہے۔ بہت سے فرانسیسی مسلم نوجوانوں کو یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ فرانس میں پیدا ہونے کے باوجود وہاں ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

پھر بھی وہ اپنے والدین کے آبائی ملکوں سے کوئی لگاؤ یا تعلق محسوس نہیں کرتے۔ ۱۹۹۴ء میں فرانسیسی وزیر تعلیم کی طرف سے اسکولوں میں مسلم بچیوں کے اسکارف (حجاب) استعمال کرنے پر پابندی باعمل مسلمانوں کے لیے مایوسی کا سبب بنی ہے اور ان کے انسانی حقوق پر قدغن کی ایک اور مثال ہے۔

اگرچہ بعض مسلمان سیاست میں سرگرم ہو گئے ہیں اور مارسیلز کی سورکنی سٹی کونسل کے دو ارکان شمالی افریقی مسلمان ہیں تاہم فرانس میں مسلمان اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے کمزور ہیں۔ انھیں فرانس میں شہریوں اور تارکین وطن کی حیثیت سے بنیادی حقوق کی ضمانت کے لیے اپنے آبائی ملکوں اور امہ کی حمایت کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

۲۳۵۔ جرمن مسلمان:

ترک مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد دوسری جنگ عظیم کے بعد سے جرمنی میں رہ رہی ہے۔ جسمانی مشقت کے ایسے بہت سے کاموں کی انجام دہی کی غرض سے جن کے لیے جرمن دستیاب یا آمادہ نہیں تھے حکومت نے سستے مزدوروں کی حیثیت سے ترکوں کا خیر مقدم کیا تھا۔ اگرچہ ترکوں کی رنگت گوری ہے، جرمنی میں وہ برسہا برس سے مقیم ہیں اور مقامی زبان بھی روانی سے بولتے ہیں پھر بھی وہ معاشرے میں اچھی طرح گھل مل نہیں سکے ہیں۔ وہ واضح طور پر غیر ملکیوں اور دوسرے درجہ کے شہریوں کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ جرمنی کے دوبارہ متحد ہونے کے بعد ان کی زندگیاں زیادہ سخت حالات سے دوچار ہو گئی ہیں۔ مشرقی جرمن، جن میں بیروزگاری کی شرح زیادہ ہے، غیر ملکیوں، بالخصوص ترکوں کو موردالزام ٹھہراتے ہیں۔ غیر ملکیوں کو جرمنی چھوڑنے پر مجبور کرنے کے لیے ان کے خلاف تشدد کے متعدد واقعات ہوئے ہیں۔ تمام دوسرے یورپی ملکوں میں بھی مسلمان عملاً

Marfat.com

موجود ہیں بلکہ بوسنیا اور البانیہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ بوسنیا کے مسئلہ کو اس کتاب میں کسی اور جگہ زیر بحث لایا گیا ہے۔

۲۳۶۔ کردار:

اپنے امریکی بھائیوں کی طرح یورپی مسلمانوں کو بھی اس امر کے لیے کوششیں جاری رکھنی ہوں گی کہ وہ (الف) اپنے بچوں کی دینی اور سیکولر تعلیم پر زور دیں (ب) اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اور اپنے ہم وطنوں کے ذہنوں سے متعصبانہ تاثر زائل کرنے کے لیے سیاسی طور پر متحرک اور فعال رہیں۔ (ج) اسلام کی تعلیمات کے مطابق نسل یا رنگ کی تمیز کے بغیر ضرورت مندوں کی خدمت کے لیے اپنی برادریوں میں سماجی طور پر سرگرم عمل رہیں اور (د) برادری کے کمزور تر افراد کی مدد اور معاشرے میں اپنے جائز مقام کے حصول کے لیے اقتصادی طور پر مضبوط بنیں۔ آخری بات یہ کہ یورپی مسلمانوں کو اللہ کی رضا حاصل کرنی ہوگی اور اپنے ہم وطنوں کے سامنے انھیں اپنے دین کی خوبیوں کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔

۲۳۷۔ دیگر مسلم اقلیتیں:

دنیا کے تقریباً ہر ملک میں مسلم اقلیتیں موجود ہیں۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی اقلیتیں بھارت اور چین میں ہیں جہاں ان کی آبادی سو، سو ملین نفوس سے متجاوز ہے۔ لاطینی امریکہ، کیربیین ممالک اور افریقہ کے متعدد ملکوں (اریٹیریا، ایتھوپیا، آئیوری کوسٹ، تنزانیہ بشمول زنجبار، ملاوی اور ٹوگو) میں قابل ذکر مسلم اقلیتیں آباد ہیں۔ ایشیا میں فلپائن، میانمار (برما) تھائی لینڈ اور سنگاپور میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں ہیں۔ بھارت میں مسلمانوں کو درپیش بعض مسائل پر اس کتاب کے ایک اور حصہ میں بحث کی گئی ہے۔ چین میں مسلمانوں کی صحیح تعداد کا علم نہیں ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کے تخمینہ کے مطابق آبادی کا تقریباً ۱۰ فیصد حصہ مسلمان ہے۔ مثال کے طور پر سنکیانگ، جو پہلے مشرقی ترکستان کے نام سے مشہور تھا، چین کے مغربی، شمال مغربی حصہ میں ایک خود مختار چینی جمہوریہ ہے اس کی اسّی فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ چین ہر اعتبار سے بدستور ایک کمیونسٹ

Marfat.com

ملک ہے۔ وہ اسلام سمیت کسی بھی مذہب کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ بعض حصوں میں علامت کے طور پر چند مساجد ہیں اور مسلمانوں کی ایک مختصر سی تعداد کو ہر سال حج کی ادائیگی کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ تاہم چینی مسلمانوں کے لیے اپنے مذہب کو نام اور عمل کے ذریعے برقرار رکھنا دشوار ترین مرحلہ ہے۔

مسلمان دوسرے بہت سے غیر مسلم ملکوں میں بھی اپنے مذہبی اور ثقافتی تشخص کے خاتمے سے ڈرتے ہیں۔ مثال کے طور پر فلپائن میں مسلمانوں کی جدوجہد کے تو دستاویزی ثبوت بھی موجود ہیں۔ میانمار میں انھیں برابر اپنے گھربار چھوڑنے اور نقل مکانی پر مجبور کیا جاتا ہے۔

(بلغاریہ میں حکومت نے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اپنے شہریوں کے مسلم ناموں کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسلم نام سے کوئی سرکاری مراسلت، درخواست یا خط قبول نہیں کیا جاتا۔ صوفیہ میں ایک مفتی تو ہے مگر اسے کوئی موثر اختیار حاصل نہیں ہے۔ مسلمانوں کو نہ تو مذہبی تعطیلات پر کھلے عام جشن منانے کی اجازت ہے اور نہ اپنے مردے مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کرنے کی۔ نماز چوری چھپے پڑھی جاتی ہے۔(۵))

(دنیا کی مسلم حکومتیں تمام مسلم اقلیتوں کے لیے باعث تشویش مسائل حل کرانے میں مدد کے لیے کام کر سکتی ہیں۔ مسلم حکومتوں اور غیر مسلم حکومتوں کے سربراہوں کے درمیان ہونے والی ملاقاتوں کے مواقع کو مسلمانوں کی جائز مشکلات پر توجہ دلانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسرائیلیوں اور یہودی۔ امریکی برادری نے روسی یہودیوں کے مقاصد کی وکالت کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ مسلم حکومتیں اور ائمہ بھی غیر مسلم سرزمینوں پر آباد مسلمانوں کو مضبوط بنانے کے لیے یہی کام کر سکتی ہیں۔

تمام مسلمانوں کی طرح ان مسلمانوں کا بنیادی کردار بھی اسلام کی عائد کردہ ذمہ داریوں اور فرائض کی بجاآوری کے ذریعے اللہ کی رضا کا حصول ہے۔)

جیسا کہ وسط ایشیا میں نو آزاد مسلم ممالک کی مثال سے ظاہر ہوتا ہے، تقریباً سارے ہی

Marfat.com

غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کو مذہب، قرآن وحدیث کے بارے میں بنیادی معلومات اور دیگر متعلقہ لٹریچر کی ضرورت ہے۔ انھیں اعلیٰ تربیت یافتہ اسکالرز اور آئمہ کے علاوہ اپنی عبادت گاہیں اور دینی مدارس دوبارہ قائم کرنے کے لیے فنڈ درکار ہیں جو کئی عشروں سے بند پڑے ہیں۔ استطاعت رکھنے والے تمام مسلمانوں کو اس سلسلے میں ضرور مدد کرنی چاہیے۔

حواشی

(۱) ادیب راشد، اسلام، سیاہ فام قوم پرستی اور غلامی: ایک مفصل تاریخ (بیلٹسویل: رائٹرزان کارپوریٹڈ، ۱۹۹۵ء صفحات ۹۹۔۱۰۲)

(۲) یونی یزبیک حداد (ایڈیٹر)، امریکہ کے مسلمان، (نیویارک، آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس ۱۹۹۱ء صفحہ۔ ۲۲)۔

(۳) راشد، اسلام، غلامی اور سیاہ فام قوم پرستی۔ صفحہ ۱۰۱۔ ۱۰۳)۔

(۴) دی اکنامسٹ، ۶/ اگست ۱۹۹۴ء

(۵) جرنل آف دی انسٹی ٹیوٹ آف مسلم مائنرٹی افیئرز، ۵/ جنوری ۱۹۸۴ء ۱۴۳)۔

Marfat.com

باب ۱۴

مسلمانوں کی یکجہتی

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو... سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور تفرقہ میں نہ پڑو..." (سورۃ: ۳: ۱۰۲: ۱۰۳)

پچاس سے زائد الگ الگ اسلامی حکومتوں کو ایک اسلامی ریاست کے قالب میں ڈھالنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ کسی ایک حکومت کے تمام مسلمانوں میں اتحاد یا انفرادی طور پر مسلم حکومتوں کے درمیان مکمل تعاون ایک ناممکن بات ہے۔ اس خیال کے حق میں دلائل یہ ہیں:

(الف) درحقیقت مسلمان بحیثیت ایک گروپ کے ایسا کرنا ہی نہیں چاہتے۔

(ب) انفرادی طور پر مسلم حکومتیں کسی متحدہ مسلم حکومت کا جزو بننے کے مقابلے میں مغرب کے ساتھ شراکت کو ترجیح دیتی ہیں۔

(ج) مختلف اسلامی گروپوں کے درمیان نظریاتی اختلافات بہت زیادہ ہیں۔

(د) ایسے حکمران موجود نہیں جنھیں مسلم رہنماؤں کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو۔ اس باب میں ان دلائل اور حالیہ دور میں مسلم تعاون اور استحکام کی مختلف کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

Marfat.com

۲۳۸۔ کیا مسلمان واقعی یکجہتی کے خواہاں ہیں؟

بہت سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو یقین ہے کہ ایک بار وہ مخلصانہ تعاون کا فیصلہ کر لیں تو پھر ایک دوسرے کے خلاف تمام پرانی سیاسی اور عسکری رنجشوں اور شکایات کا مداوا بھی ہو جائے گا۔ اسی طرح انھیں یہ بھی یقین ہے کہ اگر ایک بار مغربی لیڈروں نے مسلمانوں میں پائیدار اتحاد کا مشاہدہ کر لیا تو بہت سے مسائل پر ان کا رویہ زیادہ مفاہمانہ ہو جائے گا۔ اور دوسری غیر مسلم قومیں، مثلاً بھارت اور برما، بھی اپنی مسلم آبادیوں کے خلاف ظالمانہ اقدامات میں محتاط ہو جائیں گی۔ اس قسم کا سیاسی طرز استدلال رکھنے والے مسلمان اتحاد کے بارے میں پرامید ہیں۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں سوالات اور شبہات حتیٰ کہ اعتراضات بھی ہیں۔ زیادہ تر مسلم ممالک میں خواندگی کی کم شرحوں کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ آخرالذکر طبقے میں وہ لوگ شامل ہیں جو عموماً بڑی تنگی میں گزر بسر کرتے ہیں اور انھیں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے وہ اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہیں لیکن ان میں شاید ہی کوئی ہو جس کی کوئی سیاسی ترجیحات ہوں۔ وہ نماز پڑھتے ہیں، ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ آنے والا دن آج کے دن سے بہتر ہو گا۔

تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ اسکولوں میں پڑھ چکے ہیں، کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور تھوڑا بہت سفر بھی کر چکے ہیں۔ مغرب کے بے شمار مسائل کے باوجود پوری دنیا میں تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اکثریت وہی سب حاصل کرنا چاہتی ہے جو مغرب کے پاس ہے، وہ اپنے بچوں کے لیے بالکل وہی کچھ چاہتے ہیں جو مغرب اپنے بچوں کے لیے چاہتا ہے یعنی اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی، ان کی عملی صلاحیتوں کا پورا اظہار اور اس کرہ ارض کے شہریوں کی حیثیت سے ان کی عزت و احترام۔ وہ مغرب سے اپنے لگاؤ اور پسندیدگی کا اظہار مندرجہ ذیل خواہشوں کے ذریعے کرتے ہیں:

(الف) مغربی ممالک کے سفر کی۔

(ب) مغرب میں طویل مدت کے لیے قیام کی۔

Marfat.com

(ج) اپنے بچوں کو مغرب کے اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم دلانے کی۔

(د) باضابطہ تعلیم کے بعد اپنے بچوں کو مغربی اداروں میں تربیت دلانے کی۔

(ہ) خود اپنے ملکوں میں بھی مغربی طرز رہائش اپنانے کی۔

(و) اپنے ملکوں میں مغربی خطوط پر اقتصادی ترقی کو یقینی بنانے کے لیے مغربی ٹکنالوجی درآمد کرنے کی۔

(ز) آزادی اظہار رائے، انسانی حقوق، آلودگی پر قابو پانے اور اقتصادی ترقی کے حصول کی آزادی کی ایسی خواہش جیسے وہ مغربی عوام کو حاصل ہیں۔

اسلام پر جس طرح آج عمل کیا جارہا ہے اس کے لحاظ سے وہ اب بھی اصل روحانی قوت ہے، مگر وہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اکثریت کے لیے ایک مکمل طرز حیات نہیں ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور حج ادا کرتے ہیں، خیرات دیتے ہیں اور اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم دلاتے ہیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے جینے اور مرنے کی دعا کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے ایک روحانی تعلق برقرار رکھنے کے خواہش مند ہیں مگر وہ اپنے اقتصادی، سیاسی، فنی اور دیگر مسائل کے حل کے لیے اس وقت رائج، اسلام سے رجوع نہیں کرتے۔ جب تک اسلامی فکر پر مزید تحقیق اور وضاحت نہیں ہوتی اس وقت تک وہ ان مسائل کا سیکولر حل تلاش کرنے پر مجبور ہیں۔

بہت سے مغربی تعلیم یافتہ مسلمان صحیح معنوں میں راسخ العقیدہ مسلمانوں سے خائف ہیں۔ وہ ایرانی طرز کے مذہبی رہنماؤں کی حکمرانی سے ڈرتے ہیں جو مذہبی طریقہ کار پر خاصا زور دیتے ہیں اور معاشرہ کو ان ہی خطوط پر چلانے کے خواہش مند ہیں جن پر معاشرہ چودہ سو سال قبل چلایا جاتا تھا۔ وہ روایتی حکمرانی کی روح کا تو خیر مقدم کرتے ہیں مگر اسے جدید حقائق کے مطابق اختیار کرنے کے خواہاں ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مصر میں اخوان المسلمون کو ابتدا میں کامیابی اس لیے حاصل ہوئی کہ اس نے اپنی دعوت کو جدید اسلام کے مطابق ڈھال کر پیش کیا تھا۔ تعلیم یافتہ مسلم خواتین کی اکثریت سمیت تعلیم یافتہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اسی گروپ سے تعلق رکھتی ہے۔

Marfat.com

بعض اسلامی اسکالرز اس گروپ پر منافق کا ٹھپہ لگانے یا کافر قرار دینے سے بھی احتراز نہیں کرتے۔ بیشتر مسلمان اس گروپ کو رد نہیں کرتے۔ ان کی الجھنوں کے بارے میں برابر تبادلہ خیال ہوتا رہتا ہے جس کے نتیجے میں اکثر اوقات جدید معاشروں میں اسلامی فکر و عمل کی وضاحت بھی ہوئی ہے۔ اس سے اسلامی یکجہتی کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے اور زیادہ قابل قبول بنانے میں مدد ملی ہے۔

جو مسلمان مغربی ملکوں میں رہ چکے ہیں اور اپنی ثقافت سے ان کا براہ راست تعلق ہے انھوں نے حسب ذیل ظاہری نتائج اخذ کیے ہیں:

(الف) مغرب پر بڑی حد تک سفید فام، عیسائیوں کی حکمرانی ہے۔

(ب) مسلمانوں کا اپنے گھر اور اپنے دفتروں یا کارخانوں سے باہر فیصلہ سازی میں اگر کوئی کردار ہے بھی تو بڑی معمولی نوعیت کا ہے۔

(ج) مسلمانون کے لیے اپنے منتخب کردہ ملک کے اندر آئندہ بہت طویل عرصے تک مغرب کے شہریوں کی حیثیت سے کوئی نمایاں کردار ادا کرنے کا امکان نہیں ہے۔

(د) مذہبی بلکہ اقتصادی حوالے سے بھی مسلمان بچوں اور آئندہ نسلوں کا مستقبل غیر یقینی ہے

(ہ) دنیا کے دیگر حصوں میں سفید فام عیسائیوں کی مدد کی کوششیں تو کی جارہی ہیں مگر مغرب میں رہنے والے لوگ سمندر پار مسلم ممالک میں اپنے اعزہ کی ضرورتوں کے بارے میں بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اقتصادی خوشحالی حاصل کر لینے کے بعد مغرب زدہ لوگ اپنے ورثے اور دنیا بھر میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کی ضروریات کے بارے میں سوچنا شروع کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مسلم ممالک میں رہنے والے بہت سے لوگ مغرب کا رخ کرنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں جب کہ مغرب میں پہلے سے آباد بہت سے مسلمان واپسی کے لیے سوچ رہے ہیں۔ تاہم مغرب میں آباد چند ہی لوگ کبھی واپس آتے ہیں۔ مغرب کے مقابلے میں کم ترقی یافتہ ملکوں میں رہنے والے بیشتر لوگوں کی طرح مسلمان بھی بلند تر معیار زندگی کے خواہاں ہیں۔ بہت سے دوسرے گروپوں کے برعکس مسلمانوں میں اپنی روحانی وابستگی کا احساس پایا

Marfat.com

جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے لیے مادی فلاح کے بدلے میں اپنے عقیدہ سے دستبردار ہونا مشکل ہوتا ہے۔

۲۳۹۔ مسلمان مغرب سے دوستی کو اہمیت دیتے ہیں:

پاکستان، سعودی عرب، مصر اور زیریں صحارا کے افریقی ممالک کے مسلمان مغرب خصوصاً امریکہ سے دوستی کے خواہاں ہیں جس کے کچھ معقول اسباب بھی ہیں۔ سعودی عرب کے شاہ اور شاہی خاندان فطری طور پر اپنی بادشاہت کو دوام بخشنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ سعودی اپنے توانائی کے وسائل، صنعت، زراعت اور اساسی ڈھانچے کی ترقی کے لیے جدید ٹکنالوجی کے متلاشی ہیں۔ وہ اپنے شہریوں کی تربیت، درآمدی و برآمدی منڈیوں تک ان کی رسائی اور عالمی یا کم از کم عرب معاملات میں اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھنے اور ممکن ہو تو اس میں اضافے کے لیے مواقع فراہم کرنے کے بھی خواہش مند ہیں۔ انھیں اپنے ہم وطن عربوں، ایرانیوں اور مغربی طاقتوں سمیت ملک کے اندر اور بیرون ملک موجود مخالفین سے لاحق خطرات کا احساس ہے۔ لہٰذا وہ غیر ملکی فوجی اور فنی حمایت کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ جس کے لیے وہ ہر قیمت ادا کرتے ہیں۔ یہ قیمت تیل اور بین الاقوامی نکتہ چینی کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔

پاکستان چاہتا ہے کہ:

(الف) بھارتی حلقہ اثر کا توڑ کرنے کے لیے اتحاد قائم کیے جائیں۔

(ب) کشمیر کی آزادی کے لیے سیاسی اور فوجی حمایت حاصل کی جائے جس میں اسلحہ کا حصول بھی شامل ہے۔

(ج) انفرادی طور پر مغربی ممالک سے دوطرفہ بنیاد پر اقتصادی امداد اور ایجنسیوں مثلاً عالمی بینک، آئی ایم ایف اور ایشیائی ترقیاتی بینک سے مالی امداد حاصل کی جائے۔

(د) مغربی ممالک سے نجی سرمایہ کاری کا اہتمام کیا جائے۔

(ہ) برآمدات کے لیے منڈیاں ارزاں تر درآمدات کے لیے مختلف ذرائع حاصل ہوں۔

(و) سائنس اور ٹکنالوجی کی منتقلی عمل میں آئے۔

Marfat.com

مصر بہت بڑی آبادی والا ایک غریب ملک ہے۔ مصری حکومتوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کا بڑا عرصہ اسرائیل کے ساتھ محاذ آرائی میں گزارا ہے۔ مصریوں نے کم از کم تین جنگیں لڑی ہیں اور، عربوں کے لیے عموماً اور فلسطینیوں کے مقاصد کے لیے خصوصاً جان و مال کی شکل میں بہت قربانیاں دی ہیں۔ موجودہ حکومت (الف) اپنے شہریوں کے لیے اقتصادی ترقی اور بہتر معیار زندگی (ب) محفوظ اور زیر حفاظت سرحدوں کے اندر امن اور (ج) اقوام عالم میں عزت اور اثر ورسوخ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ مغربی ملکوں کے ساتھ اچھے تعلقات سے ان کی یہ ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ مصر کو امریکہ سے دو اعشاریہ پانچ بلین ڈالر سالانہ سے زائد امداد ملتی ہے۔

زیریں صحرائی افریقہ کو زوال پذیر معیار زندگی کا سامنا ہے۔ بہت سے لوگوں کو وسیع پیمانہ پر غذا کی کمی سے بچنے کے لیے خوراک کی خاصی مقدار درکار ہے۔ وہ اپنی اقتصادی ضروریات پوری کرنے کے لیے مغرب کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ سیر الیون، چاڈ، مالی، صومالیہ، یوگنڈا وغیرہ کے مسلمانوں کی حالت بھی یہی ہے اور وہ مغرب کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھنے کی گہری خواہش رکھتے ہیں۔

اصولی طور سے زیادہ تر مسلم حکومتیں فوجی، سیاسی اور اقتصادی وجوہ کی بنا پر مغرب کے ساتھ اچھے تعلقات کی خواہاں ہیں۔ سرد جنگ کے دوران میں مسلمانوں کے مابین قریبی تعلقات کے لیے سرگرمی سے کام کرنے کے ساتھ ساتھ مغرب کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا ممکن تھا۔ کمیونسٹوں کے خلاف کسی بھی قسم کی حمایت کے لیے مغرب شکر گزار ہوتا تھا۔ لیکن اب کمیونزم کی شکست کے بعد صورت حال یہ ہے کہ سیاسی طور پر سرگرم اور عسکریت پسند مسلم رہنما زیر تنقید آگئے ہیں۔

مغرب تمام اسلامی تحریکوں کو اور خصوصاً فوجی اور سیاسی مسائل پر یکجہتی کا پرچار کرنے والی اسلامی تحریکوں کو شک وشبہہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ نئے عالمی نظام کے تحت ہر شخص یا تو مغرب نواز ہوگا یا پھر دشمن۔ لہٰذا حکومتوں کے سامنے دو ہی راستے ہیں ایک یہ کہ وہ مغرب نواز ہوں اور مسلم یکجہتی کے لیے صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا کریں اور دوسرے یہ کہ وہ مسلم

Marfat.com

مقاصد کے فروغ کے بارے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کریں اور مغرب کی دشمنی مول لیں۔
کیا مسلم رہنما مغرب کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ مسلم یکجہتی کے لیے بھی کام کر سکتے ہیں؟ ستم ظریفی دیکھیے کہ اس کا جواب مغرب کے پاس ہے۔
جیسا کہ سعودی عرب، افغانستان اور کسی حد تک پاکستان کے سلسلہ میں ظاہر ہو چکا ہے کہ اسلام کے بارے میں مغرب کے رویہ کا تعین حفاظتی اور اقتصادی مفادات کے حوالے سے ہوتا ہے۔ نظریاتی، اخلاقی اور انسانی حقوق کے مسائل صرف ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ بات اسلام بلکہ اشتراکیت پر بھی صادق آتی ہے۔ چینی پالیسی اسی کی عکاس ہے۔ متبادل صورت میں کیا یہ ہو سکتا ہے کہ مسلم ممالک اپنی ترقیاتی ضرورتیں مغرب کے بغیر پوری کر سکیں؟ ایک مغربی ذہن تو صرف مغربی حل کے حوالے ہی سے سوچ سکتا ہے۔ جس حد تک مسلم رہنما قیادت کے ادّعا میں اپنی مغربی تعلیم و تربیت کی نمود و نمائش کا مظاہرہ کرتے ہیں اسے مد نظر رکھتے ہوئے مغرب سے آزادی ناممکن ہے۔ جب کسی قوم کے مقاصد کی بنیاد ہی مغربی معیارات پر رکھی گئی ہو تو پھر کوئی متبادل راستہ نہیں ہوتا بلکہ صرف مغرب کے پیش کردہ نظریات، ٹکنالوجی اور نمونوں پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے۔

۲۴۰۔ کیا مسلم ممالک ایک دوسرے کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں؟

فی الوقت مغرب مندرجہ ذیل ضروریات پوری کر رہا ہے:

(الف) موجودہ حکومتوں کا تحفظ

(ب) علاقائی سالمیت کا تحفظ

(ج) اسلحہ اور فوجی ساز و سامان کی فراہمی

(د) اقتصادی ترقی کے لیے فنڈ، فنی امداد، اور سامان کی شکل میں امداد کی فراہمی

(ہ) جدید ترین سائنس اور ٹکنالوجی کی فراہمی

(و) آئندہ نسل کے لیے اعلیٰ تعلیمی مراکز تک رسائی کی سہولت

(ز) رقم اور بینکاری کے لیے محفوظ ٹھکانوں کی فراہمی

(ح) آرام اور سیر و تفریح کی سہولیات کی فراہمی

Marfat.com

انفرادی طور پر کسی بھی مسلم ملک کے لیے دیگر تمام مسلم ممالک کی تمام اقتصادی اور فوجی ضرورتوں کو پورا کرنا سخت مشکل ہوگا۔ اجتماعی طور پر مسلم ممالک مطلوبہ امداد کا بڑا حصہ مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ زیادہ ترقی یافتہ مسلم ممالک مثلاً ترکی، ایران، پاکستان، سعودی عرب اور ملائیشیا غریب تر ملکوں کی بہت سی فوجی، اقتصادی اور تعلیمی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ دیگر ممالک مثلاً مصر اور انڈونیشیا زیادہ مالدار اور کم آبادی والے ملکوں مثلاً سعودی عرب اور کویت کی افرادی قوت کی ضروریات پوری کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ سعودی عرب، کویت اور متحدہ عرب امارات جیسے زیادہ آمدنی کے حامل ممالک درمیانہ آمدنی اور کم آمدنی والے ملکوں کی بہت سی اقتصادی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں۔

کیا مظبوط تر اور زیادہ مالدار مسلم ممالک کمزور تر مسلم ملکوں کی مدد پر آمادہ ہوں گے؟ موجودہ حالات کے پیشِ نظر بیشتر مبصرین کے خیال میں وہ اس پر تیار نہیں ہوں گے۔ تاہم مندرجہ ذیل نکات پر غور کیا جانا چاہیے:

(الف) دولت مند مسلم ممالک مالی امداد کے طور پر پہلے ہی ایک قابل ذکر رقم دے رہے ہیں جو نادار مسلم قوموں کو فراہم کی جارہی ہے۔

(ب) نسبتاً زیادہ مضبوط ملک مثلاً پاکستان پہلے ہی کمزور ملکوں کو فنی امداد دے رہے ہیں۔

(ج) ایران۔ عراق جنگ سے ان دونوں ملکوں اور جنگ خلیج سے عراق، کویت اور سعودی عرب کو ۱۰۰ بلین ڈالر سے زائد کا نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ رقم احاطہ خیال میں آنے والے ان وسائل سے کہیں زیادہ تھی جن کی منتقلی ایک مسلم یونین کے تحت مسلمانوں کے مابین عمل میں آسکتی تھی۔ قریبی تعاون سے مستقبل میں مسلمانوں کے مابین جنگوں پر اس قسم کے اخراجات کی ضرورت کم ہو جائے گی۔

(د) ماہرین اقتصادیات نے یہ تحقیق کی ہے کہ جب جرمنی جیسا کوئی نسبتاً مالدار ملک پرتگال جیسے نسبتاً غریب ملک کے ساتھ شامل ہوتا ہے، جیسا کہ انھوں نے یورپی یونین میں کیا، تو دونوں ہی ملکوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(ہ) امریکی حکومت کی دلیل بھی یہی ہے کہ نارتھ امریکن فری ٹریڈ ایریا (این اے ایف ٹی اے)

Marfat.com

کے تحت غریب ملک میکسیکو کے ساتھ آزادانہ تجارت دونوں ملکوں کے لیے اقتصادی طور پر فائدہ مند ثابت ہوگی۔

۲۴۱۔ کیا مسلمان متحد ہو سکتے ہیں اور مغرب کے قریب تر آ سکتے ہیں؟

کیا ایک امت واحدہ کی شکل میں متحد ہو کر بھی مغرب سے قربت اور دوستی ممکن ہے؟ بعض مسلمان علاقائی تعاون اور اتحاد کے لیے امریکہ اور مغرب کی حمایت کی بنیاد پر اس سوال کا جواب ہاں میں دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ضرور ہے کہ اب جب کہ کمیونزم ایسا خطرہ نہیں رہا جیسا کہ وہ پہلے ہوا کرتا تھا تو بڑھتی ہوئی روسی قوم پرستی اور بے لوچ چینی کمیونزم کے پیشِ نظر مسلمانوں کو اتحادی بنانے میں خاصا فائدہ ہے۔

دوسرے لوگ سوچتے ہیں کہ اس عمومی قاعدہ کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں ہوتا کیوں کہ یہ خدشہ محسوس کیا جاتا ہے کہ اگر مسلمان متحد ہو گئے تو پھر اس کے جواب میں تمام غیر مسلم بھی ان کے خلاف متحد ہو جائیں گے۔ عبدالفتح میمن نے اپنی کتاب "تیل اور ایمان" (انگریزی) میں سوال اٹھایا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم کب اور کہاں متحد نہیں ہوئے؟ (۱) مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کا اتحاد تو ایسا بین الاقوامی واقعہ ہے جو برابر پیش آتا رہتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ مغرب کو یہ باور کرائیں کہ ان کا اتحاد کسی خطرہ کا باعث نہیں ہے اور اسلامی یونین سے ان کے حفاظتی یا اقتصادی مفادات کو خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ اس سے بھی زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ مسلمان مغرب کو یہ یقین دلائیں کہ ایک بین الاقوامی اسلامی ریاست وسیع و عریض نئی منڈیاں فراہم کر کے اقتصادی طور پر ان کے لیے زیادہ منفعت بخش ثابت ہوگی اور دنیا بھر میں استحکام کی صورتحال میں بہتری سے ان کی سلامتی میں بھی اضافہ ہوگا۔

۲۴۲۔ مسلم یکجہتی کے لیے اب تک کی جانے والی کوششیں:

سلطنت عثمانیہ اور خلافت کے خاتمے کے بعد سے مسلمانوں نے آپس میں یکجہتی کے فروغ کی متعدد کوششیں کی ہیں۔ حجاز کے شاہ حسین نے ۱۹۲۴ء میں خود کو تمام مسلمانوں کا خلیفہ قرار دلانے کی کوشش کی تھی۔ ۱۹۲۶ء میں ایسی ہی کوشش شاہ عبدالعزیز ابنِ سعود نے بھی کی

Marfat.com

تھی۔ اس کے بعد مصر کے شاہ فواد اور شاہ فاروق نے بھی ایسی ہی کوشش کی۔ بیت المقدس کے مفتی اعظم امین الحسینی نے ۱۹۴۰ء کی دہائی میں کوشش کی۔ وہ کافی حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہے اور آخر کار اپنے دعووں سے دستبردار ہو گئے۔

اس کے امکانات کا جائزہ لینے کے لیے ۱۹۵۴ء میں مکہ مکرمہ میں ایک اسلامی کانگریس بلائی گئی تھی جو ٹھوس حمایت کے حصول میں ناکام رہی۔ حالیہ دور میں بھی کچھ زیادہ معتدل لیکن قابل ذکر کوششیں کی گئی ہیں جن پر نیچے بحث کی گئی ہے۔

۱۹۴۵ء میں عرب لیگ کا قیام عمل میں آیا جس میں عملاً تمام عرب ممالک شامل ہیں۔ اگرچہ اسے ان کے مشترکہ مذہب، اسلام، کی بنیاد پر قائم نہیں کیا گیا ہے مگر دو بڑی کامیابیوں کا سہرا اسی تنظیم کے سر ہے: (الف) رکن ملکوں نے ایک دوسرے کی سرحدیں تسلیم کر لیں جو عام طور پر نو آبادیاتی آقاؤں نے کھینچی تھیں اور بہت متنازعہ تھیں: اور (ب) اس نے رکن ملکوں میں تعاون کا ایک نظام فراہم کیا۔ لیگ نے اپنے ارکان میں ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی تعلقات کو فروغ دیا۔ لیگ اپنے ارکان کے باہمی تنازعات میں ثالثی کا بندوبست کرتی ہے اور اسرائیل کے خلاف مربوط لائحہ عمل کا اہتمام بھی کرتی رہی ہے۔ اگرچہ مصر اور اسرائیل کے درمیان امن کے سمجھوتے کی وجہ سے لیگ بڑے انقلابی عمل سے گزری لیکن عربوں میں یکجہتی کے فروغ کے لیے یہ تنظیم بدستور کام کر رہی ہے۔

۲۴۳۔ مسلم ریاستوں کے انضمام کی کوشش:

۱۹۲۰ء کی دہائی میں سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کا نتیجہ اس وقت موجود مسلم یونین کی تحلیل کی شکل میں نکلا۔ اس وقت سے اب تک انضمام کی صرف ایک قابل ذکر کوشش ہوئی۔ شام اور مصر نے ۱۹۵۸ء میں متحدہ عرب جمہوریہ (یو اے آر) کے تحت ضم ہونے کا فیصلہ کیا۔ عراق نے بھی اس پر غور تو کیا مگر شامل کبھی نہیں ہوا۔ ۱۹۶۱ء میں شام میں انقلاب کے بعد حکومت نے یونین سے علاحدگی کا فیصلہ کیا۔ متحدہ عرب جمہوریہ کو ۱۹۶۱ء میں موثر طور پر تحلیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں لیبیا، شام اور مصر نے ایک وفاقیہ (فیڈریشن) کی تشکیل کا اہتمام کیا۔ متواتر کھینچا تانی کے نتیجے میں آخر کار ۱۹۷۷ء میں اسے بھی توڑ دیا گیا۔

Marfat.com

دراصل یو اے آر کی تشکیل مسلم اتحاد کے بجائے عرب قوم پرستی پر مبنی تھی۔ تاہم اس میں مسلم ممالک شامل تھے اور اسے نمایاں ہوتے ہوئے اتحاد کی علامت کے طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ بدقسمتی سے یہ صورت زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہی۔

۱۹۷۱ء میں پاکستان ٹوٹ کر دو قومی حکومتوں، بنگلہ دیش اور پاکستان میں تقسیم ہو گیا جس سے ایک بالکل مخالف سمت میں سفر کی عکاسی ہوتی ہے۔ ایک مسلمان ملک اپنے دو حصوں میں پائے جانے والے تنازعات کی بنا پر اپنا اتحاد برقرار رکھنے میں ناکام رہا۔ سفاکانہ خانہ جنگی اور ایک غیر مسلم علاقائی طاقت کی فوجی مداخلت کے بعد ملک ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد سے دونوں نئے ملکوں نے اپنے تعلقات قابل ذکر حد تک بہتر کر لیے ہیں مگر دوبارہ متحد ہونے کے بارے میں دونوں میں سے کوئی بھی نہیں سوچتا نہ اس میں کوئی دلچسپی رکھتا ہے۔

۲۴۴۔ اقتصادی تعاون کی تنظیم (ای سی او):

دس غیر عرب مسلم ممالک ایران، پاکستان، ترکی، آذربائیجان، قازقستان، کرغیزستان، ترکمانستان، تاجکستان، ازبکستان اور افغانستان نے اقتصادی تعاون کے لیے ایک نئی تنظیم قائم کی ہے۔ یہ بتانا ابھی بہت قبل از وقت ہو گا کہ یہ تنظیم کس حد تک موثر ثابت ہو گی۔ امریکہ چاہتا ہے کہ نو آزاد سابق سوویت جمہوریاؤں کی رہنمائی کے لیے نسبتاً اعتدال پسند ترکی کو آگے کیا جائے۔

۲۴۵۔ اسلامی کانفرنس کی تنظیم:

۱۹۷۱ء میں مندرجہ ذیل ارفع مقاصد کے حصول کی غرض سے او آئی سی کا قیام عمل میں آیا:

(الف) رکن ملکوں میں اسلامی یکجہتی کو فروغ دینا، نیز ان میں اقتصادی، ثقافتی، سماجی، سائنسی اور دیگر اہم شعبوں کی سرگرمیوں میں تعاون کو استحکام بخشنا۔

(ب) بین الاقوامی اداروں میں تنظیم کے رکن ممالک میں صلاح مشورہ کا اہتمام کرنا۔

(ج) نسلی بنیاد پر علاحدگی اور تفریق کی تمام صورتوں کے خاتمے کی کوشش کرنا۔

(د) نو آبادیاتی نظام کا خاتمہ کرنا۔

(ہ) انصاف پر مبنی بین الاقوامی امن و سلامتی کی حمایت کے لیے ضروری اقدامات کرنا۔

Marfat.com

(و) مقامات مقدسہ کے تحفظ کی کوششوں کو مربوط بنانا۔

(ز) فلسطینی عوام کی جدوجہد کی حمایت نیز ان کے وطن کی آزادی اور حقوق کے حصول میں ان کی مدد کرنا۔

(ح) تمام مسلم عوام کی حرمت، آزادی، اور قومی حقوق کے تحفظ کی خاطر ان کی جدوجہد کو مضبوط کرنا۔

(ط) رکن ملکوں اور دیگر ممالک کے درمیان تعاون کے فروغ کے لیے موزوں ماحول قائم کرنا۔

اس وقت او آئی سی کے ارکان کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ تنظیم نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جدہ، سعودی عرب، میں ایک مستقل سکریٹریٹ قائم کیا ہے جس کے مستقل عملے کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ مسلم بادشاہ اور سربراہان مملکت و حکومت کی کانفرنس ہر تیسرے سال اور وزرا خارجہ کی کانفرنس ہر سال منعقد ہوتی ہے۔ بین الاقوامی اسلامی عدالت انصاف ابھی ترقیاتی مراحل میں ہے۔ مندرجہ ذیل خصوصی کمیٹیاں اور ذیلی ادارے بھی تشکیل دیے گئے ہیں: اسلامی بین الاقوامی خبر ایجنسی (آئی آئی این اے)، اسلامی ترقیاتی بینک؛ اسلامی کمیشن برائے بین الاقوامی ہلال (کریسنٹ)؛ اسلامی تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی تنظیم؛ اور اسلامی ریاستوں کی نشریاتی تنظیم۔

او آئی سی کی تشکیل اور اس کے وجود کا برقرار رہنا تمام مسلم اقوام اور ان کے رہنماؤں میں اتحاد کی خواہش کی عکاسی کرتا ہے۔ او آئی سی اس لحاظ سے مفید ثابت ہوئی ہے کہ اس نے وقتاً فوقتاً تمام مسلم حکومتوں کے رہنماؤں کی ملاقاتوں کے لیے ایک نظام فراہم کیا ہے جہاں یہ رہنما اپنے مسلم باشندوں کو درپیش مشکلات اور مسائل پر تبادلہ خیال کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ابتدا میں اس کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا حکومتوں مثلاً ترکی اور مصر کی سیکولر حکومتوں نے بھی اب اس کی اہمیت تسلیم کر لی ہے۔

تنظیم نے بعض عملی کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں۔ اسلامی ترقیاتی بینک نے متعدد ضرورت مند ملکوں کو فنڈ فراہم کیے ہیں۔ اسلامی شعور میں اضافے کے لیے اسلامی یونی ورسٹیاں اور ثقافتی

Marfat.com

مراکز قائم کیے گئے ہیں۔ او آئی سی نے فلپائن، اریٹیریا اور بھارت میں مسلم اقلیتوں کے مقاصد کو بھی آگے بڑھایا ہے۔ اس نے فلسطین اور کشمیر کے مسائل کے حل کی کوششیں بھی کی ہیں۔ او آئی سی کے اتحاد کی بدولت اقوام متحدہ میں مسلم ممالک کا ایک معقول حد تک متحرک اور فعال بلاک وجود میں آگیا ہے۔ تاہم او آئی سی کے رکن ملکوں میں امت واحدہ کے تصور کے مقابلے میں سیکولر قومی ریاستوں کے نظریے کی حمایت کا رجحان اب بھی بہت زیادہ ہے۔

او آئی سی کے ارکان کی ماہیت، ضروریات اور نقطہ ہائے نظر میں وسیع اختلافات کی وجہ سے او آئی سی صحیح معنوں میں ایک موثر تنظیم نہیں بن سکی ہے۔ مثلاً تیل پیدا کرنے والے مالدار ملکوں کی ضروریات غریب ملکوں کی ضرورتوں سے مختلف ہیں۔ چھوٹی مملکتیں اپنی سلامتی کو دیگر تمام باتوں پر مقدم سمجھتی ہیں۔ شیعہ ایران اور مغرب زدہ ترکی کو قدامت پسند سنی حکومتیں شک وشبہ کی نظر سے دیکھ سکتی ہیں۔ عراق اور شام میں کچھ لوگ اپنے مذہبی ہونے کے بجائے سیکولر ہونے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ او آئی سی کا کوئی ایک مسلمہ رہنما نہیں ہے اگرچہ سعودی عرب، جو او آئی سی کے زیادہ تر اخراجات ادا کرتا ہے، روزمرہ کے معاملات کنٹرول کرتا ہے بحیثیت مجموعی او آئی سی کے بانیوں نے اس سے جو توقعات باندھی تھیں، تنظیم ان میں سے بیشتر توقعات پوری نہیں کر سکی ہے۔

۲۴۶۔ امن برقرار رکھنے والی فوج:

بوسنیا کے بحران میں او آئی سی کی امن قائم کرنے والی فوجی قوت کی عدم موجودگی کا مسلمانوں کو افسوس ہوا۔ ہر چند کہ متعدد مسلم ممالک سربوں کے خلاف بوسنیائی مسلمانوں کی مدد کے خواہش مند بھی تھے اور اہل بھی مگر اس میں کم از کم دو بڑی رکاوٹیں حائل تھیں۔ موثر فوجی اشتراک کے لیے کوئی نظام موجود نہیں تھا اور شروع شروع میں اقوام متحدہ کو مسلم ممالک سے فوجیں قبول کرنے میں تامل تھا کیوں کہ ان کی طرف سے بوسنیائی مسلمانوں کے حق میں جانبداری برتنے کا امکان تھا۔

اس وقت ہر مسلم ملک اپنے دفاع کا خود ذمہ دار ہے۔ او آئی سی کے پاس ایسی کوئی قوت موجود

Marfat.com

نہیں ہے جو بیرونی جارحیت کے خلاف کسی مسلم ملک کا دفاع کر سکے، جیسا کہ بوسنیا یا افغانستان میں ہوا، یا وہ ایران۔ عراق جنگ کی طرح مسلمانوں کے درمیان تصادم کی صورت میں امن قائم کرا سکے یا افغانستان اور صومالیہ کی طرح جاری لڑائی کے دوران قیام امن کی کوششوں میں مدد دے سکے۔

اسلام جارحیت کی اجازت نہیں دیتا مگر اپنے دفاع کا حق دیتا ہے۔ چنانچہ مسلم افواج کی نوعیت دفاعی ہونی چاہیے۔ جیسا کہ کثیر القومی افواج مثلاً ناٹو، معاہدہ وارسا اور اقوام متحدہ کے تجربے سے ظاہر ہوتا ہے، امن قائم کرنے اور امن برقرار رکھنے کے لیے فوجوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں ایک موثر فوجی تنظیم، جس میں مستقل افواج یا مختصر نوٹس پر فوج اکٹھا کرنے کی صلاحیت موجود ہو، او آئی سی کے ارکان کے علاوہ مغربی طاقتوں کے لیے بھی ایک قابل قبول تصور ہو سکتا ہے۔

۷۔۲۴ مجوزہ مسودہ آئین:

عبدالفتح میمن نے ۱۹۶۶ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب "مسلم ریاستوں کی تنظیم" (انگریزی) میں اس کے لیے ایک مسودہ آئین تجویز کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے ان میں سے بعض نظریات او آئی سی نے اپنے اغراض و مقاصد میں شامل کر لیے ہیں۔ مزید تجویزیں حسب ذیل ہیں:

(الف) مشترکہ منڈی کے قیام جیسے اقتصادی مسائل سے نمٹنے کے لیے تمام رکن ملکوں پر مشتمل اقتصادی کونسل کا قیام۔

(ب) متعلقہ مسائل سے نمٹنے کے لیے ایک سیاسی کونسل کی تشکیل۔

(ج) تمام رکن ملکوں کے دفاع کو منظم کرنے میں مدد کے لیے، جس میں اسلحہ کی فراہمی اور تیاری بھی شامل ہے ایک دفاعی کونسل کا قیام۔

(د) جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تشریح اور نفاذ اور اسلام کی ترویج میں مدد کے لیے مذہبی کونسل کی تشکیل۔

(ہ) مسلم ممالک کے درمیان تنازعات میں ثالثی کے لیے مسلم عالمی ثالثی عدالت کا قیام اور

Marfat.com

رکن ملکوں میں قرآن وسنت کی بنیاد پر قوانین کے انضمام میں مدد دینا۔

(و) سائنسی تحقیق کے فروغ اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ترقی کے ثمرات کو رکن ملکوں میں تقسیم کرنے کے لیے ایک سائنسی کونسل کا قیام۔

(ز) تنظیم کے لیے تمام رکن ملکوں کی جانب سے ان کے قومی بجٹ کی مخصوص شرح کی بنیاد پر فنڈز کی فراہمی کا اہتمام۔

(ح) بیس سال بعد تنظیم کی زبان عربی ہو گی۔(۲)

۲۴۸۔ابتدائی مراحل:

انفرادی قومی مفادات (اور حکمرانوں کے انفرادی مفادات) کے پیش نظر یہ توقع رکھنا حقیقت پسندی کے خلاف ہو گا کہ موجودہ مسلم قومی ریاستیں بہت جلد کسی وقت ایک قومی تشخص میں ضم ہو جائیں گی۔ مسلم اتحاد کے داعی زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ وہ اس سمت میں بتدریج آگے بڑھنے کی امید رکھیں۔ باہمی دلچسپی کے مسائل پر مسلمانوں میں دو طرفہ تعلقات اور او آئی سی کی سطح پر بھی باہمی صلاح مشورے پہلے ہی ہو رہے ہیں۔ تاہم بیشتر اجتماعی فیصلے عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں جو مخصوص واقعات کے رد عمل میں کیے جاتے ہیں اور اکثر ان فیصلوں کی پابندی بھی لازمی نہیں ہوتی۔ حکمت عملی کے تحت منصوبہ بندی اور باضابطہ پابندی کی ضرورت ہے جیسا کہ یورپی یونین کے ساتھ روم اور میٹرخس وغیرہ کے معاہدوں میں کیا گیا۔ عالمی تجارتی بلاک کی فہرست صفحہ (۲۲۳) پر دی گئی ہے۔ یہ کام مختلف مراحل میں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً

(الف) مسلم ریاستوں میں دو طرفہ تعلقات کی بنیاد پر یا ترجیحاً ایک مضبوط او آئی سی یا پھر مسلم حکومتوں کے لیے قابل قبول کسی اور ادارے کے سیاق و سباق میں تعاون کی سطح اور حد میں مزید اضافہ کیا جائے۔

(ب) مسلم ممالک میں تجارت، سرمایہ اور محنت کشوں کی آزادانہ آمدورفت کی سہولت پیدا کی جائے۔

(ج) کرنسیوں کو باہم منسلک کرنے اور مشترکہ منڈی کی تشکیل کے لیے ایک یا زائد

Marfat.com

معاہدے کیے جائیں۔

(د) مسلمانوں کو درپیش تمام روحانی، سیاسی، اقتصادی اور فوجی مسائل پر زیادہ آزادانہ تبادلہ خیال کا اہتمام کیا جائے۔ "حساس مسائل کو خارج از بحث" رکھنے کا موجودہ رجحان امت مسلمہ کے بہترین مفاد میں نہیں۔

۲۴۹۔ درمیانی اقدامات:

ایک متحدہ مسلم ریاست کے قیام پر منتج ہونے والے باضابطہ اقدامات کے لیے طویل عرصے تک انتظار کرنا ہوگا۔ درمیانہ نوعیت کے اقدامات کے لیے مندرجہ ذیل امور پر اتفاق اور ان کے نفاذ کی ضرورت ہے:

(الف) یکساں کرنسی۔

(ب) مشترکہ دفاعی پالیسی اور انتظامات۔

(ج) مشترکہ خارجہ پالیسی۔

(د) موجودہ دساتیر میں تبدیلی۔

۲۵۰۔ حتمی مسلم یونین:

ان اقدامات کے نتیجے میں بالآخر معرض وجود میں آنے والی مسلم یونین کی مندرجہ ذیل شکلوں میں سے کوئی بھی شکل ہو سکتی ہے:

(الف) ایک علاحدہ "ضمنی" حکومت جسے موجودہ قومی حکومتیں اپنی بعض ذمہ داریاں سونپ دیں جب کہ دیگر بیشتر معاملات اپنے ہی ہاتھوں میں رکھیں۔

(ب) ایک ایسی کنفیڈریشن (وفاقیہ) جو لامرکز اختیارات کی حامل ہو مگر جس میں انفرادی اور قومی وجود کی اہمیت بے حد کم ہو: یا

(ج) مضبوط مرکزی حکومت کی حامل فیڈریشن (وفاق)

یہ سب کچھ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکے گا جب متعلقہ فریق ابتدائی اور ثانوی اقدامات سے مطمئن ہوں۔ تمام مسلم ممالک کے شہریوں سے ہر ہر قدم پر صلاح مشورہ کرنا ہوگا اور بعض قوموں کی علاحدگی اور اس میں دوبارہ شمولیت کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ اعتماد

Marfat.com

پیدا کرنے والے اقدامات کی ضرورت بھی پڑے گی جن میں مجوزہ اقدامات کی تفصیلی وضاحت بھی شامل ہے۔ ایسے کسی انتظام سے دلچسپی رکھنے والے فریقوں کو، جن میں غیر مسلم باشندے، مسلم حکومتوں کے حکام اور مغربی ممالک بھی شامل ہیں، باعث تشویش متعدد امور پر یقین دہانیاں بھی کرانا ہوں گی۔

اس سلسلہ میں اقتصادی مسائل بھی ہیں مثلاً ہر کرنسی کی مبادلہ پذیر قدر (جن میں متعدد کرنسیاں فی الوقت غیر تبدیل پذیر ہیں)، موجودہ خزانوں کے اثاثوں اور واجبات کے حقوق (ان میں سے بیشتر دیوالیہ ہونے کے قریب ہیں)۔ نئی ملازمتوں کی حصہ کاری، نجی شعبہ کا کردار وغیرہ۔ اس سلسلے میں جرمنی کا حالیہ دوبارہ اتحاد قابل غور ہے۔

اس کے علاوہ ریاست کے اندر اسلامی قانون کے کردار کے تعین (جس حد تک اس پر عملدرآمد یا نفاذ ہو)، اور یہ کہ کیا کسی ایک ادارے یا فرد کے تحت حکومتی اور مذہبی مقتدرہ کو ملا دیا جائے اور حکومت کے اندر روک ٹوک اور توازن کا نظام متعارف کرانے سے متعلق آئینی مسائل بھی پیدا ہوں گے۔

حواشی

(۱) عبدالفتح میمن۔ آئل اینڈ دی فیتھ۔ (کراچی انٹر سروسز پریس لمیٹڈ۔ ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۳۸)۔
(۲) عبدالفتح میمن۔ آئل اینڈ دی فیتھ۔ (صفحہ ۱۳۹۔۱۴۱)۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱۵

مسلمانوں کی حالت

بہت سے مسلمان یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کی حیثیت، ساکھ اور طاقت مسلسل روبہ زوال ہے۔ وہ حیران ہیں کہ آخر مسلمانوں کی فلاکت کی کوئی حد بھی ہے؟ اس کا جواب تو اللہ ہی جانتا ہے۔ مسلمانوں کے انحطاط کا ہم سب کو علم ہے۔ تاہم کچھ مثبت صورت بھی ظاہر ہوئی ہے۔ اس مختصر باب میں مثبت اور منفی دونوں عوامل کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس سے ایک مشروط نتیجہ اخذ کیا گیا ہے:

(الف) مسلمانوں کے لیے مثبت واقعات:

۲۵۱۔ گزشتہ پچاس سال:

گزشتہ پچاس سال کے دوران ایشیا، افریقہ، مشرق وسطیٰ، اور سابق سوویت یونین میں چالیس سے زائد مسلم ممالک نے آزادی حاصل کی ہے۔ پریشانیوں کی بہت زیادہ تشہیر کے باوجود گزشتہ دس سال کے عرصے میں اقوام متحدہ میں کم از کم دس نئے مسلم ممالک کے پرچم لہرانے لگے ہیں جسے ایک سیاسی کامیابی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اپنے ہی مسلمان بھائیوں اور غیر مسلموں کے ہاتھوں بے شمار مسلمانوں کی ہلاکت کے باوجود مسلمانوں کی مجموعی آبادی میں تیزی سے اضافے کا سلسلہ جاری ہے۔

Marfat.com

آبادی میں قدرتی اضافے کے علاوہ تبدیلی مذہب کے ذریعے بھی قابل ذکر اضافہ ہوا ہے۔

اگر مسلمانوں میں تقویٰ کا احساس اس کی کوئی علامت ہو تو مسلمانوں کی نوعی خصوصیات میں بھی اضافہ بڑے واضح طور پر نظر آتا ہے۔ جیسا کہ دنیا کے تمام حصوں میں اسلامی احیاء کی اٹھنے والی لہروں سے بخوبی ظاہر ہے، روحانی اعتبار سے بھی مسلمانوں میں اپنے مذہبی ورثے کے بارے میں ایک گہرا احساس پایا جاتا ہے۔ بعض مبصرین کی رائے میں مسلمانوں کے روحانی شعور میں اضافے کی صرف یہی لہر گزشتہ پچاس سال میں رونما ہونے والا سب سے اہم واقعہ ہے۔

فوجی لحاظ سے مسلمانوں کے پاس اب پہلے سے زیادہ افواج اور ہتھیار موجود ہیں۔ سوویت یونین کے خلاف کی جانے والی کامیاب جدوجہد ایران۔ عراق اور خلیج کی جنگوں کے دکھوں کی شدت کم کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ بعض لوگوں کا تو یہ بھی خیال ہے کہ جنگ خلیج نے امریکی فوج اور مسلمانوں کے درمیان حائل بہت سی رکاوٹیں توڑ دیں۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ چند برس قبل ان ملکوں کی قیادتوں میں فوجی ساز و سامان میں اشتراک اور تعاون کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ بہت سے مبصرین، جن میں اسرائیلی لیڈر بھی شامل ہیں، اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمان پچاس سال پہلے کی نسبت اب برتر فوجی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔

تعلیم، صحت، خوراک اور رہائش کے شعبوں میں سہولیات کی سطح بدستور پست رہنے کے باوجود مسلمانوں نے اقتصادی ترقی کے میدان میں پیش رفت کی ہے۔ تیل کی دولت سے مالا مال بعض قوموں نے جدید دنیا میں حیرت انگیز رفتار سے جست لگائی ہے اور اپنی دسترس میں اعلیٰ ٹکنالوجی، ترقی یافتہ اساسی ڈھانچہ اور اعلیٰ معیار زندگی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ دوسرے ملک اپنے پرانے آقاؤں پر انحصار کرنے والی سابق کالونیوں کی حیثیت سے نجات حاصل کر کے، آزاد آجروں کے طور پر مسابقت میں مصروف عالمی تاجروں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ اقتصادی نقطہ نظر سے مسلمانوں نے ایک گروپ کی حیثیت سے گزشتہ پچاس برسوں میں تھوڑی بہت ترقی کی ہے۔

Marfat.com

۲۵۲۔ اقتصادی وجود برقرار رکھنا:

مسلم قوموں کی حالیہ سیاسی اور اقتصادی ترقی کے ضمن میں پاکستان کو بطور مثال استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تاہم بیشتر دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح پاکستان کو بھی اپنی آزادی کے پہلے ہی دن سے کہا گیا کہ وہ دیوالیہ ہے۔ اس کی اقتصادی صورتحال بد سے بدتر ہو چکی ہے۔ ہر سبکدوش ہونے والی حکومت کے آخری دنوں میں قوم کے دیوالیہ ہونے کی تشہیر کی جاتی ہے۔

اس کے باوجود ہر آنے والی حکومت خوشی خوشی اقتدار سنبھال لیتی ہے۔ ہر نئی حکومت کے ارکان نے اپنی دولت میں سابقہ حکومت کے ارکان کے مقابلے میں کہیں زیادہ اضافہ کیا۔ تو پھر آخر یہ دولت آتی کہاں سے ہے؟ قرضہ۔ مقامی اور غیر ملکی دونوں ذرائع سے قرضہ دینے والے بین الاقوامی ادارے اور مقامی بانڈز کے حامل ادارے حکومت سے یقین دہانیوں کے حصول کے بعد مزید رقم کی فراہمی پر ہمیشہ آمادہ رہتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے پلاٹوں، صنعتی لائسنسوں اور آسان قرضوں کی شکل میں کی جانے والی عنایات اور مہربانیاں بھی سویلین اور فوجی حکمرانوں اور سیاستدانوں کے لیے مال بٹورنے کا ذریعہ بنی رہی ہیں۔ حتیٰ کہ اقتصادیات کی اس پراسرار شکل کے ذریعے عام آدمی کے دن بھی پھر جاتے ہیں۔

(ب) منفی واقعات:

۲۵۳۔ ایک سپر طاقت کا زوال:

سوویت یونین کی شکست و ریخت، جزوی طور پر، افغانستان میں مسلم مجاہدین کی فتح کا نتیجہ تھی۔ نظریاتی طور پر اسلام نے ہمیشہ کیمونزم کا متبادل پیش کیا جسے مغرب کے مخالف بہت سے ملکوں نے بھی ترجیح دی۔ حتیٰ کہ لادینی تنزل کے اس عالم میں آج بھی بعض مغربیوں پر یہ حقیقت آشکار ہو رہی ہے کہ اسلام ایک ایسا تناظر پیش کرتا ہے جو خود ان کی دینیات اور مابعدالطبیعاتی تصورات میں نہیں ملتا۔

تاہم سیاسی طور پر دو مقابل عالمی طاقتوں کا مطلب یہ تھا کہ ایک یا دوسری طاقت ہمیشہ مسلمانوں کی حمایت کی خواستگار رہتی تھی۔ مسابقت کی وہ صورت اب باقی نہیں رہی۔ بعض

Marfat.com

لوگوں کے خیال میں کمیونزم کے معدوم ہونے کے ساتھ ہی مسلمان نئے قائم ہونے والے عالمی نظام کے لیے ایک اہم نظریاتی خطرہ بن گئے ہیں۔ خواہ وہ کتنا ہی کمزور اور دور کیوں نہ ہو۔ جنگ خلیج نئے عالمی نظام کی ایک مثال تھی۔ بوسنیا میں سرب کھلے بندوں یہ اعلان کر چکے ہیں کہ وہ یورپ سے عیسائیت کے نام پر مسلمانوں کی "صفائی" کر رہے ہیں اس لیے پوری عیسائی دنیا کو ان کا احسان مند ہونا چاہیے۔ بوسنیا میں جس ذہنیت کا مظاہرہ کیا گیا اگر کسی اور جگہ اس کی حمایت ہوتی ہے تو یہ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔ اب مسلمان اس سے زیادہ خراب حالات کی توقع کر سکتے ہیں خواہ وہ یورپ اور امریکہ ہی میں کیوں نہ رہتے ہوں۔ زیادہ خطرہ روس سے لاحق ہو سکتا ہے جس کی تاریخ نسلی گروپوں کے خلاف جرائم سے بھری پڑی ہے۔ جو بوسنیا میں سربوں کی حمایت کرتا رہا ہے، جسے افغانستان میں مسلمانوں نے شکست دی اور جس کی سرحدوں کو متعدد بغاوتوں سے خطرات لاحق ہیں۔ جنھیں بعض لوگوں کے خیال میں ایران سے شہ ملتی ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کچھ مسلمانوں کی رائے یہ ہے کہ مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے بہترین لائحہ عمل یہی ہے کہ وہ جن ملکوں میں آباد ہو چکے ہیں وہاں کے جمہوری عمل میں مکمل طور سے شریک ہو جائیں۔ مقامی طور پر منتخب حکام کے ساتھ اتحاد قائم کریں اور وہاں کے قانونی نظام کی مدد حاصل کریں۔ اس سلسلہ میں وہ دیگر اقلیتوں کا حوالہ دیتے ہیں مثلاً امریکہ میں سیاہ فام باشندے اور دنیا میں ہر جگہ پھیلے ہوئے یہودی جنھوں نے یہی راستہ اختیار کر لیا ہے۔

۲۵۴۔ مغرب کی جانب رخ:

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مغرب میں مسلمانوں کے ساتھ کتنا ہی خراب سلوک کیوں نہ ہو رہا ہو، دنیا کے تمام حصوں سے لاکھوں مسلمان مغربی ممالک میں جانے کی گہری خواہش رکھتے ہیں۔ کوئی غریب ہو یا امیر، کمزور ہو یا طاقت ور، مکمل طور پر باعمل ہو یا اسلام سے واجبی تعلق رکھنے والا، سارے ہی مسلمان مغرب جانے کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔

بعض لوگ اپنی اقتصادی حالت بہتر بنانا چاہتے ہیں اور بعض سیاسی اور مذہبی جبر و ستم سے

Marfat.com

جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے اپنے ملک میں حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں لہٰذا انھیں خود اپنے لیے اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر لازماً کچھ کرنا چاہیے۔ وہ سفارتخانوں کے سامنے قطار بناتے ہیں، ٹریول ایجنٹس کو رشوتیں دیتے ہیں حتیٰ کہ قومی راز افشا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان کے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کے خیال میں وہ جن حالات سے دوچار ہیں کوئی بھی صورتحال ان سے تو بہتر ہی ہو گی۔ جو لوگ پہلے ہی مغرب میں ہیں انھیں وہاں قیام پر کوئی مجبور نہیں کرتا۔ اکثر مسلمان مختلف وجوہ کی بنا پر اپنے اصل ملک واپس چلے جاتے ہیں۔ وہ مغرب کی پالیسیاں پسند نہیں کرتے۔ وہ اپنے بچوں کے لیے مغربی طور طریقے پسند نہیں کرتے، اپنی بیٹیوں کی شادیاں وطن میں اچھے مسلمانوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ مغرب میں کمائی ہوئی رقم سے اپنے وطن میں زیادہ آرام و آسائش کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وطن لوٹنے والے متعدد افراد ملک کو اس حال میں نہیں پاتے جس میں وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ وہ تو مغربی رنگ میں رنگا جاچکا ہے۔ وہ انھیں مسائل سے دوچار ہوتے ہیں اور وہ بھی کم ترقی یافتہ ملک میں۔ یعنی منشیات، ناقص طبی سہولیات، رشوت خور سرکاری اہلکار، بدعنوان سیاستدان اور تاجر، کمزوری کے شکار خاندانی نظام وغیرہ کے مسائل۔ بہت سے لوگ کچھ عرصہ بعد مغرب میں اپنی زندگی دوبارہ شروع کرنے کے لیے واپس چلے جاتے ہیں اور پھر وہیں رہ جاتے ہیں۔

۲۵۵۔ مسلمانوں کے مصائب:

زیادہ امکان یہی ہے کہ بنیادی تبدیلی کے بغیر مشکلات اور مصائب کا موجودہ انداز جاری رہے گا۔ مسلمانوں پر انھیں لیڈروں کی حکمرانی کا سلسلہ چلتا رہے گا جن کی وفاداری اپنے عوام کے بجائے غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ ہے۔ قائم شدہ عالمی نظام کو چیلنج کرنے کی خواہاں مسلم حکومتوں کو فوری طور پر سزا دی جائے گی اور مقامی مسلم تحریکوں کو اتنی ہی قوت سے کچلا جاتا رہے گا جتنی قوت سے کچلنا ضروری ہو گا۔ مسلم قوموں کے مابین تصادم کو بیرونی طاقتیں ہر متحارب فریق کی حمایت کا وعدہ کر کے ہوا دیتی رہیں گی جس سے تصادم جاری رکھنے کی ضمانت ملے گی اور حالات میں بگاڑ کا امکان بھی پیدا ہو گا۔ جیسا کہ ایران۔ عراق

Marfat.com

جنگ کے بارے میں ایک مغربی "مدبر" نے کہا تھا کہ "اس جنگ میں صرف یہی ایک خرابی ہے کہ ایک دن یہ ختم ہو جائے گی"۔ جنگ خلیج کے سلسلے میں مغرب کو سب سے زیادہ اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں عراق جنگ چھڑنے سے پہلے ہی اقوام متحدہ کی قرار دادیں قبول کر کے تباہی سے نہ بچ جائے۔

بعض مسلمانوں کے خیال میں وہ ایک گروپ کی حیثیت سے اتنا اچھا کام نہیں کر رہے جتنا دوسرے گروپ کر رہے ہیں۔ دنیا کے متعدد حصوں میں مسلمان مشکلات میں مبتلا ہیں۔ اور بہتر مواصلاتی نظام کی بدولت باقی مسلمانوں میں ان کی مشکلات سے آگاہی بڑھ رہی ہے۔ تاہم ذرائع ابلاغ جو بات نہیں بتاتے اور جو مسلمان بھول جاتے ہیں وہ مسلمانوں کی اپنی کامیابی، ترقی اور یومیہ فرائض کی انجام دہی ہے۔ خواہ وہ کوئی عام شخص ہو یا سیاسی، فوجی رہنما یا کاروباری شخصیت، اس دنیا میں مسلمانوں کے وجود کا تجزیہ کلیتاً مادی فلاح اور آسائشوں یا مصائب اور دکھوں کی کمی کے حوالے سے نہیں کیا جا سکتا۔

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ اُن کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کے لیے اُن کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے۔ اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔" (سورۃ: ۲۴:۵۵)

مسلمانوں کو اس بات پر ایمان لانے کے لیے کہا گیا ہے کہ انھیں اللہ کی رضا کے سوا کچھ اور مطلوب نہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی مدد جلد آنے والی ہے۔

Marfat.com

باب ۱۶

مستقبل کی جہتیں

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔" (سورۃ ۵۹:۱۸)

"... جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔" (سورۃ ۵۹:۹)

۲۵۶۔ مستقبل:

مستقبل کا حال صرف اللہ جانتا ہے۔ وہ عالم الغیب ہے یعنی ہر ان دیکھی چیز کا علم رکھنے والا۔ کوئی انسان مستقبل کا علم رکھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جب تبدیلی کا وقت آتا ہے تو بڑے بڑے زور آور پلک جھپکتے خاک چاٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی بھی شہنشاہ ایران، کویت، عراق، فلپائن (مارکوس)، پاکستان (مشرقی پاکستان میں)، سوویت یونین (افغانستان میں) اور امریکہ (ویتنام میں) کی طاقت ور افواج کی شکست کی پیش گوئی نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم موجودہ حالات اور ماضی میں تبدیلی کے انداز کی بنیاد پر مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں اندازہ قائم کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ مستقبل کے بارے میں منصوبہ بندی اور غور و خوض کی قرآن میں حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

Marfat.com

مغربی اور مسلم حکومتیں دونوں ہی مختلف حالات کے تحت ممکنہ نتائج کی پیش بندی کے لیے مستقبل کے فوجی، اقتصادی اور سیاسی خاکے ترتیب دیتی رہی ہیں۔ سب کی یہی کوشش ہے کہ اپنے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے امکانات میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے۔

یہ درست ہے کہ مغرب بہت زیادہ آگے بڑھ چکا ہے۔ اللہ کے لیے ہوا کا رخ بدلنے اور نتائج کو مکمل طور پر تبدیل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ تاہم اللہ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں اپنا مستقبل سنوارنے کے لیے جو کچھ بھی کوشش کر سکتے ہیں کریں۔

"... حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔" (سورۃ: ۱۳:۱۱)

اس باب کا مقصد ہے:

(الف) دنیا میں پہلے ہی رونما ہونے والی تبدیلیوں کو سمجھنا۔

(ب) موجودہ رجحانات جاری رہنے کی صورت میں اگلے دس تا پندرہ برسوں میں ممکنہ جہتوں کا اندازہ لگانا۔

(ج) یہ سمجھنا کہ یہ تبدیلیاں مسلمانوں پر کس طرح اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

(الف) تغیر پذیر دنیا اور اس کے مضمرات:

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے یہ دنیا کئی اعتبار سے بدل چکی ہے۔ متعدد مصنفین اس موضوع پر لکھ چکے ہیں۔ میں نے خاص طور پر ان شخصیات سے استفادہ کیا ہے۔ (الف) مستقبل کی پیش بندی کے ماہر اور رباط کی محمد خامس یونی ورسٹی کے پروفیسر مہدی المنجرہ سے جنھوں نے "امریکن جرنل آف اسلامک سوشل سائنسیز" کے ۱۹۹۳ء موسم گرما کے شمارے میں "اسلامی دنیا کا مستقبل" کے عنوان سے سمپوزیم میں نہایت مفید مقالہ پیش کیا تھا۔ اور (ب) ورلڈ ریسورسز انسٹی ٹیوٹ کی جیسیکا تخمان میتھیوز سے جنھوں نے ۱۹۹۲ء میں عالمی بینک کے زیر اہتمام ایک اجتماع میں اپنے خیالات پیش کیے تھے۔

۲۵۷۔ روحانی تبدیلیاں:

مسلمان جب اپنا موازنہ مغرب سے کرتے ہیں تو انھیں فخر کے اظہار کی صورت کم ہی نظر

Marfat.com

آتی ہے اقتصادی، سیاسی اور فوجی اعتبار سے وہ مغرب سے بہت کمزور ہیں۔ تاہم بین الاقوامی میدان عمل میں قدم رکھنے والے مسلمانوں کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ سرد جنگ میں سوویت یونین کی شکست کچھ تو مغرب کی فوجی اور اقتصادی فتوحات کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے ہوئی کہ کمیونزم سے سوویت رہنماؤں اور جمہوریاؤں کے عوام کا لگاؤ ختم ہو گیا تھا۔ گوربچوف اور یلسن نے اپنے ملک کو مغرب کی گود میں اس لیے ڈال دیا کہ ان کا اپنے نظریہ پر یقین اور اعتبار باقی نہیں رہا تھا۔ کمیونزم ناکام ہو گیا تھا۔

لادینی رجحان، جو کمیونسٹ مہمات کا نقیب تھا، اپنے عروج پر پہنچ کر اب تیزی سے معدوم ہو رہا ہے۔ اس کے برعکس مندرجہ ذیل قابل توجہ روحانی اثرات فروغ پا رہے ہیں۔

(الف) دنیا کے تقریباً تمام حصوں میں خوشحال اور بااثر افراد کی زندگیوں پر مذہب کے پہلے جیسے اثرات تو باقی نہیں رہے مگر درمیانہ اور نچلے طبقات کے نظریات اور طور طریقوں پر مذہب کی چھاپ بدستور گہری ہے۔

(ب) نسبتاً غریب تر طبقہ اپنے مذہب پر بدستور عمل پیرا ہے۔

(ج) اخلاقی اقدار پر مبنی قدامت پسند تحریکیں دوبارہ کچھ زور پکڑنے لگی ہیں۔

(د) عیسائی اور مسلم دونوں مشنری تحریکیں اب بھی سرگرم عمل ہیں اور نئے لوگوں بالخصوص غریبوں کو، تبدیلی مذہب پر آمادہ کرنے میں کامیابی حاصل کر رہی ہیں۔

(ہ) جزوی طور پر اپنی حکومتوں اور معاشروں کی طرف سے بے اطمینانی کی وجہ سے ہر سماجی و اقتصادی طبقے کے ان مسلمانوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے جو اپنے مذہب کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔

۲۵۸۔ مذہب کا مستقبل:

دوسری عالمی جنگ کے بعد مغرب اور دیگر ممالک میں بھی سیکولرازم کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ پاکستان اور اسرائیل نے بالترتیب اسلام اور یہودیت کے نام پر آزادی حاصل کی مگر جلد ہی انھوں نے حکومت کے سیکولر نمونے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ غالب ہندو اکثریتی آبادی کے ملک بھارت نے سیکولر آئین کا اعلان کیا۔ امریکہ، یورپ، مصر، جاپان، سوویت یونین،

Marfat.com

شام وغیرہ سب سیکولر ہیں۔ تاہم جوں جوں لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ مادی وسائل اور ٹکنالوجی میں ہونے والا اضافہ (الف) غیر مساویانہ طور پر تقسیم ہوا ہے اور (ب) کسی بھی اعتبار سے انسان کے لیے اطمینان بخش نہیں ہے تو اسی لحاظ سے گزشتہ پچاس سال میں مذاہب سے دلچسپی میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔

امریکہ میں "دوبارہ جنم لینے والے عیسائیوں" میں بیداری کی لہر، بھارت میں ہندو سیاسی جماعتوں کی نشوونما، اسرائیل میں صیہونیت کا فروغ اور ہر جگہ مساجد میں نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے مذہب میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ مذہبی احیا دو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوا ہے۔ (الف) لوگوں نے اپنے مذہب کے مطالعے اور اس پر عمل کے سلسلے میں زیادہ خلوص اور عقیدت کے اظہار کا فیصلہ کیا اور (ب) مذہب کو، تشدد کی آمیزش کے ساتھ، سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ تمام مذاہب کے احیا کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ مذہب کے مطالعہ، اس کی تفہیم اور اس پر عمل کی کوششوں پر دلالت کرتا ہے۔ آنے والے عشروں میں یہ انسانیت کو مندرجہ ذیل ممکنہ سمتوں میں لے جا سکتا ہے:

(الف) مذہب کے پیروکاروں میں عقیدہ کی سختی، جس کا نتیجہ دیگر عقائد کو برا بھلا کہنے اور بالآخر تصادم کی شکل میں برآمد ہو سکتا ہے۔

(ب) ایک بار پھر مذہب کے سحر سے آزادی اور لادینیت (سیکولرازم) کی از سر نو توثیق۔

(ج) رواداری سمیت مذاہب کی مشترکہ خصوصیات کا ادراک جس کے نتیجے میں تمام مذاہب کے ماننے والوں میں وسیع تر بنیاد پر امن کا قیام۔

(د) معاشروں میں مذہبی اور سیکولر خطوط پر پیدا ہونے والے تضادات کے نتیجے میں مختلف النوع مقاصد اور ناقابل مصالحت اختلافات میں اضافہ۔ متعدد اہم مسائل پر یہ صورت پہلے ہی موجود ہے جن میں اسقاط، ہم جنس پرستی، اسکولوں میں دعا کے مسائل شامل ہیں: مختلف مذاہب اور فرقے سیکولر طرز فکر کے خلاف متحد ہیں۔

۲۵۹۔ دنیا میں بدلتے ہوئے اقتصادی تعلقات:

حالیہ برسوں میں بہت سے ترقی پذیر ملکوں نے افلاس کی حد پار کر لی ہے۔ مشرقی ایشیا میں

Marfat.com

جنوبی کوریا، تائیوان، تھائی لینڈ، سنگاپور اور ملائیشیا نے کافی تیزی سے ترقی کی ہے۔ انڈونیشیا اور چین بھی بڑی تیزی سے ان کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ جنوبی امریکہ میں برازیل، میکسیکو، چلی اور ارجنٹائن نے شاہراہ ترقی پر خاصا طویل راستہ طے کر لیا ہے۔ ان ممالک میں حالات زندگی قابل ذکر حد تک بہتر ہو گئے ہیں۔ بین الاقوامی تجارت میں یہ ملک اہم کردار ادا کر رہے ہیں جس میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ مغربی دنیا اب انھیں زیادہ عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتی ہے۔ آنے والے برسوں میں یہ ملک مغرب کے ساتھ زیادہ قریبی تعلقات کی توقع رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر رجحانات بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

(الف) منڈیوں، ذرائع رسد، سرمایہ اور ملازمتوں کو بین الاقوامی رنگ دے کر سرحدی پابندیوں کے خاتمہ کے اقتصادی پہلو بھی ہیں۔

(ب) اقتصادیات، سیاسیات، ماحولیاتی تبدیلیوں وغیرہ کے شعبوں میں بین الاقوامی اور عالمی رجحانات قومی سرحدوں سے مستثنیٰ ہیں اور بین الاقوامی حل کے متقاضی ہیں۔

(ج) بنی نوع انسان کا تقریباً ۴۰ فیصد حصہ دو سو چودہ دریائی نظاموں پر انحصار کرتا ہے جن میں کم از کم دو اور بالعموم اس سے زائد قومیں حصہ دار ہیں۔ مشرق وسطیٰ اور زیریں ساحل افریقہ کے ملکوں کے خوف کا ایک بنیادی سبب پانی کی قلت بھی ہے۔

(د) ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں میں عالمی وسائل کی موجودہ ناقص اور غیر مساویانہ تقسیم کا سلسلہ جاری رہنے اور مزید سنگین ہونے کا امکان ہے۔ یہ حقیقت عالمی استحکام پر اثر انداز ہو سکتی ہے کہ دنیا کی دس فیصد آبادی دنیا کے نوے فیصد وسائل ہڑپ کر جاتی ہے۔

(ہ) معاشی پناہ گزینوں کی بھاری تعداد قومی سرحدیں عبور کرنے کی کوشش کر سکتی ہے۔ ایسے تقریباً تمام لوگوں کی منزل مقصود ترجیحاً امریکہ اور یورپ ہی ہوں گے حالانکہ بہت سے لوگ درمیان میں دیگر مقامات پر بھی آباد ہو سکتے ہیں۔

۲۶۰۔ اشیا اور سرمایہ کا آزادتر بہاؤ:

آزاد تجارت بڑھ رہی ہے۔ رکاوٹیں ختم ہو رہی ہیں۔ ایک سو سترہ ملکوں کے نمائندے ایک نئے معاہدے پر متفق ہو گئے ہیں جس کے تحت دس ہزار سے زائد مصنوعات کی زیادہ

Marfat.com

آزادانہ تجارت متوقع ہے۔ ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل دستاویز کی تفصیلات پیچیدہ ہیں۔ مذاکرات کا آخری دور در حقیقت امریکہ اور یورپ کے درمیان ہوا تھا۔ انھوں نے اپنی دلچسپی کے ہر نکتہ پر بڑا تفصیلی اور بھرپور تبادلہ خیال کیا۔ ان کی زراعت، صنعت اور دیگر شعبوں کے نمائندے پوری طرح اس عمل میں شریک تھے اور ان سے صلاح مشورہ بھی کیا گیا۔ باقی ملکوں نے اس دستاویز کا جائزہ لیا اور اسے منظور کر لیا۔ اس بات میں شبہ ہے کہ وہ امریکہ۔ یورپ مذاکرات کو سمجھنے کے لیے مناسب مہارت یا اپنے اہم مفادات کے تحفظ کا حوصلہ بھی رکھتے تھے۔

متعدد ملکوں میں سرمائے اور مالیات کی منڈیاں کھل رہی ہیں اور انھیں بعجلت موجودہ منڈیوں میں ضم کیا جا رہا ہے۔ زیادہ منافع کی تلاش میں سرمایہ سرحدیں عبور کر رہا ہے۔ نئے مالیاتی ذرائع متعارف کرائے جا رہے ہیں۔ تجارت کے یکساں قوانین اختیار کیے جا رہے ہیں۔ ترقی یافتہ اور تیزی سے ترقی کرنے والے ملکوں کے درمیان اقتصادی اعتماد اور باہمی مفاہمت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ٹکنالوجی میں رونما ہونے والی تیز رفتار تبدیلیوں سے تمام معیشتوں کے متاثر ہونے کا امکان ہے۔ نئی راہیں نکالنے والے ملک اس کا سب سے زیادہ فائدہ اٹھا رہے ہیں، اس دوڑ میں شامل رہنے کے لیے لچکدار رویہ اور تبدیلی قبول کرنے کی صلاحیت کم از کم شرط ہے۔

دوسری طرف سست رفتار سے ترقی کرنے والے اور غریب ملک عام طور سے نئے عالمی نظام کی اقتصادیات سے باہر ہیں۔ نرم شرائط پر قرضے اور وقتاً فوقتاً مشورہ ملنے کے سوا یہ ملک مرکزی دھارے سے باہر ہی رہتے ہیں۔ زیادہ تر مسلم ممالک اسی درجہ میں آتے ہیں۔

۲۶۱۔ اقتصادی تبدیلیاں:

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے بے شمار صنعتی تبدیلیاں آئی ہیں جو مزدوروں کے حالات اور معیارات پر اثر انداز ہوئی ہیں۔ ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(الف) معلومات کی رفتار میں تیزی جس کے ساتھ دنیا میں مجموعی رقم ہر سات یا آٹھ سال میں دگنی ہو جاتی ہے۔

(ب) دفاع، صنعت اور گھر کے لیے اطلاعات اور ٹکنالوجی کی بڑھتی ہوئی پیچیدگی۔ مسلم

Marfat.com

ممالک سمیت ترقی پذیر ملک اس میدان میں بہت پیچھے چھوڑ دیے گئے ہیں۔

(ج) پیداوار پر مبنی معاشرے سے اطلاعات پر مبنی معاشرے کی سمت پیش قدمی کے ساتھ مسلمانوں کے پاس موجود روایتی خام مال کی کم ہوتی ہوئی اہمیت اور ذہنی ایج اور اختراعی صلاحیت سے کام لینے کی اہمیت میں اضافہ۔

(د) اطلاعات و مواصلات کا ارتکاز اور اطلاعات سے متعلق تمام سرگرمیوں کے ۸۵ فیصد سے زائد حصہ پر ترقی یافتہ ممالک کا کنٹرول۔

(ہ) دنیا میں لوگوں کی تعداد میں قابل ذکر اضافہ اور ان کے اضافے کی شرح۔ تقریباً ساڑھے پانچ ارب نفوس پر مشتمل دنیا کی موجودہ آبادی کے بارے میں اندازہ یہی ہے کہ یہ ممکنہ طور پر دگنی یا تگنی شرح سے بڑھتی رہے گی۔

(و) ترقی پذیر ملکوں کی آبادی کی شرح اور نوجوانوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ جن میں مسلمان بھی شامل ہیں: ترقی یافتہ ملکوں (مغرب بشمول جاپان) میں آبادی میں اضافے کی سست رفتار شرح اور معمر افراد کی تعداد میں اضافہ۔

(ز) بین الاقوامی اقتصادی امداد میں نمایاں تبدیلی۔ بین الاقوامی امدادی ایجنسیوں کو اپنے اصل حصص یافتگان (مغرب) سے حاصل رہبری اور ہدایات میں اضافہ ہو رہا ہے اور وہ اسے ترقی پذیر ملکوں میں اپنے موکلوں کی طرف منتقل کر دیتی ہیں۔

(ح) اقتصادی مسائل کا اطمینان بخش حل تلاش کرنے میں سرکاری شعبے (یعنی حکومتوں) کی ناکامی۔

(ط) ترقی پذیر ملکوں میں اقتصادی سرگرمیوں کی انجام دہی میں نجی شعبہ کی شراکت پر بڑھتا ہوا زور۔

(ی) اقتصادی امداد کے طالب ملکوں کی تعداد میں قابل ذکر اضافہ (کمیونزم کے زوال کی وجہ سے)، اس قسم کی امداد کے لیے دستیاب وسائل میں اگر کوئی اضافہ ہوا ہے تو برائے نام اس لیے جو ملک امدادی اداروں کی "رہنمائی" قبول کرنے میں متامل ہیں انھیں مستقبل میں کم امداد کی توقع رکھنی چاہیے۔

Marfat.com

(ک) جنگ خلیج، داخلی تعمیر نو اور تیل کی قیمتیں نسبتاً کم سطح پر ٹھہر جانے کی بنا پر ضرورت مند مسلمانوں کو تیل پیدا کرنے والے مالدار عرب ملکوں سے ملنے والی امداد میں کمی۔

اکثر تبدیلیوں نے مسلمانوں پر ناموافق اثرات ڈالے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ مسلمان اکثر اپنی نسبتاً کمتر اور بعض صورتوں میں انحطاط پذیر اقتصادی حیثیت کا شکوہ کرتے ہیں اور مادی ترقی اور خوشحالی سے محرومی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں آباد مسلم آبادی کا بہت بڑا حصہ جدید منڈیوں سے باہر زندگی گزار رہا ہے اور بس جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھے ہوئے ہے۔ انھیں اس ڈرامائی اقتصادی انقلاب سے نقصان پہنچنے کا احتمال کم ہے۔ تھوڑی سی کوشش سے ان مسلمانوں کی زندگی قابل ذکر حد تک بہتر بنائی جا سکتی ہے۔

۲۶۲۔ سیاسی تبدیلیاں:

اس دوران میں بہت سے سیاسی واقعات رونما ہوئے ہیں جنھوں نے موجودہ صورت حال حیرت ناک طور پر تبدیل کر ڈالی ہے اور ان میں مندرجہ ذیل واقعات شامل ہیں:

(الف) سرد جنگ کا دور آیا اور گزر گیا جس کے نتیجے میں امریکہ واحد سپر طاقت بن کر نمودار ہوا۔

(ب) دوسری جنگ عظیم کے دور کے دشمن (جرمنی، جاپان اور اٹلی) کئی دہائیوں سے امریکہ کے قابل اعتماد دوست بن چکے ہیں۔

(ج) سرد جنگ میں مغرب کے دشمنوں (روس اور شمالی یورپ اور وسطی ایشیا کے بیس سے زائد ممالک) نے عملاً اپنے اقتصادی اور سیاسی نظاموں کو تباہ کر ڈالا ہے اور خود کو ترقی پذیر ملکوں کی سطح پر لا کھڑا کیا ہے جب کہ ان کی داخلی محاذ آرائی کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔

(د) دنیا کے نسبتاً ترقی یافتہ حصوں میں قومی حکومتوں کا تصور روبہ انحطاط ہے۔ یورپ اور دونوں امریکہ (شمالی اور جنوبی) میں حکومتیں روایتی اختیارات اقوام متحدہ اور آزاد قوموں کی دیگر علاقائی یونینوں کو تفویض کرنے پر آمادہ ہیں۔

(ہ) اطلاعات اور ٹیلی مواصلاتی ٹکنالوجیوں (ٹیلی ویژن، فیکس، اور پرسنل کمپیوٹرز) نے قومی سرحدیں بھی کھول دی ہیں جو پہلے بڑی سختی سے بند ہوا کرتی تھیں۔

Marfat.com

(و) خصوصی دلچسپی کے گروپ، جن میں ماہرین ماحولیات، سائنسداں، خواتین، نوجوان، شہری مفادات، دیہی مفادات اور بہت سے دیگر گروپ بھی شامل ہیں، مقامی طور پر اور بیرونی ممالک میں رائے عامہ پر اثرانداز ہونے کی کامیاب کوششیں کر رہے ہیں۔

(ز) انسانی حقوق سے متعلق حکومتی پالیسیوں کو بین الاقوامی فورموں اور قانون کے تحت زیر بحث لانے اور جانچ پڑتال کا سلسلہ بڑھ رہا ہے۔

(ح) آزاد ملکوں کی تعداد دگنی سے زائد ہو چکی ہے۔ ان میں چالیس سے زائد ملک مسلم اکثریتی آبادیوں پر مشتمل ہیں۔

(ط) متعدد ممالک میں اقوام متحدہ کی جانب سے انتخابات کی نگرانی کا اصول تسلیم کر لیا گیا ہے اور اس کا خیر مقدم بھی کیا گیا ہے اور

(ی) مسلم اکثریتی ممالک بتدریج جمہوری عمل قبول کر رہے ہیں مگر چیونٹی کی چال سے۔ مسلم ممالک میں مثبت تبدیلی کی رفتار تیز ہو سکتی ہے۔ ایک منظرنامہ یہ بتا رہا ہے کہ مسلم ممالک میں موجودہ قیادت نوشتہ دیوار پڑھ لے گی اور مثبت تبدیلیوں کا اہتمام کرے گی۔ جب کہ دوسرے منظرنامے کے مطابق مغرب کی حمایت کے باوجود الجزائر میں فوجی حکومت شاید زیادہ دیر قائم نہ رہ سکے۔ الجزائری عوام اپنی اسلامی جماعت کو برسر اقتدار لانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے اور اپنے عوام کی زندگی میں بہتری لا سکے تو کیا تیونس، مراکش، لیبیا اور دیگر ممالک ایسی ہی تبدیلیاں لانے میں پیچھے رہ جائیں گے؟

اگر مسلم امہ سیاسی بہتری کی موجودہ جامد خواہش کو تھوڑا سا بھی متحرک اور فعال بنانے میں کامیاب ہو گئی تو اس کے نتائج بہت جلد نمایاں ہو جائیں گے۔

۲۶۳۔ روس کا مستقبل:

روس میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے اہم ہے۔ اس بارے میں کوئی بھی پیشن گوئیاں کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ خوش آئند تبدیلیوں کے بعد، جن میں مذاہب پر عائد پابندیوں میں نرمی بھی شامل ہے، نئی قیادت کے خلاف رد عمل پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ دستور ہے تنقید کرنا آسان اور عمل دشوار ہوتا ہے۔ روسی عوام ناخوش ہیں۔ بعض

Marfat.com

لوگ اس خدشے کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک مطلق العنان حکومت دوبارہ قائم ہو سکتی ہے بالخصوص اقتصادی حالات بگڑنے یا شیشان یا دیگر مقامات پر طویل فوجی کارروائی کی ضرورت پڑنے کی صورت میں ایسا ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

آزاد منڈی کی معیشت اور جمہوریت متعارف کرانے کا تجربہ ابھی تک تو زیادہ کامیاب نہیں ہوا ہے۔ بعض تجزیہ نگار یہ محسوس کرتے ہیں کہ دونوں نظام بیک وقت متعارف کرانا غلط تھا اور کسی ملک کے لیے جمہوریت پر کامیابی سے عمل پیرا ہونے کے لیے پہلے استحکام اور کسی حد تک خوشحالی کا حصول ضروری ہے۔ چین، جنوبی کوریا اور تائیوان کی مثالیں روس کے لیے فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہیں۔ ایشیا کے یہ مضبوط ممالک پائیدار سیاسی کنٹرول اور استحکام کے تحت اپنی معیشتوں کو ترقی دے رہے ہیں۔ قیاس غالب یہ ہے کہ بہتر تعلیم اور پیٹ بھر کھانا میسر ہوگا تو پرامن سیاسی شراکت اور بالآخر مکمل جمہوریت کی راہ ہموار ہو گی۔ روس کی سابقہ اقتصادی قوت کے پیش نظر اس عمل میں اتنی دیر نہیں لگنی چاہیے تھی۔

مسلمانوں کے لیے افغان جنگ اور متعدد صوبوں میں بغاوت کی بنا پر روس مسلسل کشمکش اور محاذ آرائی کا سبب بن سکتا ہے۔ سابق سوویت یونین کے کسی اور علاقے کے مقابلے میں کاکیشیائی خطے میں نسلی تنازعات کی بھرمار ہے اور ان سب میں یا تو مسلمان ملوث ہیں یا ان سے متاثر ہیں۔ ان میں آرمینیا، شیشان، جنوبی اوسیشیا، جارجیا اور آذربائجان شامل ہیں۔ مقابلہ کیا جائے تو روس اب بھی فوجی ساز و سامان اور ہتھیاروں کا ایک مضبوط منبع ہے۔

۲۶۴۔ اقوام متحدہ کا مستقبل:

اقوام متحدہ کا ادارہ ہمیشہ اسی حد تک موثر رہا ہے جس حد تک اس کے ارکان، خصوصاً سلامتی کونسل کے ارکان، نے اسے اس کی اجازت دی ہے۔ چونکہ دو سپر طاقتیں کسی اہم اقدام پر شاذ و نادر ہی متفق ہوئیں لہٰذا اقوام متحدہ خطابت کا ایک ادارہ بن گیا تھا۔ تاہم سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد سے امریکہ، چند مستثنیات کے ساتھ (مثلاً بوسنیا کے مسئلہ پر) سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کا غیر متنازعہ لیڈر بن گیا ہے۔

جیسا کہ جنگ خلیج، ہیٹی میں صدر اریسٹائڈ کی بحالی اور کویت کی سرحدوں پر فوجوں کی نقل و حرکت

Marfat.com

(اکتوبر ۱۹۹۴ء میں) سے ظاہر ہے اب امریکہ کے لیے اقوام متحدہ کے ذریعے کارروائی کرانا بہت آسان ہو گیا ہے۔ بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اقوام متحدہ تو امریکی خارجہ پالیسی کا ایک توسیعی ادارہ بن چکا ہے۔ اگر اقوام متحدہ کے ذریعے امریکہ واقعتاً کام کرانا چاہے تو وہ کام ہو جائے گا۔ اگر امریکہ نے کسی خاص مسئلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کیا ہو تو یورپی طاقتیں وسیع تر کردار ادا کریں گی۔ مندرجہ ذیل صورتوں کا امکان ہے:

(الف) اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ امریکہ اہم انتظامی تبدیلیوں کا اہتمام کرے جن کے نتیجے میں ہیڈ کوارٹرز کے عملے میں تخفیف عمل میں آئے اور اقوام متحدہ کے افسران، بالخصوص ترقی پذیر ملکوں سے تعلق رکھنے والے افسران کا کردار کم ہو جائے جن میں مسلمان بھی شامل ہیں۔

(ب) امریکہ کی قیادت میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی جانب سے غیر ایٹمی قوموں میں ایٹمی اسلحہ کے پھیلاؤ پر پابندی کے بارے میں جارحانہ رویہ اختیار کرنے کا امکان ہے۔ اس کے نتیجے میں ایٹمی عزائم رکھنے والے مسلم ممالک (پاکستان اور ایران) پر دباؤ جاری رہے گا یا اس میں اضافہ بھی ممکن ہے۔

(ج) دنیا کے مختلف شورش زدہ مقامات پر، جنھیں امریکہ کی حمایت حاصل نہیں ہے، اقوام متحدہ کے قیام امن کے مشن مرحلہ وار ختم کر دیے جائیں گے۔ اس سے بوسنیا، کشمیر وغیرہ متاثر ہو سکتے ہیں۔

(د) ترقیاتی امداد مہیا کرنے والی اقوام متحدہ کی ایجنسیوں کی سرگرمیاں کم ہونے کا امکان ہے جس کے نتیجے میں افریقہ اور ایشیا کے بہت سے مسلم ممالک کی امداد بہت کم ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا تمام عوامل کا اثر مسلم ممالک پر بھی پڑنے کا امکان ہے خصوصاً ترقیاتی امداد میں کمی کے قابل ذکر اثرات مرتب ہوں گے۔ واحد سپر طاقت امریکہ کو چھوڑ کر چند ہی رہنما تنگ نظری پر مبنی قوم پرستی پر اصرار کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ تاہم قوموں کو کم از کم رسمی یا غیر رسمی طور پر بلاکس تشکیل دینے ہوں گے۔ یورپی پہلے ہی اپنی یورپی یونین تشکیل دے چکے ہیں اور اس میں توسیع کے زوردار منصوبے بنا رہے ہیں۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا ''آسیان''

Marfat.com

(Asean) سے تعلق رکھتے ہیں جو یورپی یونین کے نمونے پر عمل کرتے ہوئے ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ عرب جب ضروری سمجھتے ہیں تو اپنی عرب لیگ کو فعال بنا لیتے ہیں اگرچہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس تنظیم کی اہمیت باہمی ملاقات اور بحث مباحثے کا موقع فراہم کرنے سے شاید ہی کچھ زیادہ ہو۔ او آئی سی سے تعلق کے باوجود مسلم ممالک اپنے مسائل کے حل کے لیے امریکہ کے ساتھ اپنے دوطرفہ تعلقات پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ افریقیوں کی اپنی تنظیم "افریقی اتحاد کی تنظیم (اواے یو) موجود ہے اور وہ اقوام متحدہ کے اندر مسلمانوں کے لیے حامی بلاک فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لاطینی امریکی ممالک نے بھی جن کے ساتھ امریکہ بھی شامل ہے، حال ہی میں آپس میں اضافی اقتصادی سمجھوتے کیے ہیں۔

اقوام متحدہ اقتصادی بنیادوں سے محروم ہے اور اس کا رشتہ تاریخی اعتبار سے مغربی روایات اور فلسفۂ قانون سے وابستہ ہے۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ اپنے ڈھانچے میں مکمل ردوبدل کے بغیر وہ اس سیاسی بوجھ سے نجات حاصل کر سکے جو اس پر لدا ہوا ہے۔ اپنے ارکان کے لیے اس کی قدروقیمت بڑی محدود ہے اور مسلم ممالک میں بطور خاص اسے کوئی ہردلعزیزی حاصل نہیں ہے۔

۲۶۵۔ مراکز مفکرین کا کردار:

ماضی میں امریکہ کی خارجہ پالیسی تقریباً بلاشرکت غیرے سرکاری اہلکار ہی تشکیل دیا کرتے تھے۔ حالیہ دور میں تھنک ٹینکس (مفکرین کے منظم گروپ) نیوز میڈیا کے ساتھ مل کر زیادہ بااثر ہو گئے ہیں۔ ان گروپوں کو اپنے اپنے مفادات کے مالک طاقت ور گروپ (کنزرویٹو، لبرل، عیسائیوں، یہودیوں وغیرہ) قائم کرتے ہیں تاکہ وہ ان کی پسند اور دلچسپی کی پالیسیاں تجویز کر سکیں اور سفارشات پیش کر سکیں۔ وہ اپنی دلچسپی کے معاملات اور مسائل کا تجزیہ کرنے اور اس سلسلے میں متبادل پالیسیاں تیار کرنے کے لیے سابق سرکاری ملازمین اور سرکاری ملازمت کے آرزومند افراد اور ممتاز دانش وروں کی خدمات حاصل کرتے ہیں یہ لوگ سرکاری عہدوں پر فائز رہنے یا یونی ورسٹیوں میں اس موضوع کا مطالعہ کرنے اور اس کا

Marfat.com

درس دینے کی بنا پر اپنے موضوع پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ اسی تناظر میں وہ اپنے کفیل ادارے کا نقطۂ نظر آگے بڑھاتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ ان گروپوں کی متبادل پالیسیوں کی رپورٹ پیش کرنے میں ہمیشہ بڑے ذوق وشوق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ انھیں بے حد مفید پاتے ہیں۔ اگر ان طاقت ور گروپوں (لبرل اور کنزرویٹو) کے نقطۂ نظر میں کوئی تضاد ہو تو پھر اس پر زوروشور سے بحث ہونے لگتی ہے۔

تاہم جب بات اسرائیل کے مفادات یا مسلمانوں کے خلاف کارروائی کی آتی ہے تو شاید ہی کوئی بااثر گروپ ایسا ہو جو مخالف نقطۂ نظر پیش کرے۔ اس قسم کے فیصلے بعجلت اور بالاتفاق کیے جاتے ہیں اور ان پر فوراً عملدر آمد بھی کیا جاتا ہے۔ امریکی اور یورپی مسلمانوں کے لیے سرکاری پالیسی کی تشکیل اور اقتدار کی سیاست کے اس کھیل میں مراکز مفکرین (تھنک ٹینکس) اور ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں نے بھی خود اپنے فکری گروپ قائم کیے ہیں۔ (۱) تقریباً ہر مسلم تنظیم کے پاس ایسے مفکرین ہیں جو مسلسل لکھتے اور شائع کرواتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم اسکالرز کی طرف سے اسلامی موضوعات پر انگریزی زبان میں تحریروں کا دھماکہ ہو گیا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں پیش کیے جانے والے مقالات اور تحریریں اپنی نوعیت کے اعتبار سے تاریخی محسوس ہوتی ہیں جن میں گزشتہ کئی صدیوں کے واقعات کا تجزیہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنی بات یا تجویز کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے تاریخی واقعات سے سند لانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کہ مسلمانوں کے لیے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ ان کا عمل قرآن وسنت سے مطابقت رکھتا ہو، مسلم مفکرین کی نظریں مستقبل پر مرکوز ہوں، جوامہ کو بیسویں صدی میں لائیں اور پھر انھیں اکیسویں صدی کے لیے تیار کریں جو تیزی سے قریب آرہی ہے۔

بعض مسلمانوں کے خیال میں مسلمانوں کو پرانے مسائل میں الجھائے رکھنا ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا کیوں کہ، اس کا کم از کم جزوی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ حال اور مستقبل کے مسائل سے نمٹنے کے لیے غیر آمادہ رہ جائیں گے۔ یہ صحیح ہے کہ مغرب کے اخبارات اور ذرائع ابلاغ نے ہمعصر اسلامی مفکرین کے کام کو مکمل طور پر نظر انداز کیا ہے مگر مسلمانوں کو

Marfat.com

اس سے حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے۔ انھیں اعلیٰ معیار کے کام کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے اور اسے حکومتوں اور ذرائع ابلاغ تک پہنچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ امہ کو مالی امداد اور شراکت کے ذریعے اس قسم کے کام کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

۲۶۶۔ امریکی مسلمانوں کا ایک جائزہ:

واشنگٹن میں امریکن مسلم کونسل کے زیرِ اہتمام اکتوبر ۱۹۹۳ء میں "اسلام اور مغرب" کے موضوع پر منعقدہ کانفرنس نے ضمیر کو ٹٹولنے، ساکھ بنانے اور پالیسی تیار کرنے کے بارے میں مفید تجاویز پیش کی تھیں۔ اس امر کی نشان دہی بھی کی گئی تھی کہ مسلمانوں کو مندرجہ ذیل امور پر توجہ دینی چاہیے۔

(الف) انھیں یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ بیشتر ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے خلاف متعصبانہ سوچ رکھتے ہیں مگر انسانی حقوق (خواتین سے غیر منصفانہ سلوک، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، جمہوریت کا فقدان، مذہبی اقلیتوں سے سلوک، معروضی، کھلے مباحثے منعقد کرنے کی صلاحیت میں کمی، جذباتیت وغیرہ) کے بارے میں ان کی رپورٹنگ صحیح بھی ہوتی ہے۔

(ب) اس بات کا احساس رہنا چاہیے کہ مغرب، اس کے ذرائع ابلاغ اور امریکہ سب ایک ہی سانچے میں نہیں ڈھلے ہیں اور ان سب نے مسلمانوں کے تعلق سے اپنے ذہن کے دریچے بند نہیں کر لیے ہیں۔

(ج) ابلاغ کے ایسے ذرائع تلاش کرنے کی کوشش کریں جو مسلمانوں کی الجھنوں کو سمجھتے ہوں اور علم کے فروغ اور تہذیب کے ارتقا کے لیے مسلمانوں کی خدمات سمیت اچھی مثالیں قائم کر کے اور مثبت اطلاعات کی فراہمی کے ذریعے گروپ کے فروغ کے لیے ان کے ساتھ کام کریں۔

(د) مسلم اور مغربی معاشروں کی مشترکہ اقدار پر زور دیں جس میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے مشترکہ ضابطہ ہائے اخلاق بھی شامل ہیں۔

(ہ) "سیکولر بنیاد پرستی" کے مقابلہ کے لیے جس میں کسی بھی مذہب کی اقدار کا لحاظ نہیں کیا جاتا، مغرب کے مذہبی گروپوں کے ساتھ مل کر کام کریں۔

Marfat.com

(و) ذرائع ابلاغ پر یہ بات واضح کرتے رہیں کہ چند مسلمانوں کی دہشت گردانہ سرگرمیاں "اسلامی دہشت گردانہ سرگرمیاں" نہیں ہیں۔

(ز) اس امر کی نشان دہی بھی کرتے رہیں کہ انفرادی حیثیت میں مسلم ممالک کی ناقص حکمرانی کو عمومی اسلامی طرزِ عمل کی مثال نہیں بنایا جاسکتا اور مسلمان اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر حکومت کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔

(ح) اس امر کی نشان دہی کریں کہ نمائندہ حکومت اسلام کے لیے کوئی اجنبی تصور نہیں بلکہ پسندیدہ مقصد ہے۔

(ط) اس بات کی نشان دہی بھی کی جائے کہ اسلام کے تحت ہر انسان کے حقوق کے ساتھ ساتھ اس کے ذمہ دوسروں کے فرائض بھی ہیں۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو امریکہ سمیت مغربی حکومتوں کو (ان کے نمائندوں، ذرائع ابلاغ، مفکرین کے گروپوں وغیرہ کے ذریعے) اس بات پر قائل کرنا چاہیے کہ مغرب:

(الف) مسلم عوام کی رائے کا احساس کرے۔

(ب) چیدہ چیدہ اور بااثر افراد کے لیے، جو خود اپنے مسلم باشندوں کی اکثریت میں غیر مقبول ہیں، مداخلت نہ کرے۔

(ج) مسلمانوں میں آزادی کی گہری خواہش اور خود کو منوانے کے موجودہ جذبے کو سمجھے اور اس کی حمایت کرے۔

(د) ہر ہر بہانے مداخلت کرنے کے بجائے مسلمانوں کو خود اپنی غلطیوں سے سیکھنے کا موقع دے۔

(ہ) اس بات کو محسوس کرے کہ اپنی طاقت کے پیش نظر مغرب کو مسلمانوں سے خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے وہ دست تعاون دراز کرے اور

(و) اقتصادی پابندیوں اور فوجی مداخلت کے لیے صرف مسلمانوں ہی کو مخصوص نہ کرے۔

۲۶۷۔ فوجی تبدیلیاں:

مسلمان جانتے ہیں کہ انتہائی ترقی یافتہ فوجی ٹکنالوجی کو بدستور بے پناہ قوت حاصل ہے۔ اسرائیل اس کی ایک واضح مثال ہے۔ چین سے بھی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ جاننے کے

Marfat.com

باوجودکہ چین کے پاس ایٹمی ہتھیار موجود ہیں مغرب کے لیے چینی کنٹرول کے تحت نسبتاً تربیت یافتہ اور سخت محنتی عوام کی کثیر تعداد بھی متاثر کن ہے۔ مندرجہ ذیل تبدیلیوں کو مدنظر رکھنا اہم ہے۔

(الف) روس اور مشرقی یورپی ممالک نے خود اپنی اجتماعی سلامتی کا نظام (وارسا پیکٹ) توڑ ڈالا ہے اور اب "ناٹو" میں شمولیت کے آرزومند ہیں۔

(ب) امریکہ کی زیر قیادت مغرب نے پہلے ہی مکمل فوجی برتری حاصل کرلی ہے اور فوجی شعبوں میں اضافی تحقیق و ترقی کی بدولت ہر گھڑی مضبوط تر ہوتا جارہا ہے۔

(ج) بین الاقوامی امدادی ایجنسیاں ضرورت مند ممالک کے لیے اقتصادی امداد کا تعین کرتے وقت فوجی اخراجات کا بڑی سنجیدگی سے جائزہ لے رہی ہیں۔ اس سے اقتصادی اعتبار سے ضرورت مند ملکوں (ایران، شام، سوڈان، پاکستان) کے لیے فوجی طور پر بہت زیادہ مضبوط ہونا بے حد دشوار ہو جائے گا۔ چین اس سے بہر حال مستثنیٰ رہ سکتا ہے اور

(د) بھاری فوجی سامان کی تجارت پہ بڑی آسانی سے نظر رکھی جاسکتی ہے۔ مغرب ناموافق فوجی سودوں اور توازن میں ہونے والی تبدیلیوں کا سراغ بھی لگا سکتا ہے اور نسبتاً بڑی آسانی سے اس کی روک تھام بھی کر سکتا ہے۔

جیسا کہ اس کتاب میں پہلے زیر بحث آچکا ہے، اگر مسلمان دفاعی انداز اختیار کریں، تنازعات باہمی افہام و تفہیم سے طے کریں، فوجی اخراجات کا پوری گہرائی سے جائزہ لیں اور اسے درست کرلیں، ٹکنالوجی اور افرادی طاقت پر توجہ مرکوز کریں، عام فوجی تربیت کا اہتمام کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے وسائل کو مجتمع کریں یا کم از کم اپنے کاموں کو ایک دوسرے سے مربوط کریں تو پھر انھیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

۲۶۸۔ مستقبل میں ہونے والی جنگوں کے اسباب:

صدیوں تک جنگیں مذہب یا علاقے کے لیے زیادہ تر بادشاہوں کے درمیان لڑی جاتی رہیں۔ اس کے بعد بنیادی طور پر اقتصادی یا سامراجی وجوہ کی بنا پر قومی ریاستوں کے درمیان جنگیں لڑی گئیں۔ یہ سلسلہ بیسویں صدی میں بھی جاری رہا جب کہ اس میں نظریہ کا عنصر بھی

Marfat.com

شامل ہو گیا جس میں فسطائی، اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظریات شامل ہیں۔ زیادہ تر جنگوں میں معقول اور جائز سبب اور نظریاتی عنصر کار فرما رہا جو رہنماؤں کے لیے عوام میں تحریک پیدا کرنے کا آلہ بنا۔

مذکورہ بالا مذہبی جوش و خروش میں اضافے کی روشنی میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ امریکی نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ کے ایک حالیہ سروے کے نتائج کی رو سے انسٹھ فیصد امریکی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک تہائی افراد تو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا چند برسوں یا چند دہائیوں کے اندر ہی ختم ہو جائے گی جب کہ چوالیس فیصد اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ دنیا کا خاتمہ بائبل (مکاشفہ ۱۶:۱۶) کی پیشن گوئی کے مطابق جنگ مجدون نامی ایک جنگ عظیم کے نتیجے میں ہو گا۔ مسلمانوں کو بھی دنیا کے خاتمے کا وقت قریب ہونے کا یقین ہے۔ مشہور مسلم مفکر ابن کثیر (Ibn Kathir) نے رسول اللہ ﷺ کے فرمودات کی روشنی میں "علامات قیامت" ترتیب دی ہیں۔ بہت سے کٹر مسلمانوں کا کہنا ہے کہ قیامت کی بیشتر علامتیں مغربی معاشرے نے پوری کر دی ہیں۔

حقیقتِ معاد پر عقیدہ رکھنے والے عیسائی اور مسلمان دونوں ہی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ نیکی اور بدی کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ ہو گی جس میں نجات دہندہ (یسوع مسیح) شیطان کو شکست دیں گے۔

بعض سیاسی سائنس دانوں کے خیال میں مستقبل کی جنگیں مختلف تہذیبوں کے درمیان ہوں گی۔ مغربی طاقتوں کو امید ہے کہ مغربی تہذیب ایک متحدہ گروپ ہو گی۔ مسلم تہذیب کو ایک ممکنہ حریف کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ تیسری دنیا کی قومیں، جن میں چین، لاطینی امریکہ اور افریقہ کے عوام بھی شامل ہیں، دوسرے ممکنہ حریف ہیں۔ اس سلسلہ میں شمال، جنوب کی چپقلش کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔

امریکی حکومت کے ترجمانوں نے مستقبل میں تہذیبوں کے درمیان جنگ کے نظریہ کو بار بار مسترد کیا ہے۔ امریکہ کے خیال میں اگر مقابلہ واقعی ہو گا تو صرف "انتہا پسندی" سے ہو گا۔ وہ ایسی کسی بھی حکومت اور عوام کے ساتھ کام کر کے خوش ہوں گے جو (الف) عوام کا

Marfat.com

استحصال ختم کرنے کے حامی ہوں (ب) سیاسی شرکت کا دائرہ وسیع کرنا چاہتے ہوں اور (ج) مقامی، علاقائی یا بین الاقوامی تنازعات کے حل میں دلچسپی رکھتے ہوں۔

امریکہ کے متعدد مسلم حکومتوں اور عوام کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ وہ سعودی عرب کی حمایت میں جنگ میں کود پڑا۔ امریکہ متعدد مسلم ممالک کو اپنے معاشروں اور معیشتوں کی تعمیر کے لیے مدد بھی دے رہا ہے۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ تنازعات کا تصفیہ کرانے کی متعدد کوششیں بھی کی ہیں جن میں عرب۔ اسرائیلی تنازعہ بھی شامل ہے جس کے نتیجے میں ہر فریق کے لیے غیر ملکی امداد کے بہت بڑے پیکیج کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔

امریکہ نے اپنے عالمی مفادات سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اگر کسی کے مفادات اس کے اپنے مفادات سے براہ راست متصادم ہوں تو پھر ظاہر ہے امریکی حکومت اپنے مفادات کے تحفظ کو ہی اولین ترجیح دیتی ہے۔ امریکہ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ اس کی کسی پالیسی کا مقصد مسلمانوں کو کچلنا یا انھیں متحد ہونے سے باز رکھنا ہے۔

او آئی سی کے رکن ممالک میں آباد مسلمان صرف اسی صورت میں نشانہ بننے کا خدشہ محسوس کر سکتے ہیں جب خود انھیں خطرہ تصور کیا جائے۔ ایران، عراق، لیبیا، الجزائر اور فلسطین کے عوام پہلے ہی جنگوں یا مقاطعات کا سامنا کر چکے ہیں۔ سوڈان اور وقتاً فوقتاً پاکستان بھی تصادم کی راہ پر گامزن نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ مغرب کے نقطۂ نظر سے ایک "اچھا مسلم ملک" ہونے کے باوجود انڈونیشیا کی چھان بین میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے اقتصادی ترقی پر زور دیا ہے، غیر مسلم اقلیتوں سے اچھا سلوک کیا ہے اور مذہب کو سیاست سے الگ رکھا ہے۔ تاہم اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ پرتگال کے ساتھ حق خود ارادیت کے ذریعے مشرقی تیمور کا مسئلہ حل کرے۔ اس کے علاوہ اسے ٹکنالوجی پر ہونے والے اخراجات کم کرنے کا مشورہ بھی دیا جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ صرف وہی مسلمان آویزش سے محفوظ رہ سکتے ہیں جو تقریباً ہر نکتے پر مغرب سے متفق ہوں مثلاً مصر، سعودی عرب اور دیگر اقتصادی اتحادی اور / یا فوجی طور پر دست نگر مملکتیں۔ ترقیاتی مسائل پر توجہ مرکوز کرنے والے مسلم رہنما مثلاً ملائیشیا یا دیگر

Marfat.com

ایسے چند ایک ملک جو اقتصادی یا فوجی لحاظ سے قابل ذکر اہمیت نہیں رکھتے کم از کم کچھ عرصے تک یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ انھیں نہیں چھیڑا جائے گا۔

حالات اور اسباب سے قطع نظر مستقبل میں مغرب اور مسلمانوں کے درمیان کسی بھی تصادم کا نتیجہ شدید مشکلات اور مصائب کی شکل میں برآمد ہو گا۔ کسی بھی جدوجہد کی خاطر جنگ آزمائی کرنے والوں کے لیے تمام مسائل کا اچھی طرح اور خوب سوچ سمجھ کر جائزہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ یہ یقین کیا جا سکے کہ جنگ کا جواز موجود ہے۔ جنگ کے بارے میں اس وقت تک سوچنا بھی نہیں چاہیے جب تک اختلافات طے کرنے کے لیے تمام ذرائع استعمال نہ کر لیے جائیں۔ حالات کے تحت اس بات کا امکان کم ہے کہ مسلم اور عیسائی اس نتیجے پر پہنچیں کہ ان کے درمیان وسیع پیمانہ پر جنگ کا جواز موجود ہے خواہ اس کا کوئی بھی سبب کیوں نہ ہو۔

۲۶۹۔ مفتوحہ علاقوں کا مستقبل:

نو آبادیاتی دور میں مفتوحہ علاقوں کو فاتح کی املاک تصور کیا جاتا تھا جن پر وہ غیر معینہ عرصہ تک قابض رہا کرتے تھے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد کے عہد میں مغرب میں عام طور پر مفتوحہ علاقوں پر مستقل قبضے کا رواج نہیں ہے۔ نئے عالمی نظام کے تحت سابقہ رواج کی طرف لوٹنے کی راہ میں حائل سب سے اہم عنصر غیر مستحکم علاقوں میں الجھ جانے کا خوف ہے جس کا نتیجہ مالی بوجھ اور ممکنہ جانی نقصان کی شکل میں برآمد ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس نظریہ کا اطلاق کم آبادی والے صحرائی علاقوں یا وافر مقدار میں تیل کے ذخائر یا قدرتی وسائل رکھنے والے ساحلی علاقوں پر نہ ہو۔ اگلی مرتبہ ممکن ہے کہ عراق یا کویت کے حصے فاتحین اتنی جلد خالی نہ کریں جتنی جلدی انھوں نے گزشتہ بار خالی کر دیے تھے۔ مسلمانوں کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ کھیل کے پرانے ضابطوں پر ہی عمل ہوتا رہے گا۔ یہ تو فاتح کی خواہش پر منحصر ہے۔

۲۷۰۔ مغرب میں رہائش پذیر مسلمانوں پر مرتب ہونے والے اثرات:

اگر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی ٹکراؤ ہوا تو غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں پر بھی اس کے ناموافق اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ مشکلات سے بچنے کے لیے

Marfat.com

مسلمانوں کو اپنے ملکوں میں سیاسی طور پر مضبوط ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ سیاسی اور پر امن ذرائع سے اپنے مفادات کا تحفظ نہیں کر سکتے تو پھر وہ غیر مسلموں کے ناخوشگوار رد عمل سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں مختلف ادوار میں مساجد اور گھروں پر حملوں، ملازمتوں میں تفریق، مقامی پولس کی طرف سے ڈرانے دھمکانے اور اسکولوں میں مسائل حتیٰ کہ نسلی تطہیر کے واقعات پہلے ہی رونما ہو چکے ہیں۔ ایسے ہی واقعات دوسرے مقامات پر اور پہلے سے زیادہ شدت اور تواتر کے ساتھ پیش آ سکتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے جو اپنے دفاع کے لیے ووٹنگ کی طاقت حاصل کرنے اور مقامی نظام قانون کے تحت فراہم کیے جانے والے تحفظات سے پوری طرح استفادہ کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ بعض مسلمان مدد کے لیے غیر مسلم اداروں سے رجوع کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

(ب) مشرق وسطیٰ:

۲۔۷۱ پی ایل او، اسرائیلی معاہدہ:

فلسطین کی تنظیم آزادی اور اسرائیلی حکومت کے درمیان سمجھوتے اور اس کے بعد صدر کلنٹن کی بھرپور حمایت کے نتیجے میں ستمبر ۱۹۹۳ء میں وہائٹ ہاؤس میں تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ اس نے بڑی امید پیدا کر دی ہے۔ ہنری کسنجر سمیت تمام تجزیہ نگاروں اور صدر حسنی مبارک جیسے مضبوط حامیوں نے اس سمجھوتے پر عملدر آمد کے طویل اور تکلیف دہ طریقہ کار کی پیشن گوئی کی ہے۔ بیشتر اہم مسائل ابھی تک حل نہیں ہو سکے ہیں جن میں فلسطینی مہاجرین کی واپسی، مقبوضہ علاقوں میں اسرائیلی آباد کاروں کے حقوق، مقبوضہ بیت المقدس کی حیثیت، پانی کے کمیاب وسائل میں شراکت اور قومی سرحدوں کے تعین کے مسائل شامل ہیں۔ مالدار عرب ممالک سے ملنے والی مالی امداد میں کمی کی وجہ سے پی ایل او شدید مالی تنگی سے دوچار ہو سکتی ہے جب کہ برسوں سے جاری انتفادہ کی بنا پر اسرائیل کے حوصلے پست پڑ سکتے ہیں۔ تاہم دونوں فریق ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں اور مفاہمت کے اس عمل میں پیش پیش رہنماؤں کو امن کے نوبل انعام سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ امن اور تعاون کے لیے اس سے بہتر فضا کبھی نہیں بنی۔

Marfat.com

فلسطینیوں کو تھوڑی بہت زمین واپس مل چکی ہے اور اسے ترقی دینے کے لیے کچھ مالی امداد بھی اگر قیام امن کے عمل کو دونوں فریقوں یا سمجھوتے کے مخالف عربوں اور اسرائیلیوں سے نقصان نہ پہنچا تو آخر کار فلسطینیوں کو اور زیادہ امداد بھی مل سکتی ہے۔ متعدد مسلم حکومتوں اور عوام کی کھلی حمایت کے باوجود بہت سے مسلم ملکوں نے اس سمجھوتے کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے بلکہ اس کی مخالفت بھی کی ہے۔ شام، لیبیا، ایران، حماس اور خود پی ایل او کے متعدد دھڑے بھی خوش نہیں ہیں۔ اسرائیل میں بھی تقریباً تمام یہودی آباد کار، بہت سی کٹر مذہبی جماعتیں اور "لیکد" (قدامت پسند پارٹی) اس کے سخت خلاف ہیں۔ دونوں طرف کے بعض لوگ بڑی شد و مد سے اس معاہدہ کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں۔

۲۷۲۔ اردن، اسرائیل معاہدہ:

مشرق وسطیٰ میں اگلا اہم واقعہ جولائی ۱۹۹۴ء میں اس وقت پیش آیا جب شاہ حسین اور وزیر اعظم اسحاق رابن نے "اعلان واشنگٹن" پر دستخط کیے۔ اس کے بعد اکتوبر ۱۹۹۴ء میں اردن۔ اسرائیل سرحد پر صدر کلنٹن کی موجودگی میں ایک اور معاہدے پر دستخط ہوئے۔ دونوں ملکوں نے حالت جنگ ختم کرنے پر اتفاق کیا۔ کچھ لوگوں کے خیال میں جو بات کئی برسوں سے ایک حقیقت بن چکی تھی اسے اس معاہدے کے ذریعے باضابطہ شکل دے دی گئی ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو، یہ اعلان امن کے عمل کو آگے ضرور بڑھاتا ہے۔

۲۷۳۔ مشرق وسطیٰ میں مکمل امن؟

پی ایل او۔ اسرائیلی سمجھوتے کے نتیجے میں پورے مشرق وسطیٰ میں "قیام امن" کی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں۔ اسرائیل نے عراق اور لیبیا کے سوا دوسرے تمام عرب ملکوں سے سفارتی رابطے قائم کر لیے ہیں۔ تقریباً سارے ہی عرب ملکوں نے اسرائیل کو مشرق وسطیٰ کا ایک مستقل حصہ تسلیم کر لیا ہے۔ خلیج تعاون کونسل نے (جو سعودی عرب، کویت، اومان، قطر، بحرین اور متحدہ عرب امارات پر مشتمل ہے) اسرائیل کے خلاف اقتصادی بائیکاٹ کے زیادہ تر پہلو ختم کر دیے ہیں۔

Marfat.com

شام اور لبنان بھی اسرائیل کے ساتھ امن کے ایک جامع سمجھوتے کے لیے مذاکرات کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ عام خیال یہی ہے کہ شام کی شرکت کے بغیر پائیدار امن کا قیام ممکن نہیں ہے۔ تشدد کی کچھ کارروائیوں کے باوجود بہت سے اسرائیلی شہری، جو پی ایل او کے ساتھ معاہدۂ امن کے بارے میں شکوک و شبہات رکھتے تھے۔ آہستہ آہستہ اپنی سوچ بدل رہے ہیں۔

امریکہ میں بیشتر یہودی قیام امن کے عمل کے حامی ہیں۔ یہ بات صاف طور پر نظر آرہی ہے کہ وہ عرفات کے مقابلے میں شاہ حسین سے زیادہ اطمینان اور عافیت محسوس کرتے ہیں۔

۲۷۴۔ فلسطین میں حقیقی امن کے ممکنہ اثرات:

"مشرق وسطیٰ میں امن کا حصول: اقتصادی تبدیلی کا خاکہ" کے موضوع پر ایک حالیہ رپورٹ میں، جو چونتیس اسرائیلی، اردنی، فلسطینی اور امریکی ماہرین اقتصادیات کے ایک گروپ نے (جن کا تعلق ہاورڈ اور ایم آئی ٹی سے تھا) تیار کی تھی، اس منظر نامے کی نشان دہی کی گئی تھی جو موجودہ مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ پٹی کو خرید و فروخت صنعت اور سیاحت کے مراکز میں تبدیل کر سکتا ہے۔ ان میں دو ماہرین اقتصادیات، ہاورڈ کے لیونارڈ ہازمین اور ایم آئی ٹی کے لسٹر تھیورو نے یکم اگست ۱۹۹۳ء کے "واشنگٹن پوسٹ" میں لکھا کہ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات لازمی ہوں گے:

(الف) علاقے میں اسرائیلی منتظمین کی جگہ عربوں کا تقرر اور منظم طریقے سے انتقال اقتدار کے ذریعے نظم و نسق کے موجودہ نظام کی اصلاح۔

(ب) نئے بینکوں کے قیام اور موجودہ بینکوں کی توسیع کے ذریعے قرضوں کی فراہمی۔

(ج) فلسطینی محنت کشوں کے لیے نئی ملازمتوں کے ذریعے اور اسرائیل میں ان کے لیے ایک لاکھ ملازمتیں مخصوص کر کے (جیسا کہ حالیہ پابندیوں کے نفاذ تک ہو تا رہا تھا) ملازمتوں اور روزگار کے مواقع کی فراہمی۔

(د) علاقے میں سامان، خدمات اور سرمایہ کے لیے آزاد تجارتی زون کا قیام۔

(ہ) آب رسانی اور ذرائع مواصلات سمیت اساسی منصوبوں کے لیے غیر ملکی امداد کا حصول۔

Marfat.com

(و) مغربی کنارے اور غزہ پٹی کی مربوط معیشت کا اہتمام۔

عام خیال یہی ہے کہ اس قسم کی تبدیلیاں لانا کوئی آسان کام نہیں ہے مگر یورپ اور ایشیا میں گزشتہ جنگوں کے حریفوں کے مابین تعاون کو مدنظر رکھا جائے تو پھر امن قائم ہونے کے بعد ہر بات ممکن ہے۔ فلسطین کے اعلیٰ درجے کے محنت کش، اسرائیلی ٹکنالوجی اور بیرونی سرمایہ اسے ممکن بنا سکتے ہیں۔

۲۷۵۔ مسلمانوں اور اسرائیلیوں کے مابین مشترکہ منصوبے:

بعض عربوں اور اسرائیلیوں کے درمیان خفیہ رابطوں، اقتصادی تعاون اور سیاسی جوڑ توڑ کی افواہیں تو طویل عرصے سے گشت کر رہی ہیں۔ ایشین وال اسٹریٹ جرنل نے ۸ر فروری ۱۹۹۴ء کو اسلحے کے معروف سعودی تاجر اور سرمایہ کار عدنان خشوگی کے ذریعے ان رابطوں کی خبر شائع کی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ خشوگی نے اسرائیلیوں کے ساتھ رابطے ۱۹۶۷ء سے استوار کر رکھے تھے اور اس کا علم مسلم حکومتوں کے بہت سے رہنماؤں کو بھی تھا۔ اس کا اصل شریک کار یعقوب نمرودی اسرائیل کا مشہور جاسوس اور اسلحے کا بیوپاری بھی ہے۔ نمرودی نے اسرائیل کے خفیہ فوجی اتاشی کی حیثیت سے ۱۴ سال ایران میں گزارے۔ اس نے شاہ کی انٹیلی جینس ایجنسی بنائی اور ایران کو اسلحے کی فروخت پر سالانہ ۲۵۰ ملین ڈالر کمیشن بھی وصول کیا۔ خبروں کے مطابق اس وقت وہ غزہ میں سرمایہ کاری کے لیے اسرائیلی تاجروں کے ساتھ تجاویز کی تیاری میں مصروف ہے۔ ماضی میں خشوگی کی سرگرمیوں کے بارے میں مسلمانوں کی رائے کچھ بھی سہی مگر مستقبل میں مسلمانوں اور اسرائیلیوں کے مابین اس قسم کے تعاون کی مزید مثالیں بھی سامنے آسکتی ہیں۔

۲۷۶۔ غزہ اور مقبوضہ علاقوں کی ترقی:

یہ کام وقت طلب اور سخت کٹھن ثابت ہوگا۔ فلسطین کی عبوری حکومت پہلے ہی بہت سے ترقیاتی اور متعلقہ مسائل سے دوچار ہے۔ امید ہے کہ پی ایل او ان مسائل کو اور دوسرے مسائل کو بھی جوں جوں وہ سامنے آتے جائیں گے حل کرلے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھیں کچھ فنی اور مالی امداد بھی ملتی رہے گی۔ تاہم اصل بوجھ تو فلسطینیوں کے کندھوں پر ہی ہے۔

Marfat.com

پی ایل او اور اسرائیل میں حکمراں لیبر جماعت، دونوں ہی کے سیاسی مخالفین نے یہ سمجھوتہ خاموشی سے قبول نہیں کیا۔ اسے سبوتاژ کرنے کی بہت سی کوششیں ہو چکی ہیں اور آئندہ بھی متوقع ہیں۔ بہت سے جذباتی مناظر بھی سامنے آسکتے ہیں اور جانیں بھی ضائع ہو سکتی ہیں۔ اللہ امن کا حقیقی جذبہ اور طلب رکھنے والوں کو کامیاب کرے۔

۲۷۷۔ مقبوضہ علاقوں کے آباد کار:

مقبوضہ علاقوں میں یہودی آباد کار مشکل ترین مسئلہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ پی ایل او نے مبینہ طور پر عندیہ تو دیا ہے کہ آباد کار نئی فلسطینی حکومت کے زیر تحفظ رہنا چاہیں تو ان کا خیر مقدم کیا جائے گا مگر آباد کار اور اسرائیل کی حکومت اسے ناممکن سمجھتے ہیں اور ان کا مطالبہ ہے کہ انھیں اسرائیلی فوج کا تحفظ فراہم کیا جائے۔ یہ مسئلہ اور اسی طرح اضافی اسرائیلی بستیوں کی تعمیر کا مسئلہ بھی حد درجہ اشتعال کا باعث ہے۔

مصر۔ اسرائیل کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے وقت سنائی میں یہودی آباد کاروں کے ساتھ کیے جانے والے انتظامات ایک نمونہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان آباد کاروں کو بس ان کے اثاثوں کا معاوضہ ادا کر دیا گیا تھا اور انھیں اسرائیل منتقل کر دیا گیا تھا۔ تاہم ان کی منتقلی کا منظر بڑا گھناؤنا تھا۔ روانگی سے قبل انھوں نے یہ بستیاں بلڈوزر کے ذریعے تباہ کر دی تھیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ معاوضے کی خطیر رقم کی ادائیگی کون کرے گا؟ اس بات کا امکان نہیں ہے کہ امریکہ اتنی مدد کرے گا جتنی اس نے سنائی میں کی تھی۔ تیل پیدا کرنے والے مالدار عرب ملکوں کو جنگ خلیج اور بعد از جنگ اثرات نے کھوکھلا کر ڈالا ہے اور وہ ادائیگی کرنا چاہیں بھی تو ان کے پاس اس کے لیے رقم موجود نہیں ہے۔

مغربی کنارے اور غزہ پٹی کے مسائل اس سے کہیں زیادہ دشوار ثابت ہو سکتے ہیں۔ بہت سے یہودی بائبل کی رو سے اس سرزمین پر اپنا حق جتاتے ہیں اور وہ کسی قیمت پر یہاں سے ہٹنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ اگر وہ اس پر تیار ہو بھی گئے تو ابتدائی تخمینوں کے مطابق ان کی منتقلی پر دس ارب ڈالر کے اخراجات متوقع ہیں۔ علاقے میں کسی کے پاس اتنی رقم فاضل نہیں ہے۔ لہٰذا امریکہ، یورپ اور دیگر ممالک کو ہی بھاری رقوم فراہم کرنا پڑیں گی۔

Marfat.com

(ج) دیگر مسلمانوں کے ساتھ مصالحت:

۲۷۸۔ دیگر مقامات کے مسلمانوں پر اس کے اثرات:

"مشرق وسطیٰ میں امن" کا ایک ضمنی اثر تو امریکہ میں پہلے ہی نمایاں ہو چکا ہے۔ مثال کے طور پر جیوری کے انتخاب کا عمل جاری ہونے کے باوجود ہر گھنٹے نشر ہونے والی خبروں اور اخباری رپورٹوں میں نیویارک ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر بم دھماکے سے متعلق مقدمہ کے بارے میں اور مبینہ مسلم دہشت گردوں سے متعلق تبصروں کی بھرمار کم ہو گئی۔ اسی طرح شیخ عبدالرحمن کے مقدمے کے بارے میں اشتعال اور برہمی کی کیفیت بھی کم ہو گئی۔ یوں لگتا ہے کہ امریکی ذرائع ابلاغ نے مسلمانوں کے خلاف الفاظ کی جنگ کی شدت کم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ فلسطین کا مسئلہ بہر حال مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تصادم کا بنیادی سبب بنا رہا ہے۔

دریں اثنا پاکستان کے ذرائع ابلاغ کے مطابق امریکہ کی طرف سے بھارت کے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے منصفانہ اور مساویانہ موقف اختیار کیا جا رہا ہے۔ بھارتی وزیر خارجہ نے بھی مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے پاکستان کے ساتھ (پی ایل او۔ اسرائیل طرز کی) خفیہ بات چیت کے امکان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مذہبی قوم پرست ہندو پارٹی بی جے پی نے بہر حال اس خیال کی مذمت کی ہے۔

مسلمانوں اور غیر مسلموں (یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں) کے درمیان مصالحت کی کوشش ایک خوش آئند تبدیلی ہے۔ اگر قیام امن کا عمل جاری رہا تو شاید اب مسلمانوں کو نشانہ نہ بنایا جائے۔

> "وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔" (سورۃ ۲:۱۱۷)

۲۷۹۔ مسلم اتحاد نیز مغرب سے بہتر تعلقات:

حقیقی معنوں میں ایک نئے عالمی نظام کے تحت یہ دونوں ہی صورتیں رونما ہو سکتیں ہیں۔ اس کا مطلب ہوگا مغرب کی عدم مداخلت اور مسلمانوں میں مکمل تعاون۔ اس سے وہ اسلامی ماحول جنم لے گا جس کا خواب مسلمان دیکھتے رہے ہیں اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر اس کے مثبت

Marfat.com

اثرات مرتب ہوں گے۔ایسی صورت میں مسلمان مندرجہ ذیل توقعات رکھ سکتے ہیں:

(الف) اتحاد کی بے شمار برکتوں سے فیض یابی مسلمانوں کو تقسیم کرنے والے متعدد مسائل یا تو حل ہو جائیں گے یا ان سے پرامن ماحول میں نمٹا جائے گا۔

(ب) مسلمانوں کے لیے بین الاقوامی امن: اپنے ساتھی مسلمانوں کی جانب سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔اور غیر مسلموں سے کہیں کم خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(ج) عوام کی خواہش کے مطابق اور بیرونی جوڑ توڑ یا مداخلت کے بغیر داخلی حکومتوں کی پرامن سیاسی اور اقتصادی تبدیلی۔

(د) حکومتوں کی فلاح کے بجائے خود کو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دینے والی مقامی حکومتیں۔

(ہ) اقتصادی ترقی پر توجہ کا ارتکاز۔

(و) مثبت کردار ادا کرنے والی مسلح افواج تیار کرنے پر زور جو قومی تعمیری سرگرمیوں میں شرکت کریں اور حقیقی معنوں میں دفاعی صلاحیت رکھتی ہوں۔

(ز) تمام اسلامی فرقوں کے پیروکاروں اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لیے مذہبی رسوم پر عمل کی آزادی۔

(ح) اقتصادی، سیاسی اور فوجی شعبوں میں اصلاحات پر زور جس میں تبدیلی کا انحصار خارجی کے بجائے داخلی عوامل پر ہو۔

اگر مشرق وسطیٰ میں حقیقی امن قائم ہو جائے تو مسلمان ملکوں میں مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچے گا۔زیریں صحارا کے افریقی اور ایشیائی ممالک میں طویل عرصے تک غربت کا راج رہنے کا امکان ہے۔ وہاں بنیادی انسانی ضروریات بڑی حد تک پوری نہیں ہو سکی ہیں۔ کلاں (میکرو) اقتصادی اصلاحات کے عمل کو ادارہ جاتی، قانونی اور مالی شعبوں میں اصلاحات کے ساتھ ساتھ جاری رکھنے کی ضرورت ہو گی۔ مسابقت اور سرمایہ کاری بھی درکار ہو گی۔ مقامی طور پر اس عمل کی زیادہ ضرورت پڑے گی۔ سرکاری شعبے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ڈھانچے کو باضابطہ بنانے کا اہتمام کرے، اساسی ڈھانچے اور انسانی وسائل

Marfat.com

کی ترقی کے لیے سرمایہ کاری کرے اور جو شہری اپنی دیکھ بھال کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لیے فلاحی پروگراموں کا بندوبست کرے۔

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور سری لنکا کے مسلمان بڑی حد تک علاقائی مسائل کی وجہ سے مشکلات سے دوچار ہیں جن میں سے بیشتر مسائل کے ڈانڈے تاریخی اعتبار سے برطانیہ سے ملتے ہیں۔ مغرب اس وقت بھارت میں مساجد، کشمیر اور بنگلہ دیش پر اثرانداز ہونے والے فرخابند، میانمار سے مسلمانوں کے اخراج اور سری لنکا میں خانہ جنگی کے مسائل میں الجھنے سے گریز کر رہا ہے۔ یہ خود ان ملکوں کا کام ہے کہ وہ یہ مسائل حل کریں۔ ان میں سے ہر ملک میں مذہبی منافرت اور عدم رواداری بڑھتی جا رہی ہے۔

اگر مسلمان غیر متحد بھی رہیں لیکن مغرب سے اپنے تعلقات بہتر بنالیں تو ایسی صورت میں بیرونی ممالک سے ان کے خلاف اشتعال انگیزی اور حملوں میں کمی آ جائے گی۔ مسلم ملکوں کے ساتھ بھی دیگر ترقی پذیر ممالک جیسا سلوک کیا جائے گا۔ ترقی کرنا اور اپنے مسائل حل کرنا خود ان ہی پر منحصر ہو گا۔

فیصلہ کن مستقبل: اس دنیا میں مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے وقت مسلمانوں کو اپنے فیصلہ کن مستقبل کا بھی احساس رہتا ہے...... یوم حساب جب نیکوکاروں کو انعام سے نوازا جائے گا۔

"یقیناً قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، اس کے آنے میں کوئی شک نہیں، مگر اکثر لوگ نہیں مانتے۔" (سورۃ: ۴۰:۵۹)

حواشی

(۱) (منارہ آزادی انسٹی ٹیوٹ، بیتھسڈا، میری لینڈ اور انڈیل، ورجینیا میں یونائیٹڈ ایسوسی ایشن برائے مطالعہ و تحقیق، واشنگٹن ڈی سی کے علاقے میں مفکرین کے دو اہم گروپ ہیں۔ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ، ہرنڈون، ورجینیا، علوم کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لیے سرگرم عمل ہے)۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱۷

مسلم نشاۃ ثانیہ

۲۸۰۔ یورپی نشاۃ ثانیہ:

نشاۃ ثانیہ کا مطلب ہے دوبارہ جنم لینا یا احیا۔ یورپی تاریخ میں یہ اس عہد سے عبارت ہے جو چودھویں صدی میں شروع ہو کر تقریباً تین صدیوں تک برقرار رہا جس میں مطالعہ، علم اور دانش کو بڑا فروغ ملا۔ اس دور میں یونانی، رومی اور اسلامی تہذیبوں کے مطالعہ پر توجہ مرکوز کی گئی۔ سائنس دانوں اور مفکرین نے اپنے اردگرد بکھرے ہوئے روزمرہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے ادب، فنون لطیفہ اور سائنس کے شعبوں میں کمال حاصل کیا۔ ایک اطالوی فرانسسکو پٹرارک (۷۴۔۱۳۰۴ء) نے انسان دوستی کی تحریک شروع کی جو عالم انسانیت کو درپیش مسائل کے لیے وقف تھی۔ ایک انگریز سر تھامس مور (۱۵۳۵۔۱۴۷۸ء) نے "یوٹوپیا" نامی کتاب تحریر کی جس میں ایک ایسے مثالی معاشرے کی تصویر کھینچی گئی تھی جس میں ناانصافی، جنگ اور جہالت کا کوئی وجود نہیں تھا۔

ایک فرانسیسی مونٹینی (۹۲۔۱۵۳۳ء) نے "مضامین" تحریر کیے جن میں وہ اخلاقی اصول بیان کیے گئے تھے جن کے مطابق انسانوں کو اپنی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ ایک اور انگریز

Marfat.com

شیکسپیئر (۱۶۱۶۔ ۱۵۶۴ء) نے ایسے ڈرامے اور نظمیں لکھیں جن میں افراد اور معاشرے کے مسائل کو اجاگر کیا گیا تھا۔

اس عہد نے عظیم فنکار، مصور، مجسمہ ساز، ماہرین تعلیم اور موسیقار پیدا کیے۔ عوام کی ہمت افزائی کی گئی کہ وہ سائنس کا مطالعہ کریں، اپنے ذہنی افق کو وسیع کریں اور ان سائنسی قوانین کا پتہ چلائیں جو اللہ کی کائنات کے نظم و ضبط کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ پولینڈ کے ماہر علم نجوم کوپرنیکس (۱۵۴۳۔ ۱۴۷۳ء) نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ سورج نظام شمسی کا مرکز ہے اور زمین ان متعدد سیاروں میں سے محض ایک سیارہ ہے جو سورج کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ گلیلیو (۱۶۴۲۔ ۱۵۶۴ء) نے آسمانوں کا مشاہدہ کرنے کے لیے دوربین تیار کی۔ ولیم ہاروے (۱۶۵۷۔ ۱۵۷۸ء) نے یہ دریافت کیا کہ خون جسم میں گردش کرتا ہے۔ سر آئزک نیوٹن (۱۷۲۳۔ ۱۶۴۲ء) نے کشش ثقل کا قانون دریافت کیا جس سے یہ واضح ہو گیا کہ مادی اجسام ایک دوسرے کے لیے کشش کا باعث ہوتے ہیں۔ اس دور میں طباعت اور جہاز رانی کو ترقی ملی اور مغربی کرۂ ارض دریافت ہوا جس میں امریکہ بھی شامل ہے۔ شہروں کی ترقی کے علاوہ غذائی پیداوار میں بھی اضافہ ہوا۔ کیتھولک چرچ کی اصلاح اور اس کے اختیارات میں کمی کی تحریک بھی اسی عہد میں جنم لے رہی تھی۔

یورپی نشاۃ ثانیہ دور جدید کی نقیب تھی جس کے نتیجے میں اس مغربی تہذیب کو عروج حاصل ہوا جسے ہم جانتے ہیں۔ قدیم یونانی اور رومی ثقافتوں کے زوال کے بعد یورپی نشاۃ ثانیہ نے یورپ کو تہذیب سے روشناس کرایا جو ہمیشہ وحشی اور غیر مہذب تصور کیا جاتا رہا تھا۔ بہت سے مفکرین کے خیال میں حکومتوں کی بے اعتدالیاں، چرچ سے غیر مطمئن ہونا اور ایک مخالف مذہب، اسلام، کا خطرہ یورپی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنا۔

۲۸۱۔ اسلامی نشاۃ ثانیہ کی ضرورت:

اسلامی تہذیب کے زوال پذیر ہونے کے بعد سے مسلمان بھی ایسے ہی احیا کے آرزومند رہے ہیں۔ چودھویں صدی کے یورپی عوام کی طرح مسلمان بھی اپنی بدعنوان اور نااہل حکومتوں سے مایوس ہیں، اپنے مذہبی رہنماؤں کی کارکردگی سے غیر مطمئن ہیں اور مغرب کی

Marfat.com

بالادستی اور گھمنڈ پر تذلیل محسوس کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو بہر حال اس کا یقین ہے کہ تمام مطلوبہ علم ان کے لیے قرآن میں موجود ہے۔ انھیں اس بات پر کوئی تشویش نہیں ہے کہ وہ اس کے بیشتر معانی و مطالب کو، خصوصاً سائنسی اور فنی نقطۂ نظر سے، سمجھنے سے قاصر ہیں۔ تحقیق کے نتیجے میں، جو زیادہ تر مغربی ملکوں میں ہی کی گئی ہے، قرآن میں مذکور تصورات پر غور وفکر کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے اس کے عملی اطلاق کا ابھی تک جائزہ لیا جا رہا ہے۔

بعض لوگوں کے خیال میں متعدد جھٹکوں کے بعد اسلامی نشاۃ ثانیہ پہلے ہی شروع ہو چکی ہے۔ جیمز پی پسکی ٹوری نے اپنی کتاب "قومی ریاستوں کی دنیا میں اسلام" میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے متعدد اسباب کا ذکر کیا ہے جن میں مندرجہ ذیل اسباب بھی شامل ہیں۔

(الف) اسرائیل کے ساتھ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں مصر، شام اور اردن کی شکست سے نہ صرف عربوں بلکہ تمام مسلمانوں کو روحانی، سیاسی، اقتصادی اور فوجی دھچکہ لگا جو بیت المقدس کھو بیٹھے۔

(ب) ترقیاتی عمل نے تیز رفتار ذرائع مواصلات اور داخلی اور بین الاقوامی معلومات کی ترویج واشاعت کے ذرائع فراہم کر دیے۔

(ج) جدید طرز حیات نے مسلم معاشروں کے سماجی اور ثقافتی ڈھانچے کو کمزور کر دیا ہے جس کی وجہ سے روایتی علامتوں اور رسوم کی طرف پلٹنے کے لیے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔

(د) سیاسی ترقی کے حالات نے (جو مکمل جمہوری سے کم ہیں) ایک سیاسی نظریے کے طور پر اسلام کی اہمیت بڑھا دی ہے اور حکمرانوں کو اپنا اقتدار جاری رکھنے کا جواز فراہم کرنے کے لیے مذہب کا نام استعمال کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ (۱)

اسباب پیچیدہ مگر احیا اسلام کے مظاہر واضح ہیں۔ ان کا اندازہ اسلام کے حیرت انگیز فروغ اور مغرب و مشرق دونوں میں قبول اسلام کی شرح، ایرانی انقلاب، ہر سال فریضہ حج ادا کرنے والے مسلمانوں کی کثرت الجزائر اور ترکی میں سیاسی انتخابات کے نتائج اور نماز جمعہ کے

Marfat.com

اجتماعات میں مسلمانوں کی کثرت سے لگایا جاسکتا ہے۔ دیگر مظاہر میں:

(الف) افغانستان کی جنگ میں سوویت اور افغان کمیونسٹوں کے خلاف مسلم مجاہدین کی کامیابی۔

(ب) اسرائیل کے خلاف پتھراؤ کرنے والے فلسطینیوں (انتفادہ) کی کامیابی۔

(ج) متعدد مسلم ممالک میں مغربی طاقتوں کی واضح دلچسپی، مداخلت اور کنٹرول۔

(د) وسیع پیمانہ پر دعوتی کام اور متعدد زبانوں میں اسلامی لٹریچر اور دیگر ذرائع ابلاغ کی دستیابی شامل ہیں۔

جیسا کہ اس کتاب میں پہلے کہیں ذکر کیا جاچکا ہے، گزشتہ پچاس سال کے دوران میں چالیس سے زائد مسلم ملکوں نے اپنے نوآبادیاتی آقاؤں سے آزادی حاصل کی ہے۔ اپنی موجودہ کم شرح خواندگی کے باوجود مسلمانوں نے تعلیم، سائنسی علم اور نئے علم کے استعمال اور قومی تعمیر پر بڑی توجہ دی ہے۔ گھر، اسکول اور یونی ورسٹی میں مسلم نوجوان دینی تعلیم کی طرف راغب ہورہے ہیں۔

پہلے کسی وقت کے مقابلے میں آج مسلمان زیادہ کشادہ ذہن رکھتے ہیں۔ وہ بیرون ملک کا سفر کرتے ہیں۔ فنی طور پر ترقی یافتہ قوموں سے قریبی رابطے اور اپنے معاشروں کو نئے خطوط پر استوار کرنے کے لیے مالی وسائل بھی رکھتے ہیں۔ بعض حلقوں کے محتاط اندازے کے مطابق سعودی عرب کے حکمران خاندان نے تبدیلیاں لانے میں جو کامیابی حاصل کی ہے وہ اتنی ہی عظیم ہے جتنی قرون وسطیٰ میں اطالوی حکمران طبقہ (Mediclis) کی کامیابی۔

جدید سیاسیات میں اسلام کے کردار میں تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں۔ برنارڈ لوئیس نے اپنی کتاب ''اسلام اور مغرب'' میں لکھا ہے:

> ''سیاست میں اسلام ایک طاقت ور مگر اب بھی ایک بے سمت قوت ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں ایک ممکنہ عنصر کے طور پر موجودہ علامات سازگار نہیں ہیں۔ عالم گیر اسلامی پالیسی کی متعدد کوششیں ہوئی ہیں تاہم کسی بھی کوشش میں کچھ زیادہ پیش رفت نہیں ہوسکی۔ ان کے کامیاب نہ ہونے کا

Marfat.com

ایک سبب یہ بھی ہے کہ کوشش کرنے والے قائل کرنے کی صلاحیت سے محروم تھے۔ اس کے لیے اب بھی ایک ایسی قیادت کا امکان موجود ہے جو قائل کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہو اور اس امر کی واضح شہادت ملتی ہے کہ تقریباً تمام مسلم ممالک میں ایسی ہی قیادت کی شدید تمنا اور اس کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے پوری آمادگی پائی جاتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ جدت پسند قیادت کی کمی نے اب تک اسلام کے پھیلاؤ کو محدود کر رکھا ہے اور مذہبی تحریکوں کو اقتدار کے لیے مضبوط مد مقابل بننے سے روکا ہوا ہے۔ (۲)"

بہت سے لوگ بے صبری کا مظاہرہ کرنے لگے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ احیا کی رفتار تیز کرنے کے لیے اٹھان اور نئے عالمی نظام میں بھرپور شرکت ضروری ہے۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور ۳۰۰ سال پر محیط تھا اور ایک اعتبار سے اس عہد کا دائرہ موجودہ دور تک وسیع ہوا ہے۔ مواصلات کے جدید ذرائع اور معلومات تک بہ آسانی رسائی کی سہولت کے پیش نظر مسلم نشاۃ ثانیہ کے لیے طویل عرصہ درکار نہیں ہوگا۔

حواشی

(۱) جیمز پی پسکی ٹوری، اسلام ان اے ورلڈ آف نیشن اسٹیٹس، کیمبرج پریس سنڈیکیٹ، یونی ورسٹی آف کیمبرج، ۱۹۸۶ء)۔ صفحہ ۳۲-۲۶۔

(۲) برنارڈ لیوئس، اسلام اور مغرب، صفحہ۔ ۱۵۴)۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱۸

تدبر اور حکمت عملیاں

"... حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔" (سورۃ: ۱۳:۱۱)

(الف) حکمت عملی کے ساتھ منصوبہ بندی:

۲۸۲۔ مسلم اقوام کے لیے بصیرت کے تقاضے:

بہت سے لوگوں کی نظر میں تدبر یہی ہے کہ مسلم اقوام ایک دوسرے کے ساتھ بھی امن سے رہیں اور مغرب بالخصوص امریکہ کے ساتھ بھی۔ یہ امید کی جارہی ہے کہ مسلمان ترقی کر سکتے ہیں اور نئے عالمی نظام کے تحت برابری کی بنیاد پر حصہ لے سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایک گروپ کے طور پر مسلمان امید کرتے ہیں کہ:

(الف) وہ مناسب خوراک، سر چھپانے کی جگہ، تعلیم اور صحت سے متعلق خود اپنی بنیادی ضروریات پوری کر سکیں گے۔

(ب) ان کی پائیدار اور نمائندہ حکومتیں ہوں گی جو ایک دوسرے سے تعاون کریں گی۔

(ج) وہ رواداری کا مظاہرہ کریں گے اور جب بھی ممکن ہو گا آپس میں مذہبی معاملات کی

Marfat.com

تشریح و تعبیر میں پائے جانے والے اختلافات پرامن طور پر طے کریں گے۔

(د) وہ اتنے طاقت ور ہو جائیں گے کہ اپنی سرحدوں کا دفاع کر سکیں اور دوسرے مسلمانوں کو اپنے اہم مفادات کا دفاع کرنے میں مدد دے سکیں۔

(ہ) وہ آگے چل کر اتنی ترقی کر لیں گے کہ انھیں ٹکنالوجی پر عبور حاصل ہو جائے اور پوری انسانیت کی فلاح کے لیے دوسروں کے شانہ بہ شانہ قیادت کا کردار سنبھال لیں۔

۲۸۳۔ مسلم عوام کے لیے بصیرت کا راستہ:

مسلمان ایسی خوشحال، قناعت پسند اور کامیاب قوم بننے کی توقع رکھتے ہیں جو:

(الف) کسی مخالفت اور مخاصمت کے بغیر انفرادی اور اجتماعی طور پر خود اپنے حالات بہتر بنانے اور پورے عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے سخت محنت سے کام کرے۔

(ب) اپنی قسمت کی مالک خود ہو، ملک کے اندر یا بیرون ملک سے ہر قسم کے جبر، دھونس یا تسلط سے آزاد ہو۔

(ج) داخلی اور خارجی تنازعات اور جھگڑے پرامن اور متفقہ طور پر طے کرے۔

(د) مذہب کے انتخاب یا اس پر عمل کے انداز میں دباؤ سے آزاد ہو۔

(ہ) ہر امتیازی تفریق سے آزاد اور طبقاتی فرق سے مبرا ہو۔

(و) اپنی پسند کے پیشوں میں بام عروج پر ہو اور تمام متعلقہ حلقوں میں اسے قدر و منزلت حاصل ہو۔

مغرب میں مقیم مسلمان دیگر مذہبی گروپوں کے ساتھ اقتدار میں شراکت کی امید رکھتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کو دنیا میں خود کفیل پرامن اور مضبوط قوم کے طور پر ابھرنے میں مدد ملے گی۔ اس سے ان میں خودداری پیدا ہوگی اور دوسروں سے بھی عزت ملے گی۔ انھیں نئے عالمی نظام کے تحت برابر کے ساجھی اور مکمل شریک تصور کیا جائے گا۔

۲۸۴۔ حقوق انتخاب اور حکمت عملیاں:

تاریخ بتاتی ہے کہ کسی بھی کوشش کی کامیابی میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ مشیت الٰہی کو ہمیشہ ہی اولیت حاصل رہی ہے تاہم جیسا کہ مذکورہ بالا سورۃ سے واضح ہے،

Marfat.com

"نفس انسانی" نے ہمیشہ بڑا ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ بہت سے عوامل اہم ہیں جن میں واضح نظر، معاملہ فہمی پر مبنی حکمت عملی، سخت محنت، مقصد پر بھرپور توجہ قانونی تدارک اور دادرسی کے تمام ذرائع کا مکمل استعمال، مشن کا حق بجانب ہونا، استقامت، کامیابی کا عزم وغیرہ شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران میں قیام اسلام کی جدوجہد میں تمام عوامل کا مظاہرہ کیا گیا۔ روحانی، سائنسی، فوجی اور اقتصادی شعبوں میں مسلمانوں کی سابقہ کامیابیوں میں یہ تمام عوامل پوری طرح کارفرما تھے۔

دوسروں نے بھی اپنی کوششوں میں ان ہی نکات کو ثابت کر کے آپ ﷺ کی مثال پر عمل کیا ہے۔ جدید مغربی تہذیب کی کامیابی بھی ان ہی عوامل کی مرہون منت ہے۔ آج انفرادی حیثیت میں جو مسلمان اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل کر رہے ہیں وہ بھی اسی نسخہ پر عمل پیرا ہیں۔ اگر امت مسلمہ کامیابی کی خواہاں ہے تو اسے بھی اسی راستے پر چلنا چاہیے۔ خود امہ کے اندر رہنمائی کے لیے قرآن موجود ہے تاہم روزمرہ کے معاملات میں قیادت کا فقدان ہے۔ ضروری نہیں کہ تمام مسلمانوں میں ساری خوبیاں موجود ہی ہوں لیکن تمام سطحوں پر لیڈروں میں ان تمام خصوصیات کا ہونا ضروری ہے گو کہ امہ میں تمام افراد کو اپنا اپنا کردار مخلصانہ طور پر ادا کرنے کا حکم ہے۔

مسلم رہنماؤں کے پاس اپنی پسند کا راستہ منتخب کرنے کا اختیار ہے جس کے انداز میں وہی فرق پایا جاتا ہے جو ان کی مذہبی سوچ میں نمایاں ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل صورتیں شامل ہیں:

(الف) موجودہ عالمی طاقتوں کے ساتھ انفرادی طور پر معاملہ کرنے کی موجودہ پالیسی جاری رکھی جائے۔

(ب) کسی نہ کسی شکل میں اتحاد کی صورت پیدا کی جائے اور ایک گروپ کی حیثیت سے معاملہ کیا جائے۔

(ج) اپنے مذہب کی بالادستی پر مصر رہا جائے اور جب تک غیر مسلم اسلام قبول نہ کر لیں ان کی جائز حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا ہے اور / یا

(د) اپنے عقیدے پر راسخ رہا جائے مگر مذہب میں جبر نہ کرنے کے اصول کو تسلیم کیا جائے

Marfat.com

اور دوسروں کے ساتھ برابری اور بقائے باہم کی بنیاد پر سلوک روا رکھا جائے۔

مسلمانوں کی غالب اکثریت زیادہ سے زیادہ اتحاد کی آرزومند ہے۔ اکثر مسلمان دیگر مذاہب پر اسلام کی برتری اور بالادستی پر ایمان رکھتے ہیں کیوں کہ دیگر مذاہب کے آسمانی صحیفوں میں جو الوہی پیغام دیا گیا تھا قرآن کے ذریعے اس کی تکمیل کردی گئی ہے۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت، خصوصاً مغرب میں آباد اکثریت، دیگر مذہبی گروپوں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کی ضرورت تسلیم کرتی ہے اور مذہبی معاملات میں کسی بھی قسم کے جبر کو مسترد کرتی ہے۔ مسلمانوں کی قابل ذکر تعداد سیکولر جدت پسندی اور ٹکنالوجی کے بدلے اپنے مذہب کے معاملے میں کسی مفاہمت کی شدت سے مخالف ہے مگر وہ اپنے معاشروں کو بہتر بنانے کی گہری خواہش رکھتی ہے۔

۲۸۵۔ بقائے باہمی:

اکثر مسلمان مغرب کے ساتھ بقائے باہمی کے حامی ہیں۔ وہ اپنے لیڈروں کو باہمی مفاد کے شعبوں میں تعاون کرنے اور جس حد تک ممکن ہو ٹکراؤ سے گریز کا مشورہ دیتے ہیں۔ تاہم اب مسلمانوں کی طرف سے بقائے باہمی کی قبولیت ہی کافی نہیں رہی ہے۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ مغرب نے اسلام کو نجی روحانی عمل تک محدود کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے جیسے کہ عیسائیت اور مشرقی یورپ میں نسلی مسلمانوں کے سلسلے میں کیا جاتا ہے۔ وہ اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات کے طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اسلام کے سیاسی اور عسکری پہلو کو مذہب سے الگ کر دینا چاہتے ہیں اور یا تو اسے نظر انداز کر دیتے ہیں یا پھر اسے غیر موثر بنا دیتے ہیں۔ یہ انتظام مسلم ممالک کے بہت سے سیکولر رہنماؤں کو پوری طرح قابل قبول نظر آتا ہے۔

دینی نقطہ نظر سے مذہب اور ریاست کی علاحدگی کسی بھی مسلم معاشرے میں باعمل مسلمانوں کے لیے کوئی پائیدار متبادل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس سے دنیا کے بہت سے حصوں میں مسلمانوں کو درپیش سیاسی اور فوجی مسائل بھی ختم نہیں ہوتے۔ فلسطین کا مسئلہ سیکولر رہنماؤں مثلاً مصر کے جمال عبدالناصر، شام کے حافظ الاسد یا اردن کے شاہ حسین کی

Marfat.com

قیادت میں حل نہیں ہو سکا۔ پی ایل او کے یاسر عرفات نے ابتدا کی ہے مگر انھیں کامیابی کے لیے مذہبی گروپوں کی مکمل حمایت کی ضرورت ہے۔ اسرائیل کی مذہبی حقیقت کو ایک سیکولر ریاست ہونے کے باوجود ترجیح حاصل ہے۔ مذہب ہی اسرائیل کی پہچان ہے اور مذہب ہی پاکستان، بنگلہ دیش اور دیگر مسلم ممالک کی پہچان بھی تھا۔

اسی طرح مسئلہ کشمیر بھی سیکولر ایوب خاں، ذوالفقار علی بھٹو یا بینظیر بھٹو کے تحت حل نہیں ہو سکا کیوں کہ ہندو بھارت اس کی اجازت نہیں دے گا۔ ایک طرف تو مغرب اسلام کو مسجد سے باہر نہیں دیکھنا چاہتا اور دوسری طرف اس نے مسلمانوں کو درپیش اہم قومی یا بین الاقوامی مسائل کے حل کے لیے سیکولر رہنماؤں کی مدد کرنے میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ اس لیے بامقصد بقائے باہمی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

۲۸۶۔ جنگ کا خوف:

جنگی ہتھیار کثیر تعداد میں لوگوں کو ہلاک اور معذور کر سکتے ہیں، برسوں کی اقتصادی ترقی کو تباہ و برباد اور کئی نسلوں کے لیے اداروں کو ملیامیٹ کر سکتے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، جرمنی، اسرائیل، ویت نام، عراق، ایران، مصر، شام، پاکستان اور بنگلہ دیش کے لوگ کثیر تعداد میں جنگوں میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ ملک ابھی تک ایک قوم کی حیثیت سے بڑی حد تک اپنا وجود بھی اسی لیے برقرار رکھے ہوئے ہیں کہ وہ جنگیں لڑ چکے ہیں۔ جنگ وجود انسانی کی ایک حقیقت ہے مگر جنگ ہر حال میں آخری چارہ کار ہونا چاہیے اور لڑائی شروع ہونے کے بعد بھی حصول امن کا مقصد لیڈروں کی نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے۔

بیشتر مسلم رہنماؤں نے بین الاقوامی سیاست میں متوازن طرز فکر اختیار کیا ہے۔ مخالفین کو جنگ شروع کرنے کا بہانہ چند ہی لیڈروں نے فراہم کیا ہے۔ جب بھی انھوں نے ایسا متحدہ اور پرعزم محاذ بنایا ہے جو جارحیت کا ارتکاب کرنے والوں پر کاری وار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو انھوں نے مخالفین کو جنگ سے باز رکھا ہے۔ تاہم مسلمانوں کے خلاف جارحیت زیادہ تر خود مسلمانوں نے ہی کی ہے، جس کی شہ تو شاید مغرب نے دی مگر کام مسلم لیڈروں نے کیا۔ محض مذہبی عدم رواداری کی بنیاد پر لڑی جانے والی جنگ کو جائز اور منصفانہ جنگ قرار نہیں دیا

Marfat.com

جا سکتا۔ اس جنگ کا کوئی بھی فریق طویل عرصے تک اس قسم کی جدوجہد میں استقامت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب پر براہ راست حملے کا خطرہ نہیں ہے۔ ان کے دشمن اسلامی مقامات مقدسہ پر چڑھائی کر کے انھیں جہاد پر نہیں اکسائیں گے۔ جو قوتیں اسلام کو دبانا چاہتی ہیں وہ اتنی چالاک ہیں کہ وہ بڑی مکاری کے ساتھ اور بالواسطہ طریقے سے حملہ آور ہوتی ہیں جن کا سراغ لگانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ انجام کار مسلمانوں کو جنگ سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں بلکہ انھیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ ان کا روحانی عقیدہ اور جذبہ مسلسل سرد پڑتا جا رہا ہے۔

مسلمان اسی اسلام پر عملدر آمد کے خواہش مند ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا۔ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ہی کی ادائیگی پر زور دیتے ہیں۔ وہ اپنے اردگرد موجود لوگوں سے بہتر انسان بننا چاہتے ہیں اور اپنے معاشروں کو بدل ڈالنا چاہتے ہیں۔ جن لوگوں کا مفاد حالات کو جوں کا توں برقرار رکھنے سے وابستہ ہے وہ تبدیلی کی مزاحمت کرتے ہیں۔ ان میں تنگ نظر مذہبی رہنما اور ان کے ناخواندہ پیروکار، جوڑ توڑ کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے اور برقرار رکھنے والے حکمران اور ان حکمرانوں کو کنٹرول کرنے والے مغربی حلقے اور حکومتیں شامل ہیں۔ یہ لوگ کم و بیش موجودہ صورتحال پر قانع ہیں۔ الجزائر، ایران، سوڈان اور دیگر مسلم ممالک میں رائے دہندگان جمہوری اور پرامن ذرائع سے ایک مثالی اور قابل تقلید اسلامی حکومت کے تصور پر عملدر آمد کے منتظر ہیں۔

۲۸۷۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایثار:

مسلمانوں کو اس بات سے اتفاق ہے کہ مطلوبہ مقاصد کے حصول کی خاطر انھیں اصلاح احوال کے لیے سخت محنت کرنا پڑے گی۔ بہت سے غیر مسلم مختلف وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کے اتحاد اور ترقی کی مخالفت کرتے ہیں جن میں تاریخی بداعتمادی، خوف، حسد اور مقابلے و مسابقت کے امکانات شامل ہیں۔ مسلمانوں کو باہم متحد ہونے سے باز رکھنے کے لیے ان پر اقتصادی اور سیاسی دباؤ پڑنے کا امکان ہے۔ عراق، ایران اور لیبیا کو اس وقت جس بین الاقوامی مقاطعہ، اخراج اور کڑی نگرانی کا سامنا ہے وہ مستقبل کی عکاسی سمجھی جا سکتی ہیں۔ مسلمانوں کو

Marfat.com

مغرب سے ملنے والی ترقیاتی امداد پر سخت نظر ثانی اور شدید کمی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اس دباؤ میں اس وقت کمی آسکتی ہے جب مخالفین کو یقین ہو جائے کہ ان کی اصلاحات پر امن اور تعمیری نوعیت کی ہیں اور وہ مسلمانوں کو اپنی سلامتی کے لیے خطرہ تصور نہ کریں۔

۲۸۸۔ انفرادی سطح پر کام:

اسلام کو مضبوط کرنے کے خواہش مند مسلمانوں کو اپنی صلاحیتوں کے مطابق متعدد طریقوں سے اپنا اپنا حصہ ادا کرنا ہوگا۔ بعض لازمی اقدامات درج ذیل ہیں:

(الف) بہتر مسلمان بن کر خود اپنے ملک میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کا حصہ بنیں۔ آپ جس انداز میں ضروری سمجھیں اسلام پر اپنے عمل کو مضبوط کریں۔ خود پر اللہ اور اس کی مخلوق کی جانب سے عائد ہونے والے فرائض کو تسلیم کیجیے۔

(ب) اپنے آبائی شہر اور ملک میں اپنی پسند کے کسی اسلامی گروپ میں شامل ہو جائیں اور اس دنیا کے معاملات میں سرگرم شرکت کے ذریعے اپنے خالق کی رضاجوئی کے لیے سخت محنت کریں۔

(ج) خود اپنے ملک میں جمہوری انتخابی عمل کے ذریعے اپنے گروپ اور اپنے ہم خیال گروپوں کو اقتدار میں لانے کی بھرپور کوشش کریں۔

(د) جب ایک بار قومی سطح پر برسر اقتدار آجائیں تو اس اقتدار کو ملک میں اور بیرون ملک امہ کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کریں۔

(ہ) تمام قومی اختیار یا اس کا کچھ حصہ بین الاقوامی سطح پر امہ کو تفویض کرنے کے لیے تیار رہیں۔

(و) مسلمانوں کی ترقی اور نئے عالمی نظام میں ان کی موثر شرکت کے لیے قربانی دینے پر تیار رہیں۔ یہ قربانی وقت، پیسے، تعلقات کی شکل میں یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔
قوت کو مجتمع کرنے، کمزوریاں کم کرنے اور یکجہتی کے قیام کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہیں۔

(ب) فوجی اور فنی منصوبہ بندی:

۲۸۹۔ فوجی مسائل حل کرنا:

طاقت ور یہودی برادری کے ساتھ مسلمانوں کا اصل جھگڑا فلسطین کے مسئلے پر ہے۔ فلسطین

Marfat.com

پر کنٹرول قائم رکھنے کی غرض سے اسرائیل اور امریکہ نیز دیگر ممالک میں اس کے حمایتیوں نے تمام عربوں اور ان کے حامیوں کو کمزور کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ یوں عراق، ایران، سوڈان، لیبیا، پاکستان اور دیگر مسلم ممالک بھی نشانہ بن رہے ہیں۔ اگر یہ مسئلہ پرامن طور حل ہو جائے تو گزشتہ پچاس سال سے مصائب کا شکار فلسطینی عوام معمول کی زندگی بسر کرنے کا آغاز کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ بھی امید کی جا سکتی ہے کہ یہودی برادری دنیا میں دیگر مقامات پر مسلم مفادات کی مخالفت کم کرنے پر بھی مائل ہو گی۔

کشمیر ایک اور ایسا مسئلہ ہے جو فوری حل کا متقاضی ہے۔ پاکستان کی طرف سے ماضی میں لڑی جانے والی جنگیں بھی یہ مسئلہ حل نہیں کر سکیں۔ سفارتکاری کا عمل اور اقوام متحدہ کی قراردادیں بھی ناکام ہو چکی ہیں۔ گزشتہ کئی برسوں میں خود کشمیریوں کی بے پناہ قربانیوں کے بھی کوئی بہتر نتائج بر آمد نہیں ہوئے۔ اطلاعات کے مطابق بھارت نے اپنے اسرائیلی حامیوں کے مشورے پر اجتماعی سزا کی اور زیادہ بھونڈی پالیسی پر عمل شروع کیا ہے جس کا نتیجہ کشمیریوں کی اور زیادہ اموات اور تباہی کی شکل میں نکلنے کا امکان ہے۔ پاکستان زیادہ تر کشمیر کے مسئلے پر بھارت کے ساتھ تین جنگیں لڑ چکا ہے۔ تاہم پاکستان کو بھارت کی ایٹمی ٹکنالوجی سے خطرہ لاحق ہے۔ بھارت کے ساتھ ایک اور جنگ کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے جو پاکستان دینے کے لیے تیار ہے۔ برصغیر میں امن برقرار رکھنے اور ایٹمی ہتھیاروں پر کنٹرول کی امریکی خواہش میں کچھ لوگوں کو امید کی ایک کرن نظر آتی ہے۔ بیشتر مسلمان امریکہ کی کوششوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

۲۹۰۔ فوجی توازن کے حصول کی کوشش:

بعض مسلمان غیر مسلموں کے مقابلے میں فوجی توازن کا خواب دیکھتے ہیں۔ تاہم مستقبل قریب میں یہ بات ناممکن نظر آتی ہے۔ مسلمان تو اپنے قریبی دشمنوں کے خلاف بھی فوجی توازن قائم نہیں کر سکے ہیں۔ اسرائیل کے مقابلے میں عرب کہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ پاکستان بھارت سے بہت پیچھے ہے۔ تاہم اگر مسلمانوں میں اتحاد ہوتا تو مسلم۔ اسرائیلی یا مسلم۔ بھارت توازن ممکن ہو سکتا تھا۔

اب، جب کہ سرد جنگ ختم ہو چکی ہے، تو اکثر مسلم ممالک گرانٹ کی بنیاد پر فوجی امداد

Marfat.com

حاصل کرنے کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ اس کے علاوہ غیر ملکی زر مبادلہ کی کمی کی بنا پر وہ جدید طرز کا جنگی سازو سامان خریدنے کی توقع بھی نہیں کر سکتے۔ آخر کار خود اپنی تحقیق و ترقی پر انحصار مفید ثابت ہو سکتا ہے بالخصوص جس حد تک مسلمان اپنی دفاعی صلاحیت بہتر بنانے کے خواہاں ہیں۔ اللہ فرماتا ہے:

> "اے نبی ﷺ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے۔ کیوں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں سکتے۔" (سورۃ ۸:۶۵)

ظاہر ہے اس کے لیے جس درجے کی روحانی وابستگی اور جذبے کی بلندی درکار ہے وہ آج بیشتر مسلمانوں میں مفقود ہے۔

۲۹۱۔ ٹکنالوجی اور افرادی قوت کی ترقی:

ٹکنالوجی کا تفاوت اور اس کے ساتھ افرادی قوت میں ہونے والی پیش رفت مسلمانوں پر دوسروں کے غلبے اور تسلط کے سب سے اہم اسباب ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخی کامیابیوں کا اچھا خاصہ حصہ برتر ٹکنالوجی کا مرہون منت ہے۔ مفتوح بننے کے بعد مسلمان ٹکنالوجی میں پیچھے رہ گئے۔ مغرب کی برتر ٹکنالوجی نے انھیں اس وقت تک نو آبادیوں کی حدود کے اندر ہی رکھا جب تک دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں جنم لینے والے اقتصادی اور سیاسی عوامل نے انھیں آزادی سے ہمکنار نہیں کر دیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے مسلمانوں نے بہت زیادہ ٹکنالوجی حاصل کر لی ہے اور افرادی قوت کو بھی بہت فروغ دے لیا ہے۔ تاہم اس کے بعد سے مغرب نے علم کے میدان میں بڑی زقند بھری ہے۔ مسلمانوں نے اگر بنیادی اشیا صرف تیار کرنا اور چھوٹے روایتی ہتھیار بنانا سیکھ لیا ہے تو دوسروں نے ایٹمی ہتھیاروں، میزائلوں، خلائی، بحری، جراثیمی اور کیمیاوی جنگ و جدل، کمپیوٹرز وغیرہ سے متعلق ٹکنالوجی میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ زیادہ ترقی پسندانہ سوچ رکھنے والے رہنماؤں نے قومی بجٹوں میں ٹکنالوجی اور متعلقہ افرادی طاقت کی

Marfat.com

ترقی کو اولین ترجیح دی ہے۔

۲۹۲۔ فوجی اخراجات:

مسلم رہنما جارحیت کی حوصلہ شکنی کے لیے مناسب فوجی طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر جوابی کارروائی اور نقصان اٹھانے کا ڈر ہو تو پھر کوئی کسی دوسرے پر حملہ نہیں کرتا۔ دوسروں کو جارحیت سے باز رکھنے کے لیے جو تھوڑا بہت اہتمام کیا جاتا ہے اس پر متعدد مسلم حکومتوں کے بجٹوں کا قابل ذکر حصہ اٹھ جاتا ہے۔ تاہم یہ اخراجات اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ زیادہ تر مسلم ممالک کی معیشتوں کے لیے انھیں برداشت کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ ان اخراجات کا احتیاط سے جائزہ لینا اور ان پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔ صرف ترقی یافتہ ساز و سامان کی خریداری پر پیسہ خرچ کرنا، جو بہت جلد فرسودہ ہو جاتا ہے، مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔ فوجی طاقت اپنے بل پر اور مستقل بنیاد پر حاصل کی جانی چاہیے۔

۲۹۳۔ عام فوجی تربیت:

عام فوجی تربیت اور خدمت ایک ایسا راستہ ہے جسے متعارف کرانے کے لیے مسلم ممالک کو غور کرنا چاہیے۔ اس سے نسبتاً کم خرچ پر کم از کم سطح کی فوجی تربیت کے حامل دستیاب افراد کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی تربیت نوجوانوں کو جسمانی طور پر چاق و چوبند اور مستعد رکھنے کا موقع بھی مہیا کرتی ہے۔

پاکستان، بنگلہ دیش اور متعدد افریقی ملکوں کے نوجوانوں کی موجودہ ناقص جسمانی حالت کے پیش نظر اس کی بڑی اہمیت اور افادیت ہے۔ اس تربیت کے دیگر فوائد میں ڈسپلن میں اضافہ اور سابقہ بیروزگار افراد کو ایسے پیشہ ورانہ ہنر میں تربیت دینا شامل ہے جن کی مارکیٹ میں بھی مانگ ہے مثلاً ٹیلی مواصلات، تعمیرات، نقل و حمل کی سرگرمیاں (آٹو موبائل، ڈرائیونگ، کوکنگ، ٹیلرنگ، اکاؤنٹنگ وغیرہ)۔ آخری بات یہ کہ لازمی فوجی سروس کے تحت ملک کے تمام حصوں کے لوگ مل جل کر ایک ساتھ کام کریں گے تو اس سے قومی یکجہتی کو بھی فروغ ملے گا۔ جن مسلم ممالک میں مقامی طور پر مختلف نسلوں کے باشندے ہیں وہ اس عمل کو خاصا مفید پائیں گے۔ بعض صورتوں میں اس سے گریز کیا گیا ہے کیوں کہ حکومتیں

Marfat.com

عوام پر اعتماد نہیں کرتیں اور انھیں دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وسیع پیمانے پر فوجی تربیت کے نتیجے میں کہیں ان کا اپنا تختہ نہ الٹ دیا جائے۔ امہ اس قسم کی تنگ نظری کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

۲۹۴۔ آبادی کے مسائل:

تعلیمی پروگراموں، بہتر معاشی حیثیت اور خواتین کے لیے صحت پر توجہ اور دیکھ بھال کے ذریعے آبادی کی حد سے بڑھی ہوئی شرحوں میں فطری تخفیف جائز ہے اور یہ بات زیادہ تر مسلم اقوام کے ایجنڈے پر پہلے ہی موجود ہے۔ دوسری طرف دنیا بھر میں زیادہ تر مسلمانوں کے لیے اُن کا وسیع کنبہ اور ان کی بالغ اولاد نرینہ معاشرتی اور معاشی تحفظ فراہم کرتی ہے۔ مسلم ممالک میں جنگوں کی وجہ سے بھی بہت جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ آبادی پر کنٹرول کے حق میں پیش کیے جانے والے مضبوط اقتصادی دلائل سے سب واقف ہیں۔ تاہم اکثر مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوق کو پالنے اور رزق دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کی اس آیت کا برابر حوالہ دیا جاتا ہے:

> "اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔ درحقیقت اُن کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔"
>
> (سورۃ:۱۷:۳۱)

مسلمان خاص طور پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آسودہ حال خاندانوں کے لیے جو اپنے بچوں کو مناسب تعلیم اور غذا فراہم کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں، جان بوجھ کر خاندان کا حجم کم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ان خاندانوں کو برتھ کنٹرول پر بہت زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ جب ان کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے اور ان کے بچے خود اپنا مستقبل بنانے کی جستجو میں باہر چلے جاتے ہیں تو ان کے دل میں یہ خواہش ابھرتی ہے کہ ان کے اور بھی بچے ہوتے۔

۲۹۵۔ مضبوط متحدہ موقف:

اگر مسلمان بالخصوص او آئی سی کی رکن حکومتیں، اہم مسائل پر مضبوط موقف اختیار کریں اور مغرب کو یہ باور کرا دیں کہ وہ کوئی بھی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں تو پھر مغرب کو کسی

Marfat.com

اقدام سے پہلے دو مرتبہ سوچنا پڑے گا۔ مغرب پچاس سے زائد ایسی دشمن اقوام کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا جو اپنے مقصد کے لیے قربانی دینے کی خواہش مند بھی ہوں۔

بیت المقدس میں مسجد الاقصیٰ اسی وقت تک محفوظ رہ سکتی ہے جب تک اسرائیل اور مغرب کو احساس ہے کہ اسے کوئی نقصان پہنچا تو تمام مسلمان متحد ہو جائیں گے۔ تاہم جس مرحلے پر اسرائیل اور مغرب نے یہ محسوس کر لیا کہ مسلمانوں میں اس مسئلے پر کوئی اختلاف رائے پایا جاتا ہے تو کوئی نہ کوئی "جنونی" مسجد اقصیٰ پر حملہ کر دے گا۔ مغرب کو اس قسم کا اتحاد مسلمانوں میں بوسنیا، کشمیر، فلسطین وغیرہ کے مسائل پر نظر نہیں آیا۔

جیسا کہ اس کتاب میں بتایا جا چکا ہے متعدد شعبوں میں مغرب کے ساتھ یکساں نقطہ ہائے نظر کا میلان پایا جاتا ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام بھی کئی اعتبار سے مغرب کے اقتصادی نظام سے مماثلت رکھتا ہے۔ تاہم اسلام تمام اقدامات کے لیے اخلاقی پاکیزگی اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ یہ ایک طاقت ور امتزاج ہوگا۔ مفاہمت کے ممکنہ شعبوں پر توجہ مرکوز کر کے ایک مفید آغاز کی صورت نکالی جا سکتی ہے۔

۲۹۶۔ نئے عالمی نظام میں شرکت کے راستے:

مسلمانوں کو خود عائد کردہ تنہائی اور علاحدگی سے گریز کرنا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ تمام عقائد اور نظریات کے ماننے والوں سے میل جول رکھنا چاہتے تھے اور ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور مکہ اور مدینہ میں آپ معاشرے کا حصہ بھی رہے۔ بعض مسلمانوں میں خود کو غیر مسلموں سے الگ تھلگ رکھنے کی خواہش رسول اللہ ﷺ کی سنت کے منافی محسوس ہوتی ہے۔ خاندان، پڑوس، شہر، گاؤں، صوبائی، قومی اور بین الاقوامی غرض ہر ایک سطح پر مسلمانوں کی شرکت سماجی اور اقتصادی تناظر میں مفید ہے کیوں کہ اس سے دوسروں کے سامنے اسلام کے تصورات کے مظاہرے کا موقع ملتا ہے۔ سب سے کٹ کر الگ تھلگ رہنے کے بجائے اسلام نیکی کی حمایت اور بدی کی مخالفت میں سرگرمی سے حصہ لینے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

۲۹۷۔ حکمت عملی اور لائحہ عمل:

ایک مثالی حکمت عملی کسی قدر آسان ہے اور مسلم حکومتوں اور عوام کے لیے متعدد اقدامات

Marfat.com

پر مشتمل ہوگی:

(الف) مقامی شہریوں کے طویل المیعاد مفاد پر زور دیا جائے اور داخلی مسائل کے حل کے لیے تندہی سے کام کیا جائے۔

(ب) ایسی سرگرمیوں پر عملدر آمد شروع کیا جائے جن کے بارے میں مسلمانوں کے نقطہ نظر میں مغرب کے ساتھ یکسانیت پائی جاتی ہو۔

(ج) مسلمانوں کے مابین اور غیر مسلموں کے ساتھ نمایاں فوجی مسائل جس قدر جلد ممکن ہو سکے حل کیے جائیں۔

(د) دیگر مذاہب کے پیروکاروں اور عالمی طاقتوں کے ساتھ حقیقی معنوں میں بقائے باہم کا اصول تسلیم کیا جائے۔

(ہ) جیسا کہ اوپر زیر بحث آچکا ہے تمام محاذوں پر قوت میں اضافہ کرنے اور کمزوریاں کم کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

(و) مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعاون اور یکجہتی میں اضافہ کیا جائے۔

(ز) ٹکنالوجی، افرادی طاقت کی ترقی اور عام فوجی تربیت پر اخراجات کے ذریعے دفاعی صلاحیتوں میں اضافہ کیا جائے۔

(ح) اس کتاب میں پیش کردہ سفارشات کے مطابق متعدد تصفیہ طلب روحانی، فوجی، اقتصادی اور سیاسی مسائل کے بارے میں غور و فکر اور تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱۹

حتمی نتائج اور سفارشات

۲۹۸۔ اسلامی ایجنڈا:

مسلمانوں کے پاس قرآن یا رسول اللہ ﷺ کی سنت کی شکل میں عظیم پیغام موجود ہے۔ بہت سے مشترکہ عوامل بھی ایسے ہیں جو مسلمانوں کو باہم متحد کرتے ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی ہے۔ ان کی جغرافیہ، نسل اور ثقافت میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ وسیع و عریض زمین، بھاری مالی وسائل اور قابل ذکر صنعتی اساس موجود ہے: بہت بڑی اور عمدہ تربیت یافتہ افرادی قوت موجود ہے: ذرائع ابلاغ کا تجربہ ہے، اچھی حکمرانی کا نظام موجود ہے۔ اخوت اور بھائی چارے کا مضبوط جذبہ بھی پایا جاتا ہے اور وہ ایک قوم ہونے پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ایک لازوال عظیم طاقت بننے کے لیے تمام اجزائے ترکیبی موجود ہیں۔

۲۹۹۔ مشکلات:

تاہم مسلم برادری میں بہت سی خامیاں اور کمزوریاں ہیں اور قیادت بھی موجودہ قیادت سے بہتر ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کے ایجنڈے کے بیشتر عوامل واضح ہیں مگر تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ضروریات پر امہ کا ردعمل برائے نام ہی رہا ہے۔ مسلم رہنما اور ان کے

Marfat.com

عوام بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ اہل مغرب کی بری عادتیں اختیار کرتے جا رہے ہیں اور خود اپنی اچھی باتوں سے غافل ہوتے جا رہے ہیں اور بدعنوانی کے اپنے ہی نت نئے انداز اختیار کر رہے ہیں۔

مسلمان اس بات کے آرزومند ہیں کہ ان کے آپس کے لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں اور وہ ترقی کریں مگر ایسا ممکن نہیں ہوا۔ آخر اسلامی ایجنڈے پر عملدرآمد اتنا دشوار کیوں ہے؟ اس کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں:

(الف) بعض مطلوبہ اقدامات حکومت کے رہنماؤں سمیت ہر ایک پر واضح تو ہیں مگر کوئی جامع اور متفقہ ایجنڈا موجود نہیں ہے۔

(ب) اس ایجنڈے کو لازماً ان مسائل کا کوئی حل نکالنا چاہیے جو کئی صدیوں سے بدمزگی اور الجھن کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ اور جن سے دنیا کے تقریباً ایک ارب افراد کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ اس کا علاج پیچیدہ، دقت طلب اور بہتوں کے لیے کئی اعتبار سے مہنگا بھی ہو سکتا ہے۔ تبدیلیوں کی بات تو ہر ایک کرتا ہے مگر ایجنڈے پر عمل کے لیے مطلوبہ صبر واستقامت کا مظاہرہ نہ تو امہ نے کیا اور نہ ہی مسلم رہنماؤں نے انفرادی طور پر۔

(ج) ایسے سنگین اور ہنگامی نوعیت کے مسائل ہمیشہ موجود رہتے ہیں جو فوری توجہ چاہتے ہیں، یوں باعث تشویش دیرینہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنے کی مہلت کم ملتی ہے۔

(د) بیرونی طاقتوں کا خوف بھی ہے جن سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ اسلام کے احیا پر کسی نرمی کا مظاہر کریں گی اور امکان یہی ہے کہ وہ خود کو حاصل اپنے متعدد ذرائع کو بروئے کار لا کر مسلمانوں کی کوششوں کو سبوتاژ کر دیں گی۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلم رہنماؤں کے ذہنوں میں اسلام کا جو خوف بیٹھا ہوا ہے اسے غالباً سنگین ترین مسئلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ بہت سی مسلم حکومتوں کے رہنما اسلامی طرز عمل کی ایسی کوئی تعریف قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں جو ان کے اپنے طرز عمل سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ وہ ذاتی حیثیت میں یا اجتماعی لحاظ سے اسلام کے سخت ضابطوں کی پابندی قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ مسلم مذہبی رہنماؤں کے ساتھ محاذ آرائیاں عام ہیں مگر ان کا

Marfat.com

خوف بھی طاری رہتا ہے۔

مذہبی رہنما خود بھی بے قصور نہیں ہیں۔ صریحی طور پر ان کے اپنے درمیان ناقابل مصالحت اختلافات موجود ہیں۔ اکثر ان اختلافات کا سبب ذاتی مفادات ہوتے ہیں جن کا وہ تحفظ کرنا چاہتے ہیں۔ بعض مذہبی رہنما حکومت کے لیڈروں سے ٹکر لینے سے گھبراتے ہیں جب کہ کچھ ایسے بھی ہیں جن کی اپنی ذاتی زندگی میں بعض ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو اسلام کے مقررہ اعلیٰ معیار سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

اہم تبدیلیاں جلدی میں نہیں لائی جاسکتیں۔ تاہم ترجیحات کا تعین کرنا ضروری ہوگا۔ کسی بھی نوعیت کی ترقی کے لیے ایک سال، پانچ سال اور بیس سال کے لیے منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ منصوبے بنائے گا کون اور ان پر عملدرآمد کون کرے گا۔ مذہبی، سیاسی اور فوجی رہنماؤں کے اس سلسلے میں کچھ کرنے پر آمادہ کرنا ہوگا۔ جب ایک بار چند مسلم ممالک میں داخلی طور پر کسی حد تک حمایت حاصل ہو جائے تو پھر تبادلہ خیال اور حتمی اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے او آئی سی جیسے کسی بااثر فورم کو استعمال کرنا ہوگا۔

۳۰۰۔ حتمی نتائج اور سفارشات:

واضح حتمی نتائج اور سفارشات کی طویل فہرست چار موضوعات۔ روحانی، فوجی، اقتصادی اور سیاسی عنوانات کے تحت الگ کر دی گئی ہے۔ اسے متعدد ذیلی گروپوں میں بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے:

اختصارات

[(م)= مطالعہ۔ (ن)= نتائج۔ (ط م)= طویل المدت۔ (ق م)= قلیل المدت]

(الف) حتمی نتائج (ن) جن میں کوئی عملی کارروائی شامل نہیں ہے۔

(ب) مختلف ملکوں میں بنیادی طور پر اقتصادی اور سیاسی ترقی کے حوالے سے نسبتاً غیر متنازعہ سفارشات۔ انفرادی طور پر مسلمانوں یا ان کی حکومتوں کی جانب سے ان سفارشات کو معقول حد تک قلیل المیعاد (ق م) کیا جاسکتا ہے جسے ہر شخص سراہے گا۔

(ج) باہمی طور پر قابل قبول مجاز ارباب اختیار کی جانب سے مذہبی توضیحات اور تطبیق سے

Marfat.com

متعلق اقدامات جن کے لیے غور و فکر اور مطالعہ (م) درکار ہوگا۔

(د) مسلمانوں کے مابین، بنیادی طور پر سیاسی اور فوجی شعبوں میں، کھلے اور مخلصانہ تعاون کی ضرورت سے متعلق سفارشات۔ ان اقدامات کے لیے مسلم رہنماؤں میں سیاسی بلکہ طبعی حوصلہ بھی درکار ہوگا اور ان پر عملدر آمد شاید سب سے کٹھن مرحلہ ثابت ہو۔ یہ "طویل المیعاد" (ط م) خواہشات ہیں۔

اس کتاب میں پیش کردہ بہت سے حتمی نتائج اور سفارشات کی نوعیت باقاعدہ ہونے کے بجائے عمومی ہیں تاہم ترجیحات قبول ہو جانے کی صورت میں تفصیلی اور ٹھیک ٹھیک اقدامات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ روحانی، اقتصادی، سیاسی یا فوجی معاملات پر کامل عبور رکھنے والے ماہرین کی کوئی کمی نہیں ہے۔ تفصیلات طے کرنے کے لیے مطلوبہ مہارت امہ کے اندر ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے

(الف) روحانی مسائل:

ا۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ (الف) قرآن کی تعلیمات حاصل کریں جو علم کا بنیادی سرچشمہ ہے، اور (ب) رسول اللہ ﷺ کی سنت کا مطالعہ، اس کی تفہیم اور اس پر عمل کریں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تماشائی کا کردار ادا کرنا چھوڑ دیں اور سرگرم عمل ہو جائیں۔ (ن) (ق م)۔

۲۔ مسلمانوں کو اعلیٰ کردار، اقدار اور صلاحیت کے حامل شہری تیار کرنے کی غرض سے نوجوان نسل کی اخلاقی تعلیم پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ انھیں مسلمانوں کی آئندہ نسل کے لیے ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ (ق م)

۳۔ بیسویں اور اکیسویں صدی کے حالات کی روشنی میں اسلامی احکامات کی منظم انداز میں تشریح کی ضرورت ہے۔ اس پر عملدر آمد ضروری ہے۔ اس کے لیے بھرپور کوشش اور بہت زیادہ غور و فکر، تحقیق، بحث مباحثہ اور اتفاق رائے کی ضرورت پڑے گی۔ تاہم اس سے الجھنیں رفع ہوں گی اور بہت سے مسلمانوں میں پائی جانے والی بے چینی کی کیفیت دور کرنے اور ان کی خود اعتمادی بحال کرنے میں مدد ملے گی۔ (م)

Marfat.com

۴۔ مسلمانوں کے مابین بہت سے موضوعات / مسائل پر مسلسل مطالعہ، مباحثہ و مناظرہ اور نتیجہ کار اتفاق رائے کی ضرورت ہے جس کی اسلام نے بھی اجازت دی ہے۔ اس قسم کے اتفاق رائے کے حصول کے لیے ایک عملی نظام قائم کرنا ضروری ہے۔ جاری کام کی اہمیت و افادیت تسلیم کرنی ہوگی اور مفکرین کو یکجا کرنا ہوگا (ط م)۔

۵۔ وسیع پیمانے پر قرآن کی تفہیم یقینی بنانے کے لیے عربی زبان کے مسئلے کو نمٹانے کی فوری ضرورت ہے۔ اجماع اور اجتہاد کے نتیجے میں مسلمان متعدد متبادل صورتوں پر غور کر سکتے ہیں جن میں تمام مسلم ممالک میں عربی کی لازمی تعلیم اور مذہبی معاملات میں اپنی مقامی زبانوں کا وسیع تر استعمال شامل ہے۔ اجماع اور اجتہاد کا راستہ تمام باعمل مسلمانوں کے لیے کھلا ہونا چاہیے اور اسے صرف ان لوگوں تک محدود نہیں کیا جانا چاہیے جو عربی زبان پر عبور رکھتے ہیں۔ (ط م)۔

۶۔ ہر شہر، صوبے اور ملک میں موثر اسلامی کونسلیں قائم کی جائیں جن کے نتیجے میں ایک موثر عالمی اسلامی کونسل تشکیل پا سکے۔ جھگڑوں کی روک تھام اور اسلامی تعلیمات کی متنازعہ تشریحات کی وضاحت کے لیے ان کونسلوں کو مناسب اختیارات تفویض کیے جائیں۔ (م) (ق م)۔

۷۔ تمام سطحوں بالخصوص گاؤں اور آس پاس کی مساجد کی سطح پر مذہبی رہنماؤں کی تربیت اور تعلیمی استعداد میں اضافہ کیا جائے۔ (ق م)۔

۸۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت اسلامی تعلیمات پر عمل کرتی ہے اور شراب نوشی سے پرہیز کرتی ہے مگر شراب ہی جیسی یا اس سے بھی برے اثرات والی دیگر اشیا مسلم ممالک میں مقبول ہوتی جا رہی ہیں۔ ان اشیا پر بھاری رقم خرچ کرنا پڑتی ہے اور انھیں استعمال کرنے والے کی صحت تباہ ہو جاتی ہے۔ پاکستان، افغانستان اور صومالیہ میں ان کے استعمال کی وجہ سے بے شمار خاندان تباہ ہو چکے ہیں۔ مذہبی اور حکومتی ارباب اختیار کی جانب سے اصلاحی اقدامات اور ضابطوں کی ضرورت ہے (ق م)۔

۹۔ بہت سی مسلم خواتین کو اس بات کا یقین ہے کہ اسلام نے انھیں جو متعدد سماجی، ثقافتی،

Marfat.com

سیاسی اور معاشی حقوق دیے ہیں وہ انھیں نہیں دیے جارہے ہیں۔ خواتین کے کردار سے متعلق مسائل پر اسلامی موقف کی واضح اور قطعی تعبیر و تشریح کی اشد ضرورت ہے۔ اصل حقوق لازماً بحال کیے جانے چاہییں۔ (ق م)

۱۰۔ اسلام کو مساجد سے باہر آنا ہوگا اور مسلمانوں کے قلوب میں جگہ بنانی ہوگی۔ تمام ستم رسیدہ گروپوں کی مشکلات اور شکایات کا ازالہ کرنا ہوگا (م)۔

۱۱۔ مسلمانوں کو (مالی تعاون اور شرکت کے ذریعے) تحقیق اور تمام متنازعہ مسائل کے بارے میں پرامن بحث مباحثہ کی حمایت کرنی چاہیے۔ موجودہ فکری تنظیموں کی لازماً حمایت کی جانی چاہیے اور حسب ضرورت نئے فکری ادارے قائم ہونے چاہییں (ط م)۔

۱۲۔ تقلید پسند اور جدت پسند مسلمان ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظر سے اور یا تو اللہ کے فرائض یا پھر بنی نوع انسان کے فرائض سے غفلت برتنے پر کسی حد تک حقارت سے دیکھتے ہیں۔ ہر گروپ میں دوسرے پر برتری کا احساس پایا جاتا ہے۔ ان کے درمیان کھل کر تبادلۂ خیال اور اسلام کے کم از کم غیر متنازعہ قوانین پر عمل کرنے کی ضرورت ہے (ق م)۔

۱۳۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ ان کا راستہ صحیح ہے ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے اپنے اندر جھانکنے کی اشد ضرورت ہے۔ جواب ہمیشہ صاف اور واضح ہوتا ہے مگر اس پر عمل عموماً دشوار ہوا کرتا ہے (ط م)۔

۱۴۔ مسلم حکومتوں کو چاہیے کہ اگر ان کی مذہبی امور کی وزارتیں اور نجی ادارے اسلامی تعلیم، مساجد کی تعمیر، فریضہ حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی، روزہ، نماز اور انتخاب کی آزادی پر مبنی تبلیغی سرگرمیوں کی مکمل طور پر حمایت کرتی ہوں تب بھی وہ مذہب کو ذاتی معاملہ سمجھیں (ق م)

۱۵۔ رشوت ستانی، غذائی اشیا اور دواؤں میں ملاوٹ، چوری اور ٹھگی اور منشیات کے استعمال سمیت مسلم حکومتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام بدعنوانیوں کا قلع قمع کریں جن سے انھیں بے پناہ نقصان پہنچ چکا ہے (ق م)۔

۱۶۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اسلام کی ایسی غلط تشریح سے گریز کریں جو اسے اس کی اصل

Marfat.com

شکل سے زیادہ مشکل بنادے۔ یہ عمل اسلام کے دین فطرت ہونے کے دعوے کو جھٹلانے کے مترادف ہوگا۔ اسلام نے جس حد تک "مسرت وانبساط" کی اجازت دی ہے اس کے تعین کے لیے تھوڑی بہت تحقیق کی ضرورت بھی ہے (م)۔

۱۷۔ مسلمانوں میں شادی کے طور طریقوں اور انداز پر نظر ثانی کی ضروت ہے تاکہ اسے فطری بنایا جائے۔ اس کی بنیاد دلھا، دُلھن کی حقیقی رضامندی پر ہو جیساکہ ہونا چاہیے اور پہلے ہوتا بھی تھا (م)۔

۱۸۔ مسلم لباس کا مطلب عرب یا پاکستانی لباس نہیں ہے۔ تاہم اس کے کچھ مقررہ قوانین ہیں۔ اگر ضروری ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ مغربی ممالک میں بلاخوف وخطر اپنا مقررہ لباس زیب تن کرنے کے حق کے تحفظ کے لیے قانونی چارہ جوئی کریں (ق م)۔

۱۹۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں جب مغرب اپنی انصاف پسندی پر نازاں ہے تو مغربی ذرائع ابلاغ مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ سخت انصافی سے کام لے رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنی ساکھ بہتر بنانے کے لیے کام کرنے کی ضروت ہے۔ حصول انصاف کے لیے بہتان تراشی اور افترا پردازی کے خلاف کسی عدالت میں آزمائشی مقدمہ چلانے پر بھی غور کیا جانا چاہیے۔ (ق م)۔

۲۰۔ امریکہ اور یورپ میں مسلم اسکالرز نے خاص طور پر نوجوانوں کے لیے بہت زیادہ دینی لٹریچر جدید انگریزی زبان میں تیار کیا ہے۔ ان کی کوششوں کے اعتراف اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ تمام ملکوں کے مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں (ق م)۔

۲۱۔ ذات، نسل، زبان، اقتصادی مرتبہ، فرقوں وغیرہ کی بنیاد پر مسلمان آپس میں بٹے ہوئے ہیں۔ انھیں اپنے درمیان حائل ہر قسم کی رکاوٹوں کو توڑ دینا چاہیے اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کرنا چاہیے (م) (ط م)۔

۲۲۔ اعلیٰ سرکاری افسروں کی قائم کردہ اچھی مثالیں باقی معاشرے کا رنگ ڈھنگ متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ موجودہ قوانین (یا ضرورت ہو تو نئے قوانین) پر منصفانہ اور صحیح طور پر عملدرآمد سے بھی مدد ملے گی۔ جرائم کے مرتکب سرکاری اہلکار عبرتناک

Marfat.com

سزاؤں کے مستحق ہیں۔ عوام کو اس کا یقین دلانا ضروری ہے کہ حکومت کا کام محض ان پر اپنا اقتدار مسلط رکھنا نہیں بلکہ ان کے مسائل کے حل میں مدد دینا بھی ہے (ق م)۔

۲۳۔ غیر مسلموں کو اور ان مسلمانوں کو بھی جو صرف نام کے مسلمان ہیں اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر دعوتی کام کی ضرورت ہے (ق م)۔

۲۴۔ اگر مسلمان اپنے افراد خاندان، اہل وطن اور غیر مسلموں کے لیے مثالی کردار کا نمونہ بن سکیں تو پوری دنیا کو درپیش بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ بدقسمتی سے مسلم ممالک اور بیرونی ملکوں دونوں جگہوں پر موجودہ دعوتی کاموں اور تبلیغی سرگرمیوں میں مسلمانوں کے حلیے، آیات کی تلاوت (جسے چند ہی لوگ سمجھتے ہیں) اور مذہبی رسوم پر ضرورت سے زائد زور دیا جاتا ہے۔

بہتر انسان بننے کے حوالے سے چیزیں کم نظر آتی ہیں۔ معرفت الٰہی اور بنی نوع انسان کی خدمت سے زیادہ اہمیت رسوم ورواج کو دی جاتی ہے۔ کامیاب دعوت کی پہلی آزمائش ہی یہ ہونی چاہیے کہ انسانی رویوں بالخصوص مسلمانوں کے آپس کے طرز عمل میں بہتری پیدا ہو (ق م)۔

۲۵۔ اگر مسلم ممالک آپس میں مل جل کر کام کرنے کا فیصلہ کر لیں تو وہ روحانی بلندی کے ایک حیران کن تجربے سے گزریں گے۔ مذکورہ بالا بہت سے روحانی مسائل معدوم ہو جائیں گے۔ موجودہ انتشار اور تفرقے کی کیفیت اور جس آسانی سے بہت سے لوگ مسلمانوں کو خرید سکتے ہیں اور جوڑ توڑ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں ان سب میں بھی کمی آجائے گی۔ روحانی احیا کے اس ماحول میں انفرادی طور پر مسلمان اسلام پر جزوی عمل، اصلاح ذات کی ضرورت اور مغربی طرز زندگی کے سحر کے مسائل سے نمٹ سکتے ہیں (ن)۔

(ب) فوجی مسائل:

۲۶۔ ۱۹۹۲ء کے دوران مسلم مسلح افواج کی عمومی نفری چوالیس لاکھ ترانوے ہزار کے لگ بھگ تھی جس میں بری افواج کی تعداد سینتیس لاکھ انتالیس ہزار، بحری افواج دو لاکھ بتیس ہزار اور فضائی افواج کی تعداد پانچ لاکھ اکیس ہزار سات سو تھی۔ مسلمانوں کی مسلح افواج کی

Marfat.com

مجموعی تعداد ہر اعتبار سے بہت بڑی ہے۔ تعداد کے اعتبار سے یہ افواج روئے زمین کی کسی بھی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ متعدد مسلم ممالک کی مسلح افواج نسبتاً جدید طرز کی ہیں۔ ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمانوں میں خود اعتمادی کا احساس ان کا حق ہے (ن)۔

۲۷۔ ایران اور کویت پر عراق کے حملے اور لیبیا و عراق پر امریکہ کے حملے کے بعد سے انفرادی طور پر مسلم ممالک کے حوصلے پست پڑے ہیں۔ دوسرے مسلم ممالک ان ملکوں کے دفاع کے لیے سامنے نہیں آئے۔ چنانچہ تقریباً تمام ہی مسلم ملک خود کو تنہا اور غیر محفوظ محسوس کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ کسی حد تک تعاون کے ذریعے وہ خود کو محفوظ تر اور نسبتاً زیادہ مضبوط محسوس کر سکتے ہیں (ن)۔

۲۸۔ فوجی کامیابیوں کے لیے (الف) ایک جائز اور اخلاقی مقصد (ب) دانش مندی، بہادری اور قیادت کے خلوص (ج) سیاسی حالات اور طبعی صورتحال کی موزونیت کے حوالے سے مناسب وقت کے تعین (د) فوجوں کی مناسب تعداد، تنظیم اور نظم و ضبط اور (ہ) بہتر ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو کوئی جنگ چھیڑنے کے بارے میں اس وقت تک سوچنا بھی نہیں چاہیے جب تک تمام پر امن ذرائع ختم نہ ہو گئے ہوں، جنگ کے ذریعے کسی واضح مقصد اور مفاد کے حصول کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ ہو اور عوام کی بھلائی یقینی ہو (ن)۔

۲۹۔ مسلمانوں کو اپنے داخلی اور بین الاقوامی تنازعات پر امن طور پر طے کرنے چاہییں تاکہ فوجی اخراجات میں کمی ہو سکے (ق م)۔

۳۰۔ مسلم ممالک میں فوجی اخراجات اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد کا تعین کرنے کی فوری ضرورت ہے۔ اخراجات کو فائدہ مند بنانے کے لیے طریقے تلاش کرنا ضروری ہے (ق م)۔

۳۱۔ فوجی بجٹ کو کنٹرول کرنے کی غرض سے بہت سے ماہرین نے تجویز کیا ہے کہ (الف) مستقل اور باقاعدہ افواج میں بڑے پیمانے کی کمی کی جائے (ب) تمام شہریوں کے لیے عام فوجی تربیت کا اہتمام کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ قومی رضاکار فوج یا جبری بھرتی پر

Marfat.com

انحصار بڑھایا جائے۔ (ج) مسلم ممالک اپنی اسلحہ سازی کی صنعت کو ترقی دیں اور (د) بیرونی ممالک سے ترقی یافتہ مگر انتہائی مہنگے روایتی سامان حرب کے حصول اور انتخاب میں انتہائی احتیاط سے کام لیا جائے۔ مسلم ممالک کو اپنے حق انتخاب اور متبادل صورتوں کے بارے میں خوب اچھی طرح غور و فکر کرنا چاہیے (ط م)۔

۳۲۔ کسی ایسے ترقی یافتہ سامان حرب کی خریداری پر پیسہ خرچ کر ڈالنا جو آنے کے کچھ ہی عرصے بعد متروک ہو جائے مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔ فوجی طاقت ایسی ہونی چاہیے جو اپنے بل پر حاصل کی جائے اور مستقل ہو (ن)۔

۳۳۔ اب تک عام فوجی تربیت اور خدمت سے بنیادی طور پر محض اس لیے گریز کیا گیا ہے کہ حکومتیں خود اپنے شہریوں پر اعتماد نہیں کرتیں۔ تمام مسلم ممالک کو اس پر غور کرنا چاہیے۔ اس پر اٹھنے والے نسبتاً معمولی اخراجات کی تلافی اس سے حاصل ہونے والے بے شمار فوائد سے ہو جائے گی (ق م)۔

۳۴۔ مسلمانوں کو مندرجہ ذیل شعبوں میں غیر مسلموں کی موجودہ بالادستی اور برتری تسلیم کرنے کی ضرورت ہے۔ (الف) فوجی طاقت (ب) اقتصادی قوت (ج) سائنس اور ٹکنالوجی (د) اقدار، مقاصد اور حکمت عملیوں کی یکسانیت اور (ہ) ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا واضح اور مفید نظام۔ مسلمانوں کو خلا پر کرنے اور عزت اور برابری کا درجہ حاصل کرنے کی غرض سے تمام محاذوں پر سخت محنت سے کام کرنے کی ضرورت ہے (ن)۔

۳۵۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ترقی یافتہ ٹکنالوجی کے لحاظ سے مسلمانوں میں فوجی کمزوری ایک مستقل شکل اختیار کر چکی ہے۔ مسلمان روحانی عقائد پر اتفاق و یکسانیت، کثرت تعداد، عام فوجی تربیت، اجتماعی طاقت اور خود اپنے دفاع کے لیے قربانی پر آمادگی کے ذریعے دفاع کی راہ نکال سکتے ہیں (ن)۔

۳۶۔ مغرب کو اس امر کا یقین دلانے کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمان پر امن بقائے باہمی کے خواہاں ہیں، اور کسی کو نقصان پہنچائے بغیر ترقی کرنا چاہتے ہیں نیز مغرب کے لیے مسلمانوں سے خوفزدہ ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے (ق م)۔

Marfat.com

۳۷۔ مسلم ممالک میں فوج کی پیشہ ورانہ صلاحیت میں اضافے کے لیے اقدامات کرنے کی بھی فوری ضرورت ہے (ق م)۔

۳۸۔ اسلام جارحیت کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اپنے دفاع اور ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے مسلم افواج کی نوعیت دفاعی ہونی چاہیے (ق م)۔

۳۹۔ مسلمانوں کے مابین امن قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے فوجی قوت کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں میں امن برقرار رکھنے والی ایک موثر فوجی تنظیم کی فوری ضرورت ہے۔ امن برقرار رکھنے والی فوجوں کے اخراجات باہمی طور پر متفقہ شفاف فارمولے کی بنیاد پر او آئی سی کے تمام رکن ملکوں کو برداشت کرنا ہوں گے۔ فوجوں کا انتخاب ترجیحاً رضاکاروں میں سے کیا جانا چاہیے۔ امن برقرار رکھنے کے لیے کی جانے والی ہر کارروائی کو او آئی سی کی مکمل تائید و حمایت حاصل ہونی چاہیے۔ ایک مرتبہ فوج بھیج دی جائے تو پھر اسے اس وقت تک تعینات رہنا چاہیے جب تک قیام امن یقینی بنانے اور مستقبل کی کارروائیوں پر اعتبار اور اعتماد کی فضا قائم کرنے کے لیے ضروری ہو۔ دیگر کثیر القومی افواج مثلاً ناٹو، وارسا پیکٹ اور اقوام متحدہ کی افواج، کے تجربات کا بھی بغور جائزہ لیا جانا چاہیے (ط م)۔

۴۰۔ دنیا کے کسی بھی حصے مثلاً فلسطین، بوسنیا، کشمیر، صومالیہ یا شیشان میں مسلمانوں کے مصائب ناقابل قبول ہیں۔ تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مغرب اور دیگر غیر مسلم طاقتوں کو ان مسلمانوں کے مسائل کا پرامن حل نکالنے پر آمادہ کرنے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ اگر دیگر تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو پھر مسلمانوں کو ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہونا پڑے گا۔ مسلمانوں کو ان مثالوں سے سبق حاصل کرنا ہو گا جو یہودیوں نے اپنے لوگوں کے دفاع کے لیے قائم کی ہیں (ط م)

۴۱۔ غیر مسلموں کے ساتھ فوجی توازن قائم ہونے کا کوئی امکان مستقبل قریب میں دور دور تک نظر نہیں آتا۔ حتیٰ کہ عرب، اسرائیل یا پاکستان۔ بھارت توازن بھی خارج از امکان نظر آتا ہے۔ تاہم ایک مسلم۔ اسرائیلی یا مسلم۔ بھارت یا مسلم۔ سربیا توازن کوئی ناممکن بات نہیں ہے (ن)۔

Marfat.com

۴۲۔ مسلمانوں میں موجودہ نفاق کے پیش نظر جو مسلمان ملک عالمی طاقتوں سے الجھیں گے انھیں ذاتی اور قومی سطح پر دھمکیوں، اقتصادی بلیک میل، تیسرے فریق کے حملوں، مختلف النوع تخریبی کارروائی اور بالآخر براہ راست حملے کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔(ن)۔

(ج) اقتصادی مسائل:

۴۳۔ متعلقہ مسلم ممالک میں مسلمانوں کی بنیادی اقتصادی ضروریات سے غفلت برت کر پچاس ممالک کو متحد کرنے والی مسلم امہ کی بات کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ قومی اقتصادی ترقی کی رفتار تیز کرنے، متوازن علاقائی ترقی اور انفرادی طور پر ملک کے اندر حفاظتی حصار مضبوط کرنے کے لیے کوئی موثر نظام وضع کرنا ہوگا(ن)۔

۴۴۔ بیشتر مسلمانوں کے لیے بار آور ملازمت کا حصول پہلی ترجیح ہے۔ تمام مسلم حکومتوں کو اپنے اپنے ملک میں بیروزگاری کم کرنے کو اولین ترجیح دینے کی ضرورت ہے۔ اس کا حل اقتصادی ترقی میں پوشیدہ ہے۔ مسلمانوں کو ایک گروپ کی حیثیت میں ایک مربوط بین الاقوامی لائحہ عمل کی منصوبہ بندی اور عملدرآمد کا اہتمام کرنا چاہیے(ق م)۔

۴۵۔ رشوت عوام پر ایک انتہائی غیر ضروری اقتصادی بوجھ ہے۔ مسلم حکومتوں کے لیے ضروری ہے کہ رشوت کا لین دین کرنے والوں کے لیے اس عمل کو غیر نافع بنائیں۔ اس سلسلے میں عالمی رہنماؤں، مسلم اور غیر مسلم دونوں، کی کامیاب کوششوں کی ہو بہو نقل وسیع پیمانے پر کی جانی چاہیے(ق م)۔

۴۶۔ اگر مسلمان متحد ہو جائیں تو ان کی بہت بڑی آبادی، قدرتی وسائل، وسیع سرزمین، اور قوت کے دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ ان کی ذمہ دار قیادت کی بنا پر دیگر اقوام کو ان کے خلاف نامناسب موقف اختیار کرنے کی ہمت نہیں پڑے گی(ن)۔

۴۷۔ مسلمانوں کو یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک "اسلامی امت واحدہ" کا نظریہ امیر اور غریب مسلم اقوام کے لیے یکساں طور سے پرکشش ہے۔ تعاون کے ثمرات سے عملی استفادہ کے ذریعے، جس کا مظاہرہ یورپی یونین، آسیان اور دیگر تنظیموں نے کیا ہے،

Marfat.com

تعاون کی برکات سمیٹنے کے لیے مسلمانوں کو تائید غیبی حاصل ہو سکتی ہے (م)۔

۴۸۔ مسلم ممالک میں مہمان (غیر ملکی) کارکنوں سے بدسلوکی کا سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ: (الف) اگر کبھی اسلامی قوم کے تصور کو عملی جامہ پہنایا گیا تو خاصے بڑے پیمانے پر محنت کشوں کی نقل و حرکت ہوگی۔ (ب) معاہدے کے مطابق حقوق کا احترام نہ کیا گیا تو دنیا کے باقی ممالک بھی تجارتی معاملات میں مسلمانوں کو زیادہ عزت و احترام کا مستحق نہیں سمجھیں گے اور (ج) اگر خود مسلم عرب ہی اپنے مہمان مسلم کارکنوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر سکتے تو پھر مسلمان دیگر قوموں سے یہ اصرار نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے مہمان کارکنوں کی عزت کریں (مثلاً ترکوں کے ساتھ جرمنی کا سلوک) (ق م)۔

۴۹۔ غیر مسلموں سے غیر ملکی امداد پر انحصار کم کرنا ضروری ہے۔ خود انحصاری کے سلسلے میں کسی حد تک مندرجہ ذیل ملکوں کے تجربات سے سبق حاصل کیا جا سکتا ہے: (الف) ۱۹۴۰ء کی دہائی سے ۱۹۷۰ء کی دہائی تک چین سے (ب) جنگ خلیج کے خاتمے کے بعد عراق کے تجربات سے اور (ج) انقلاب کے بعد کے عرصے میں ایران سے۔ ابتدا میں مشکلات اور معیار زندگی میں کمی سے دوچار ہونا پڑے گا جو پہلے ہی پست ہے۔ تاہم آخر کار مسلم زیادہ طاقت ور بن کر ابھریں گے اور باقی دنیا سے برابری کی بنیاد پر معاملہ کر سکیں گے (ط م)۔

۵۰۔ مسلمانوں کو محاصل کے مختلف طریقوں کا جائزہ لینا ہوگا جن میں زکوٰۃ بھی شامل ہے اور ٹیکسوں کی وصولیابی کے انتظامات کو بہتر بنانا پڑے گا۔ ٹیکسوں کے بہتر نظام اور وصولی میں موثر کارگزاری سے مالی خسارے میں بہت کمی ہو سکتی ہے اور غیر مسلموں سے غیر ملکی امداد کی ضرورت بھی کم ہو جائے گی (م)۔

۵۱۔ وسائل کو موزوں طور پر متحرک کرنے کا عمل یقینی بنانے کے لیے مسلمانوں کو ایسے لوگوں کے سرمایوں کے استعمال کے عوض سود کی ادائیگی کا کوئی متبادل طریقہ نکالنے کی ضرورت ہے جو کوئی خطرہ مول لینے کے لائق نہیں ہیں یا نفع و نقصان میں شراکت کے خواہش مند نہیں ہیں (م)۔

۵۲۔ جب تک مسلمانوں کی (الف) تعلیمی پالیسی میں نمایاں بہتری پیدا نہیں ہوتی (ب)

Marfat.com

تعلیم پر اخراجات میں اضافہ نہیں ہوتا اور (ج) مغرب کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات میں بہتری نہیں آتی اس وقت تک سائنسی تحقیق اور ترقی یافتہ ٹکنالوجی میں ان کے مزید پیچھے رہ جانے کا امکان ہے (ق م)۔

۵۳۔ مسلم حکومتوں اور نجی اداروں کو اپنے وسائل کا بہت بڑا حصہ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی پر خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک سازگار سائنسی ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان طلبہ کو وسیع پیمانے پر اطلاقی سائنس اور ٹکنالوجی کا علم حاصل کرنے اور ہر قسم کا تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مسابقتی تقاضوں کے باوجود ترقی یافتہ ٹکنالوجی کے منصوبوں پر تائیدی دلائل، منصوبہ بندی اور عملدر آمد کے ذریعے اخراجات کا سلسلہ جاری رکھنے کی ضرورت ہے (ق م)۔

۵۴۔ مسلمانوں کو ایک گروپ کی حیثیت سے پانی کی قلت سے متعلق مسائل کا جائزہ لینا چاہیے جس سے بہت سے مسلم ممالک متاثر ہو رہے ہیں اور اس صورتحال کو طویل المیعاد بنیاد پر بہتر بنانے کے لیے مناسب قدم اٹھانا چاہیے (م)۔

۵۵۔ اسلامی تعلیمات، وسیع مسلم خاندانوں کے فراہم کردہ معاشی تحفظات اور حالیہ جنگوں میں کثیر تعداد میں مسلمانوں کی اموات کے پیش نظر مسلم حکام کو آبادی میں اضافے سے متعلق اپنی پالیسیوں پر بڑے محتاط طریقے سے غور کرنا چاہیے۔ جو افراد اپنے بچوں کی پرورش اور مناسب تعلیم کے لیے اقتصادی وسائل رکھتے ہیں انھیں برتھ کنٹرول پر ضرورت سے زیادہ زور نہیں دینا چاہیے (ق م)۔

۵۶۔ مسلم حکومتوں کو تعلیم پر زیادہ توجہ اور ترجیح نیز سرکاری اور نجی شعبے میں تعلیم پر ہونے والے اخراجات میں اضافہ کرنے کے ذریعے اپنے عوام کی اقتصادی حالت بہتر بنانی چاہیے (ق م)۔

۵۷۔ مسلمانوں کو غربت کم کرنے، جہالت ختم کرنے، تعلیم اور صحت کا معیار اونچا کرنے، ماحولیات کی حالت بہتر بنانے اور اساسی ڈھانچے کو ترقی دینے کے لیے قومی اور اجتماعی وسائل وقف کر دینے چاہییں۔ افریقہ اور جنوبی ایشیا میں خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرنے والے

Marfat.com

مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد خصوصی مدد کی مستحق ہے (ق م)۔

۵۸۔ مرکزی، صوبائی اور مقامی (بلدیاتی) حکومتوں میں اختیارات کی تقسیم کے حوالے سے عدم مرکزیت میں اضافہ کرنے میں بڑی خوبی ہے۔ تمام مسلم حکومت کے افسروں اور لیڈروں کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

۵۹۔ اقتصادی، سیاسی، فوجی اور روحانی حوالوں سے جو کچھ کرنے کی ضرورت ہے ان میں زیادہ تر امور مسلمانوں کے مابین غیر متنازعہ ہیں اور غیر مسلم دنیا بھی ان کی حمایت کرتی ہے۔ اس سے مسلمانوں کو طاقت ملے گی اور کم از کم ان کا معیار اور طرز زندگی بلند ہو سکتا ہے۔ ملائیشیا اس سلسلے کی ایک اچھی مثال ہے (ن)۔

۶۰۔ جب تک ترقی کی حکمت عملی اور اس کے سانچے میں بہت بڑی مثبت تبدیلی نہیں آتی اس وقت تک مسلم ممالک اور مغربی ممالک کی فی کس آمدنیوں کے درمیان فرق بڑھتا رہے گا۔ اقتصادی ترقی کو متاثر کرنے والے تمام اہم عوامل (مثلاً مالیہ کی حرکت پذیری، اخراجات، قرضے، انسانی وسائل کی ترقی، دفاع وغیرہ) کا از سر نو جائزہ لینا ہوگا اور ان کی سمت دوبارہ متعین کرنی ہوگی۔ مسلمانوں کو اُن اہداف پر متفق ہو جانا چاہیے جو وہ آئندہ پانچ، دس بیس اور پچاس برسوں میں حاصل کرنا چاہتے ہیں اور پھر اسی کے مطابق انھیں عمل کرنا چاہیے (ق م)۔

(د) سیاسی مسائل:

۶۱۔ دنیا کے مختلف حصوں میں مسلم ریاستوں کے موجودہ اور پرانے دساتیر کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک کمیشن قائم کیا جائے اور پھر قرآنی تعلیمات پر مبنی ایک عملی اور مثالی آئین تجویز کیا جائے جس پر ہر مسلم حکومت غور کرے (م) (ط م)۔

۶۲۔ مسلمانوں کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ ہر جگہ مسلم عوام کی ترقی کے لیے فعال اور موثر انجمنیں قائم کریں جن کا مقصد مسلمانوں کی بہتری سے متعلق معاملات پر تبادلۂ خیال، بہتری کی صورت نکالنا اور اس پر عملدرآمد کرنا ہو (ق م)۔

۶۳۔ مسلم حکومتوں کو اپنے شہریوں بالخصوص خواتین کے انسانی حقوق کا احترام کرنا چاہیے۔

Marfat.com

منتخب نمائندوں، مذہبی تنظیموں اور عوام کو زیادتی کا نشانہ بننے والوں کی حمایت کے لیے آگے آنا چاہیے (ق م)۔

۶۴۔ مسلمانوں کو اپنے دفاع اور غیر مسلموں بالخصوص مغرب میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے ہتک عزت کی مخالف انجمنیں قائم کرنے کی ضرورت ہے (ق م)۔

۶۵۔ مسلمان ذرائع ابلاغ کو نظر انداز کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ان کے لیے صحافیوں اور ذرائع ابلاغ کی دوسری شخصیات سے رابطہ رکھنا اور انھیں مسلمانوں کا نقطۂ نظر جائز ہونے کے بارے میں قائل کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے (ق م)۔

۶۶۔ مسلمانوں کے لیے میڈیا پالیسی میں بہتر ربط پیدا کرنے اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ عامہ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنا پیغام تمام متعلقہ افراد تک پہنچانے کے لیے مسلمانوں کے پاس بھی ایسے ہی ذرائع کی ضرورت ہے جیسے اخبارات میں نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ، ریڈیو میں بی بی سی اور ٹیلی ویژن میں سی این این (ق م)۔

۶۷۔ مسلمانوں کو اپنے ملکوں کے کم ترقی یافتہ علاقوں میں ذرائع ابلاغ (خاص کر ٹی وی) کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے ابھی ایک طویل فاصلہ طے کرنا ہے۔ انھیں ہدایت و رہنمائی، تعلیمی مقاصد اور قومی، بین الاقوامی شعبوں میں ذرائع ابلاغ کے کردار کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے (ط م)۔

۶۸۔ مسلمانوں کو نشریاتی سگنلز وصول کرنے اور خود اپنی خبروں، نقطہ نظر اور ثقافت کی ترسیل کے مواقع استعمال کرنے کے حوالے سے نئی نشریاتی ٹکنالوجی کے مضمرات پر غور کی ضرورت ہے (ط م)۔

۶۹۔ مسلمانوں کو آج کے متنازع سیاسی مسائل کا جائزہ لینے اور ممکن ہو تو اس ضمن میں اپنے موقف پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ غیر مسلم طاقتوں کے ساتھ سیاسی تعلقات لازماً امہ کے مجموعی مفادات پر مبنی ہونے چاہییں (م)۔

۷۰۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ یہ وعدہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ (الف) تمام مسلمانوں کو ایک مسلم برادری کا حصہ تسلیم کریں گے۔ (ب) نسلی، لسانی اور ذات پات کی

Marfat.com

بنیاد پر داخلی جھگڑے ترک کر دیں گے (ج) کسی دوسرے مسلم ملک کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے (د) اپنے وسائل کو سیاحت، ثقافتی تبادلوں، زبانیں سیکھنے اور آپس میں شادیوں وغیرہ کے ذریعے ایک دوسرے کو سمجھنے پر صرف کریں گے اور (ہ) اپنے وسائل اپنی عدلیہ کو مضبوط بنانے اور ایک مستقل ادارے (مسلم بین الاقوامی عدالت) کے قیام کے ذریعے مسلمانوں کے مابین بین الاقوامی تنازعات و تصادم کے تصفیہ اور مسائل کے حل کے لیے خرچ کریں گے اور اس عدالت کے فیصلوں کی پابندی کریں گے (ق م)۔

۷۱: مسلم عوام کی تعلیم و ترقی تمام مسلم حکمرانوں کو عوام کے ساتھ اپنا طرز عمل بہتر بنانے پر مائل کرنے کا سبب بنے گی (ن)۔

۷۲۔ اسلام کی افضلیت کا مظاہرہ، دوسروں کو اسلام اور پر امن بقائے باہمی کی دعوت دینا ہی مسلمانوں کے مقاصد ہونے چاہئیں۔ اسلام دنیا میں دوسروں پر غلبہ و تسلط قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ پر امن ارادوں کا اظہار عمل کے ذریعے کرنا ضروری ہے (ق م)۔

۷۳۔ پر امن بقائے باہمی کے لیے مسلمانوں کو مغرب کو اس بات کا یقین دلانا ہوگا کہ وہ دنیا کو اُن اقتصادی وسائل سے محروم رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے جو مسلم ممالک کی سرحدوں کے اندر موجود ہیں (جن میں تیل اور گیس کے وسائل خاص طور پر شامل ہیں) (ق م)۔

۷۴۔ سوویت یونین کی شکست کے ساتھ ہی افغانستان میں مغرب کی دلچسپی ختم ہو گئی ہے۔ اب مغرب، مسلم اتحاد اور افغانستان میں ایک بنیاد پرست حکومت کے امکان سے خائف ہے۔ جیسا کہ ایران۔ عراق جنگ میں ہوا، مغربی ملکوں کو مسلمانوں کے مابین خونریزی روکنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ افغانستان کی خانہ جنگی اس کی ایک مثال ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد کو فروغ دینا کس قدر دشوار ہے۔ انفرادی طور پر مسلمان مطلب پرستی اور اپنے محدود ذاتی مفادات کے حصول کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں اور بیرونی قوتیں مسلمانوں کے اختلافات سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ (ن) ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمانوں کو اسلامی افغانستان میں امن و اتحاد کی فضا قائم کرنے کے لیے لازمی طور پر اور زیادہ کوششیں کرنی چاہئیں (ق م)۔

Marfat.com

۷۵۔ کشمیریوں کو واضح طور پر یہ فیصلہ کرنے کا موقع ملنا چاہیے کہ وہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا آزاد ہونا چاہتے ہیں (ن) کشمیر میں حق خودِ ارادیت کو یقینی بنانے کے لیے مسلمانوں کو مل جل کر کام کرنا چاہیے (ق م)۔ پاکستان اور کشمیری عوام کو برصغیر میں جامع امن کے لیے امریکہ کی کوششوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے (ق م)۔

۷۶۔ خواتین کے خلاف خفیہ اور اعلانیہ قانونی اور تنظیمی امتیاز ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ سیاسی قیادت، اسلامی مفکرین اور ذرائع ابلاغ اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اقتصادی کارکردگی کو بہتر بنانے، مساوات کو فروغ دینے اور مغرب کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کی غرض سے خواتین کے لیے مواقع میں اضافہ ضروری ہے (ق م)۔

۷۷۔ مسلم حکومتوں کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ انفرادی حیثیت میں مغرب اور باقی دنیا کے لیے وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ انھیں بڑی آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یورپی یونین کے تحت مغربی یورپ کی طرح اگر مسلم حکومتیں بھی ایک موثر کارگزار بلاک کی شکل میں متحد ہو جائیں تو ان کی اہمیت کہیں زیادہ ہو جائے گی (ن)۔

۷۸۔ مسلمانوں میں ایک دوسرے پر انحصار کا تصور اتنا بعید از قیاس نظر آتا ہے کہ خود مسلم رہنما بھی سنجیدگی سے اس پر توجہ نہیں دیتے۔ تاہم اسلامی تعلیمات، خودداری، جغرافیائی قربت اور مشترکہ مفادات کا تقاضہ یہی ہے۔ اس تصور کو آگے بڑھانا ضروری ہے۔ اعتماد پیدا کرنے والے کچھ اقدامات کرنے پڑیں گے (م)۔

۷۹۔ مسلم حکومتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں سے انسانی حقوق کے احترام کا مطالبہ کرنے سے پہلے خود اپنے عوام کے انسانی حقوق کا احترام کریں (ق م)۔

۸۰۔ مسلم ممالک میں مسلمانوں کے درمیان تشدد ختم کرانے کے لیے قومی قانونی نظام استعمال کرنا اور لڑائی جھگڑے کا تصفیہ کرانے کی دیگر تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے (ق م)۔

۸۱۔ پریس کی آزادی یقینی ہونی چاہیے۔ ذرائع ابلاغ کی جانب سے جن لوگوں کو ناجائز طور پر بدنام کیا جائے، ان کے خلاف بہتان تراشی کی جائے، یا انھیں انفرادی یا اجتماعی طور پر ضرر

Marfat.com

پہنچایا جائے انھیں قانونی چارہ جوئی کا موقع فراہم کرنا بھی ضروری ہے (ق م)۔

۸۲۔ مسلم حکومتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے حکام کو کھلی چھوٹ دے کر کارروائی سے بچانے اور تحفظ فراہم کرنے والے قوانین پر نظر ثانی کریں اور ان میں ترمیم کریں۔ حکومتوں کی دیانت دارانہ اور موثر کارکردگی میں اضافے کے لیے حکام کو عام معافی اور تحفظ کی فراہمی کا سلسلہ کم کیا جانا چاہیے (ق م)۔

۸۳۔ اسلام ایک عادل اور راست باز حکمراں کے فراہم کردہ استحکام کی حمایت کرتا ہے مگر بدعنوان حاکم کی نافرمانی بلکہ اس کے خلاف بغاوت کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ قومی دساتیر اور اسلام کے ذریعے انھیں جو حقوق ملے ہیں وہ انھیں استعمال کرنا سیکھیں (ن) (ق م)۔

۸۴۔ مغربی عوام میں بھی سرکاری عہدے کے لیے اپنے یہاں انتخابات میں پیسے اور ذرائع ابلاغ کی حد سے زیادہ طاقت اور اثرات کا احساس پیدا ہونے لگا ہے۔ وہ ایسے لوگوں کو سیاسی طاقت دینے سے جن کے پاس ڈھیر ساری دولت ہو، یا ذرائع ابلاغ کے زیرِ اثر آنے سے ہچکچاتے ہیں۔ مسلم ممالک میں بھی آگہی کے ایسے ہی شعور اور اکراہ کی اسی کیفیت کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے تاکہ مسلم ممالک بھی حقیقی معنوں میں نمائندہ حکومتوں کے قیام کی سمت پیش رفت کر سکیں (ن)۔

۸۵۔ شہری یہ چاہتے ہیں کہ منتخب نمائندے عام آدمی کو درپیش مسائل کا احساس کریں۔ رائے دہندگان چاہتے ہیں کہ وہ منتخب نمائندوں تک آسانی سے پہنچ سکیں تاکہ وہ ان کا معیار زندگی بلند کرنے میں ان کی مدد کریں (ق م)۔

۸۶۔ اسلام میں جانشینی یا رہنماؤں کو ان کے منصب سے ہٹانے کے لیے کوئی اصولی نظام موجود نہیں ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے جانشین چاروں خلفائے راشدین نے تاحیات خدمات انجام دیں لہٰذا پرامن انداز میں میعادی تبدیلی کے لیے متفقہ اور قابل تقلید مثال قائم نہیں ہو سکی۔ بعد میں آنے والوں نے خاندانی حکومت کو رواج دیا اور حکمرانوں کی وفات پر ان کے وارثین برسر اقتدار آتے رہے۔ بیشتر ملکوں کے دساتیر میں جانشینی کا ایک

Marfat.com

طریقہ کار تو متعین کیا گیا ہے مگر اسے اکثر سبوتاژ کر دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو منظم انداز میں حکومتوں کی تبدیلی کے عمل سے مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے (م)(ق م)۔

۸۷۔ اگر پچاس کے لگ بھگ مسلم ممالک کسی جائز مقصد کے لیے ایک ہو جائیں اور ان کے ایک ارب سے زائد عوام کی تائید و حمایت بھی انھیں حاصل ہو تو وہ ایسی مثبت قوت میں ڈھل سکتے ہیں جسے شکست دینا مشکل ہوگا (ن)۔

۸۸۔ او آئی سی، مسلم حکومتوں اور فکری اداروں کو ایسی حکمت عملی وضع کرنی چاہیے جو مسلمانوں کے مرتبہ و مقام کے لیے زیادہ سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہو۔ اور انھیں کم سے کم قیمت ادا کرنی پڑے (ن)۔

۸۹۔ مسلمانوں کو بہتر قیادت کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو ایسے رہنماؤں کی ضرورت ہے جو امہ کی طاقت اور کمزوریوں سے واقف ہوں، جو حالات کو جوں کا توں رکھنے پر معترض ہو سکتے ہوں اور جو تمام مسلمانوں کے لیے بہتر مستقبل پر یقین رکھتے ہوں (ن)۔

۹۰۔ صبر اور کوشش کے ذریعے اسلام اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان تعاون میں اضافہ ممکن ہے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ایک دوسرے کے اہم مفادات کا احترام کرنے کی ضرورت ہے۔ جو جتنا کمزور ہوگا اسے اتنا ہی زیادہ احترام کا مظاہرہ بھی کرنا پڑے گا (ن)۔

۹۱۔ عربوں میں نہ صرف آپس میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے بلکہ مغربی پریس کے مطابق وہ تنہائی میں مغربی طاقتوں پر زور بھی دیتے رہتے ہیں کہ وہ ان کے عرب دشمنوں کو خوب اچھی طرح سے سزا دیں۔ انھیں چاہیے کہ وہ اپنے طویل المیعاد مقاصد کے بارے میں ضمیر کو ٹٹولیں، بین العرب تعلقات بہتر بنانے کی خصوصی کوشش کریں اور اپنے اندرونی حالات درست کریں (ق م)۔

۹۲۔ مسلم حکومتوں کو اپنے علاقوں میں غیر مسلموں کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے وہ سب کچھ کرنا چاہیے جو ان کے بس میں ہو (ق م)۔

۹۳۔ مغرب اور اس کے ذرائع ابلاغ کو یہ باور کرانا اشد ضروری ہے کہ وہ افراد کی مجرمانہ

Marfat.com

کارروائیوں اور اسلامی تعلیمات کے درمیان فرق محسوس کریں (ق م)۔

۹۴۔ بہت سے مسلمانوں کو اکثر اہل مغرب کا طرز عمل مثالی محسوس ہوا ہے اور انھیں ان میں اچھی اسلامی خصوصیات نظر آئی ہیں۔ بعض لوگ تو مغرب کی کامیابی کو اس حقیقت سے منسوب کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مقابلے میں اسلامی تعلیمات پر تو اہل مغرب زیادہ عمل کرتے ہیں (ن)۔

۹۵۔ جن اقوال و نظریات سے عالمی طاقتوں کو کوئی خطرہ نہیں وہ اسلامی طرز عمل میں بھی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور عام مسلمانوں کی زندگی بہتر بنانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سرگرمیوں ہی سے ابتدا کر دینا چاہیے (ق م)۔

۹۶۔ سعودی عرب، اردن، پاکستان اور بنگلہ دیش کے تجربات کی بنیاد پر تمام اسلامی حکومتوں پر یہ ٹھپہ لگانا غلط ہے کہ وہ (الف) جدید سیاسیات اور طرز حکومت کی مخالف ہیں اور (ب) مغرب سے مخاصمت رکھتی ہیں (ن)۔

۹۷۔ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں اتحاد تشکیل دینے کی کوشش کرنی چاہیے خواہ ان اتحادوں کا تعلق کسی ایک یا انفرادی مسائل سے ہی کیوں نہ ہو۔ ہر جگہ بین الاقوامی بھائی چارے، اقلیتوں کے حقوق اور قیام امن کے حامی گروپوں کو اتحادی بنایا جا سکتا ہے (ق م)۔

۹۸۔ تمام مسلمانوں کو مشرق وسطیٰ میں پرامن تصفیہ کے عمل کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ اس سے فلسطینیوں، شامیوں، اردنیوں، لبنانیوں اور اسرائیلیوں کی مصیبتوں اور مشکلات کا طویل سلسلہ ختم ہو سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں باقی مسلمانوں پر سے اسرائیلی اور مغربی دباؤ بھی کم ہو سکتا ہے (ق م)۔

۹۹۔ مسلمانوں کو مغربی ممالک میں عوام کو اپنے مشترکہ ورثہ اور عقائد کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے تعلقات عامہ کی مہم شروع کرنی چاہیے۔ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں جو انھیں متحد کر سکتیں ہیں (ق م)۔

۱۰۰۔ برصغیر میں ہندوؤں کے ساتھ بھی مشترکہ ورثے پر تحقیق کرنے، سمجھنے اس کی

Marfat.com

اہمیت کو نمایاں کرنے اور اعتماد کی بنیاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی پر بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش کے ایک ارب سے زائد عوام کی فلاح و بہبود کا دار و مدار ہے (ق م)۔

۱۰۱۔ مسلمانوں کے پاس بودھوں اور دیگر عظیم مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ بھی پرامن بقائے باہمی کے لیے اچھی بنیاد موجود ہے۔ تعلقات بہتر بنانے کی کوششیں ضروری ہیں (ق م)۔

۱۰۲۔ مسلمانوں کو باہمی حقوق کے تحفظ کے لیے ہر جگہ اقلیتی گروپوں کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ ماضی میں سیاہ فام لوگوں، یہودیوں، امریکی ہندیوں اور ہسپانوی امریکنوں نے امریکہ میں شانہ بشانہ جدوجہد کی اور ایک دوسرے کے مقاصد میں مدد کی۔ اگر مستقبل میں مسلمانوں کو دوسروں کی مدد کی خواہش ہے تو پھر انھیں بھی دوسروں کے ساتھ کام کرنا ہوگا اور ان کی مدد کرنی ہوگی (ق م)۔

۱۰۳۔ مسلمانوں کے مابین اتفاق رائے کی جو بھی صورت بنے چاہے وہ غیر نمائندہ حکومتوں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ انھیں اس کا فائدہ اٹھانا چاہیے اور مفید تجاویز پر عملدرآمد کا اہتمام کرنا چاہیے (ق م)۔

۱۰۴۔ امریکہ کی سیاست میں امریکی مسلمانوں کا اثر و رسوخ آنے والے دنوں میں ایک موثر حربہ ثابت ہو سکتا ہے۔ بہت سے امریکی مسلمانوں، بالخصوص نوجوان نسل نے، اپنے وطن میں سیاسی عمل میں شرکت کی اہمیت محسوس کر لی ہے اور اب وہ زیادہ سرگرم ہوتے جا رہے ہیں۔ انھیں بہت زیادہ تعصب اور مخالفت کا سامنا ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سیاست میں نوجوان امریکی مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور مدد کریں (ق م)۔

۱۰۵۔ نئے وطن اور اس کی ثقافت میں دیانت دارانہ، بامعنی طریقے سے، قابل قبول حدود کے اندر رہتے ہوئے رچ بس جانے کے عمل کو اکثر مسلم تارکین وطن مسترد کر دیتے ہیں۔ نئے ماحول میں ڈھل جانا اس وقت تک کوئی غیر اسلامی فعل نہیں ہے جب تک اسلامی عقائد پر مفاہمت نہیں کی جاتی (ن)۔

۱۰۶۔ امریکی اور یورپی مسلمانوں کو مذہب اور حکومت کی علاحدگی سے متعلق ملکی قوانین کی

Marfat.com

پابندی لازماً کرنی چاہیے۔ سیاست میں شرکت عوامی خدمت کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ تاہم انفرادی زندگی میں لازماً اسلام ہی کو غالب عنصر رہنا چاہیے (ق م)۔

۱۰۷۔ کسی غیر مسلم ملک میں سیاسی عہدہ حاصل کرنے کے خواہش مند کسی بھی مسلمان کے لیے اس وقت تک رائے دہندگان کی اکثریت کی حمایت حاصل کرنا دشوار ہوگا جب تک ان کی اکثریت مسلمانوں یا دیگر ہم خیال افراد پر مشتمل نہ ہو۔ مسلمانوں میں سیکولر ذہن رکھنے والوں کی کامیابی کا امکان نسبتاً بہتر ہے۔ راست باز، باعمل مسلمانوں کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا جب تک مغرب میں اسلام کے خلاف تعصب میں نمایاں کمی نہیں آجاتی۔ بعض لوگ یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ آیا سیکولر سوچ رکھنے والا شخص سچا مسلمان کہلانے کا مستحق ہے مگر مسلم رائے دہندگان کو حمایت اسی شخص کی کرنی چاہیے جو ان کے مقاصد سے ہمدردی رکھتا ہو (ن)۔

۱۰۸۔ امریکی اور یورپی مسلمانوں کے لیے سرکاری پالیسی کی تشکیل اور طاقت واقتدار کی سیاست میں مفکرین اور ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ انھیں خود اپنی فکری تنظیمیں قائم کرنے، ان کو سرمایہ فراہم کرنے اور یہ اختیار دینے کی ضرورت ہے کہ وہ پورے وثوق سے بات کریں اور مسلم مفادات کا دفاع کریں (ق م)۔

۱۰۹۔ یہ بات واضح ہے کہ امریکی اور یورپی مسلمانوں کے بارے میں ان کے ہم وطن یا منتخب نمائندے کچھ زیادہ اچھی رائے نہیں رکھتے۔ ان مسلمانوں کو برادری میں اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے اور زیادہ کوششیں کرنی ہوں گی (ق م)۔

۱۱۰۔ غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود کو روحانی، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے مضبوط بنائیں۔ انھیں اپنے ساتھی شہریوں کو قائل کرنا ہوگا کہ ان کا مذہب ایک شان دار مذہب ہے اور عیسائیت، ہندو دھرم، بدھ مت اور یہودیت کی طرح لائق تعظیم بھی (ط م)۔

۱۱۱۔ امریکہ میں وسیع پیمانے پر ووٹروں کے رجسٹریشن کی مہمات اور انتخابی عمل میں شرکت سے تمام اقلیتوں کو مدد ملی ہے۔ معمولی مگر وسیع بنیاد پر سیاسی چندوں سے بہت سے

Marfat.com

سیاسی امیدواروں کو تقویت ملی۔ مسلمانوں کو دوسروں سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنی پسند کی سیاسی جماعتوں اور امیدواروں کے لیے اپنی جیبیں کھول دینی چاہییں۔ سیاسی عمل میں شرکت ہر امریکی شہری کا حق اور ہر امریکی مسلمان کا فرض ہے (ن)۔

۱۱۲۔ استطاعت رکھنے والے تمام افراد کی طرف سے اسلامی تنظیموں کے لیے فراخدلانہ اعانت کے بغیر مسلمان اپنی ممکنہ بھرپور مذہبی یا سیاسی قوت حاصل نہیں کر سکتے۔ تمام مسلمانوں کے لیے اعانت میں اپنا اپنا حصہ ادا کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ انفرادی طور پر دیے جانے والے معمولی چندے بھی جمع ہو کر بہت بڑی رقم بن سکتی ہے (ق م)۔

۱۱۳۔ فرانس، چین، جرمنی، بھارت اور دیگر غیر مسلم اکثریتی آبادی والے ملکوں کے مسلمان معاشی اور سیاسی طور پر کمزور ہیں۔ شہریوں اور تارکین وطن کی حیثیت سے اپنے بنیادی حقوق کی ضمانت کے لیے انھیں مسلم حکومتوں کی سیاسی حمایت کی ضرورت پڑ سکتی ہے (ن)۔ مسلم اور غیر مسلم حکومتوں کے سربراہوں کے درمیان ملاقاتوں کے مواقع پر مسلمانوں کے لیے بجاطور پر باعث تشویش معاملات پر ضرور بات کرنی چاہیے۔ اسرائیل اور یہودی امریکی برادری نے روسی یہودیوں کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ مسلم حکومتوں اور امہ کو چاہیے کہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کی حمایت میں ویسا ہی کردار ادا کریں (ق م)۔

۱۱۴۔ موجودہ عالمی نظام کے تحت (الف) مسلمانوں پر وہی رہنما حکومت کرتے رہیں گے جو اپنے عوام کے بجائے مغربی طاقتوں کے وفادار ہیں۔ (ب) مسلمہ عالمی نظام کو چیلنج کرنے کی خواہش مند مسلم حکومتوں کو فوراً سزا ملے گی۔ (ج) حالت موجودہ کے لیے سنگین چیلنج کا سبب بننے والی مقامی مسلم تحریکوں کو جس حد تک ضروری ہو گا پوری سختی اور طاقت سے کچلا جاتا رہے گا۔ (د) بیرونی طاقتیں مسلم اقوام کے مابین لڑائی جھگڑے کو تمام ممکنہ ذرائع سے، جن میں مدد کا وعدہ بھی شامل ہے، ہوا دیں گی۔ یہ تمام باتیں اس وقت تک ہوتی رہیں گی جب تک کہ ہر جگہ عام مسلمان اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے مل جل کر کام کے لیے آمادہ نہیں ہو جاتے (ن)۔

Marfat.com

۱۱۵۔ بعض لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ کمیونزم کی شکست کے بعد مستحکم بنیادوں پر قائم عالمی نظام کے لیے، کمزور اور دیر آشنا سہی، مسلمان ہی سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ مغرب میں آباد مسلمانوں کو اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر (الف) اپنے مسکونہ ملک کے جمہوری عمل میں بھرپور طریقے سے شرکت کرنی چاہیے۔ (ب) مقامی طور منتخب حکام کے ساتھ تعلق اور اتحاد قائم کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (ج) بقائے باہمی پر یقین رکھنے والوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنا چاہیے۔ (د) قانونی نظام سے مدد حاصل کرنی چاہیے (ق م)۔

۱۱۶۔ او آئی سی بے حد مفید ثابت ہوئی ہے۔ یہ تنظیم تمام مسلم حکومتوں کے رہنماؤں کے لیے وقتاً فوقتاً ملاقاتوں کا نظام فراہم کرتی ہے۔ اسلامی ترقیاتی بینک نے فنڈ مہیا کیے ہیں جن کی بڑی ضرورت تھی۔ تاہم بینک کی نوعیت، ضروریات اور مقاصد کے بارے میں او آئی سی کے رکن ممالک میں وسیع اختلافات نے اسے حقیقی معنوں میں موثر ادارہ بننے سے باز رکھا ہے (ن)۔ او آئی سی کو اور زیادہ موثر بنانے کے راستے نکالنا ضروری ہے (ق م)۔

۱۱۷۔ کامیابی کے لیے متعدد عوامل بڑے اہم ہیں جن میں واضح بصیرت، اچھی حکمت عملی، سخت محنت، مقصد کے بارے میں ذہنی یکسوئی اپنے مشن کے معقول جواز پر یقین، ناکامیوں کی صورت میں ثابت قدمی کا مظاہرہ، کامیابی کی خواہش اور تمام دستیاب قانونی ذرائع کا استعمال شامل ہے۔ مسلم قیادت میں یہ تمام اوصاف موجود ہونے ضروری ہیں۔ باقی امہ کو بھی اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ تمام تر اجتماعی کوششوں کی بنیاد پر کامیابی کا فیصلہ ہوگا (ن)۔

۱۱۸۔ مسلمان اپنی روزمرہ کی معاشی بقا میں بری طرح الجھے نظر آتے ہیں۔ انھیں خاندان، پڑوس، شہر، گاؤں کی سطح، صوبائی، قومی اور بین الاقوامی غرض ہر سطح پر شرکت کا گر سیکھنا چاہیے۔ سب سے کٹ کر الگ تھلگ رہنے کے بجائے نئے عالمی نظام کے تحت نیکی کی حمایت اور بدی کی مخالفت میں سرگرمی سے حصہ لینا چاہیے (ق م)۔

۱۱۹۔ تمام مسلم ملکوں کے رہنما بہتر زندگی اور طور طریقوں کے جویا ہیں۔ اگر ان کی بنیادی الجھنیں رفع ہو جائیں تو ان سب کو مسلم یکجہتی کے لیے کام کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے (م)۔

Marfat.com

۱۲۰۔ اسلام میں کوئی جبر نہیں ہے اس لیے طویل المیعاد حل بقائے باہمی میں ہی مضمر ہے۔ تاہم اپنی بے پناہ طاقت کی بنا پر مغرب سنجیدگی سے اس میں کوئی دلچسپی لیتا نظر نہیں آتا۔ مغرب اور طریقوں کے علاوہ مسلمانوں میں مسلسل پھوٹ کے ذریعے اپنی بالادستی برقرار رکھنے کو ترجیح دیتا ہے۔ تاہم مسلمان متحد ہو جائیں تو صورتحال تبدیل ہو جائے گی۔ اگر فریق ثانی کو متحد اور پر عزم مسلمانوں، امکانی نقصانات، جنگ کی عدم افادیت اور اس معاملے میں جنگ کی ناانصافی کا احساس ہو جائے تو پھر وہ بھی عزت کے ساتھ بقائے باہمی کی خواہش کرے گا (ط م)۔

۱۲۱۔ یہ توقع رکھنا غیر حقیقت پسندانہ بات ہے کہ موجودہ مسلم قومی ریاستیں جلد ہی کسی مرحلے پر ایک قومی تشخص میں ضم ہو جائیں گی۔ مسلم اتحاد کے داعی زیادہ سے زیادہ اس سمت میں بتدریج پیش رفت کی توقع کر سکتے ہیں۔ تعاون میں اضافے کے لیے بہت سے درمیانی مدارج ہیں: یورپی یونین کی مثال لائق توجہ ہے۔ اس کے بعد یکساں کرنسی، مشترکہ دفاع اور خارجہ پالیسی کے لیے باضابطہ اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ اگر متعلقہ فریق ان تجاویز سے مطمئن ہوں تو انضمام کا مرحلہ بہت بعد میں آئے گا جس کے نتیجے میں کنفیڈریشن یا فیڈریشن قائم ہو سکے (ق م)۔

۱۲۲۔ اگر مسلمان عہد حاضر کی طاقتوں کے لیے حقیقی یا تصوراتی خطرہ بننے سے گریز کریں تو وہ یہ توقع کر سکتے ہیں کہ ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور وہ برا، بھلا وقت گزار لیں گے۔ اگر وہ اپنی توجہ اُن ترجیحات پر مرکوز کریں گے جن پر مسلمانوں اور مغرب کے درمیان نقطہ نظر میں یکسانیت پائی جاتی ہے تو پھر انھیں نئے عالمی نظام کے تحت امداد بھی مل سکتی ہے (ق م)۔

ہ۔ خلاصہ:

۱۲۳۔ مسلمانوں کی نظریں ترقی، اور نئے عالمی نظام کے تحت برابری کی بنیاد پر شرکت کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اقتصادی، سیاسی، روحانی اور فوجی محاذوں پر ترقی بھی اشد ضروری ہے۔ ان میں سے ہر شعبے کے مقاصد اوپر زیر بحث آ چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کو ایک گروپ

Marfat.com

کی حیثیت سے (الف) مناسب غذا، رہائش، تعلیم اور علاج معالجہ کی اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہونا چاہیے۔(ب) مستحکم اور نمائندہ حکومتیں بنانی چاہییں جو ایک دوسرے کے ساتھ قریبی تعاون کریں(ج) رواداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور اگر ممکن ہو تو مذہبی تشریحات میں آپس کے اختلافات پرامن طور پر طے کرنے چاہییں۔(د) اتنا طاقت ور ہونا چاہیے کہ اپنی سرحدوں کا دفاع خود کر سکیں، اور اہم مفادات کے دفاع میں دوسرے مسلم ممالک کی مدد کر سکیں۔ مذکورہ بالا اقدامات سے مسلمانوں کو دنیا میں خود کفیل، پرامن اور مضبوط گروپ کی حیثیت سے ابھرنے میں مدد ملے گی۔ اس سے ان میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور دوسرے لوگ بھی ان کی عزت کریں گے۔ انھیں نئے عالمی نظام کے تحت مکمل شریکِ کار سمجھا جائے گا (ط م)۔

۱۲۴۔ مسلمانوں کے لیے حکمت عملی متعدد اقدامات پر مشتمل ہوگی۔ (الف) مقامی باشندوں کے طویل المیعاد مفادات پر زور دیا جائے اور داخلی مسائل کے حل کے لیے تندہی سے کام کیا جائے۔ (ب) دیگر مذاہب کے پیروکاروں اور عالمی طاقتوں کے ساتھ حقیقی معنوں میں پرامن بقائے باہمی کو قبول کیا جائے۔(ج) جن امور پر مغرب کے نقطۂ نظر سے ہم آہنگی پائی جاتی ہے ان پر عملدر آمد کیا جائے۔(د) مذکورہ بالا قوت کو مستحکم کیا جائے اور کمزوریاں دور کی جائیں۔ (ہ) تعاون اور یکجہتی میں اضافہ کیا جائے۔ (و) تصفیہ طلب فوجی مسائل جلد از جلد حل کیے جائیں۔ (ز) ٹکنالوجی، افرادی طاقت کے فروغ اور لازمی فوجی تربیت پر اخراجات کے ذریعے دفاعی صلاحیت میں اضافہ کیا جائے۔ یوں انشاء اللہ مسلمان ترقی کریں گے (ط م)۔

۱۲۵۔ مسلمانوں کو عالمی فوجی طاقت کے ڈھانچے کا بڑی احتیاط سے جائزہ لینا چاہیے۔ انھیں کسی بھی قوم بالخصوص ایٹمی ہتھیار رکھنے والی قوموں سے تصادم سے بچنا چاہیے۔ انھیں اتحاد میں اضافے اور دیگر ذرائع سے خود کو مضبوط بنانا چاہیے۔ انھیں اپنے جذباتی اور غیر حقیقت پسند رہنماؤں سے ہوشیار رہنا چاہیے اور خود کو امن کا خوگر بنانا چاہیے۔ نئے عالمی نظام کے تحت اس کے ممکنہ حد تک بہترین نتائج بر آمد ہوں گے (ق م)۔

Marfat.com

۱۲۶۔ جب مسلمان اصلاح ذات اور اپنی مدد آپ کے لیے اپنے پروگراموں پر عمل در آمد شروع کریں گے تو انھیں اس کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے کہ مغرب سے ملنے والی تمام اقتصادی، سیاسی اور فوجی امداد پر سختی سے نظرثانی اور تخفیف ہو سکتی ہے۔ تاہم جب دیگر قوموں کو (الف) مسلمانوں کی پرامن اور تعمیری اصلاحات کا یقین ہو جائے گا اور (ب) وہ یہ دیکھیں گی کہ مسلمان ہمیشہ کے لیے ایک طاقت بن چکے ہیں تو ان کی عزت و تکریم ناگزیر ہو جائے گی اور امید یہی ہے کہ دباؤ میں بھی کمی آجائے گی (ط م)۔

۱۲۷۔ اس کتاب میں مسلمانوں کی ہمہ جہت اور مربوط ترقی کے حوالے سے معاملات کو بہت ہلکے انداز میں کریدا گیا ہے۔ بہت سے دوسرے مسلمان بھی اس بارے میں غور و فکر کر رہے ہیں اور انھیں مقاصد کے حصول کے لیے کام کر رہے ہیں۔ خالق کائنات سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو صحیح راستہ دکھائے اور اسے ایک بہتر دنیا بنانے میں ان کی مدد کرے۔ آمین۔

اے اللہ! میرے گناہوں، بے خبریوں، میرے معاملات میں اسراف اور میری ان تمام کوتاہیوں کے لیے جنھیں تو جانتا ہے مجھے معاف کردے اے اللہ! میری حرص و ہوس، اور نادانیوں کو معاف فرما، میری دانستہ اور نادانستہ غلطیوں اور میری ہر خامی اور خطا سے درگزر فرما۔ اے اللہ! میرے اگلے پچھلے، کھلے اور ڈھکے تمام گناہ معاف فرما جن کے بارے میں تو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ تو اول ہے اور تو ہی آخر اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

Marfat.com

مزید مطالعہ کے متقاضی موضوعات

۱۔ مسلمانوں کی قوت مستحکم کرنے اور روحانی، اقتصادی، سیاسی اور فوجی شعبوں میں ان کی کمزوریاں کم کرنے کے لیے لائحہ عمل۔

۲۔ اسلامی حکومتوں کا مجوزہ آئین جس پر موجودہ عہد میں عمل کیا جا سکتا ہو۔

۳۔ قرآن میں جھگڑے کا تصفیہ کرانے کے اصول۔

۴۔ اسلام میں دیرینہ متنازعہ مسائل طے کرانے میں اجماع اور اجتہاد کا کردار۔

۵۔ یہ بات دلیل سے ثابت کرنے کے طریقے کہ "ایک مسلم قوم" کا تصور امیر اور غریب دونوں طرح کی مسلم اقوام کے لیے پرکشش ہے۔

۶۔ مسلم یکجہتی کے حصول کے لیے انسب اقدامات۔

۷۔ مسلم مذہبی قیادت (یعنی عدالت) قائم کرنے کے طریقے جو مذہبی جھگڑوں کی روک تھام کی اہل ہو اور مذہبی تعلیمات کی متنازعہ تشریحات کی وضاحت کر سکے۔

۸۔ مسلمانوں کا ایک دوسرے پر انحصار کرنے کا تصور۔

۹۔ قرآن و سنت کی بنیاد پر خواتین سے متعلق مسائل پر اسلامی موقف کی واضح اور قطعی تشریح۔

۱۰۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بہتر انتظامات، اس سے غیر مسلموں سے امداد کی ضرورت بہت کم ہو سکتی ہے۔

۱۱۔ نفع و نقصان میں شراکت کی خواہش نہ رکھنے والوں کے سرمائے کے استعمال کے بدلے سود

Marfat.com

کی ادائیگیوں کی متبادل صورت۔

۱۲۔ اسلام کی طرف سے "مسرت وانبساط" کی منظور شدہ حدود کے بارے میں تحقیق اور ان کا تعین۔

۱۳۔ مسلمانوں کی شادی کے انتظامات پر نظر ثانی تا کہ شادی کے عمل کو سابقہ فکر اور دستور کے مطابق فطری بنایا جاسکے۔

۱۴۔ پانی کی قلت سے متعلق مسائل اور پائیدار طویل المیعاد بہتری کے لیے مناسب اقدامات۔

۱۵۔ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ مشترکہ ورثہ پر تحقیق، انھیں سمجھنے اور اسے نمایاں کرنے کی ضرورت۔

۱۶۔ بیسویں اور اکیسویں صدی کے حالات کے سیاق و سباق میں اسلامی تجاویز کا منظم طریقے سے اندازہ لگانا۔ اس کے لیے بڑی کوشش کی ضرورت ہوگی اور بہت غور وفکر اور تحقیق کرنی پڑے گی۔ تاہم اس سے بے شمار مسلمانوں کی کھوئی ہوئی خوداعتمادی دوبارہ حاصل کرنے میں مدد ملے گی اور یہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۷۔ مسلم ممالک کے مابین تعاون میں اضافہ اور ان کی یونین کی صورت قابل عمل ہونے کا جائزہ جس میں ان کی نسبتی قوتیں اور کمزوریاں، ثانوی اقدامات، اعتماد پیدا کرنے والے اقدامات، اور ایک نظام الاوقات شامل ہے۔

Marfat.com

Useful Further Reading

Holy Qur'an. Translated by Abdullah Yusuf Ali. Brentwood, Maryland: Amana Corp., 1989.

Al Ahsan, Abdullah. OIC: The Organization of Islamic Conference (An Introduction to an Islamic Political Institution). Herndon: IIIT, 1988.

Asad Mohammad. Islam at the cross roads: Dawa Aacdemy, 1990.

Chapra M. Umar. Islam and the Economic Challenge. Herndon: The Islamic Foundation, The International Institute of Islamic Thought, 1992.

Enayat Hamid. Modern Islamic Political Thought. Austin: University of Texas Press, 1982.

Haddad Yvonne Y., ed. The Muslims of America. New York: Oxford University Press, 1991.

Fromkin David. A Peace to End All Peace. Henry Holt and Company, 1989.

Gordon Irving L. Reviewing World History. Amsco School Publications, 1964.

Huntington Samuel P. "The Clash of Civilizations?" in Foreign Affairs, Summer 1993.

Ibn Kathir. The Signs Before the Day of Judgment. London: Dar Al Taqwa Ltd.. 1991.

Khan Mohammad Asghar. Islam, politics and the State: The Pakistan Experience London: Zed Books Ltd., 1985.

Marfat.com

Lewis Bernard. The Political language of Islam. Chicago: The university of Chicago press, 1988.

Lewis Bernard. Islam and the West. Oxford: Oxford University Press, 1993.

McNeill William H. (ed.) and Waldman, M. Robinson (ed.). The Islamic World. Chicago: University of Chicago Press, 1973.

Memon Abdul Fatah. Oil and the Faith. Karachi: Inter Services Press, Ltd., 1967.

Memon Abdul Fatah. Invitation to a New Society. Karachi: Inter Services Press, Ltd., 1968.

Mohammad Imam W. Deen Al-Islam Unity & Leadership. Chicago: The Sense Maker, 1991.

Nielsen Niels C. Jr. et al. Religions of the World. New York: St. Martin's Press, 1988.

Piscatori James P. Islam in a World of Nation-States. Cambridge: Press Syndicate of the University of Cambridge, 1986.

Rashad Adib. Islam, Black Nationalism and Slavery: A Detailed History. Beltsville: Writers' Inc., 1995.

Siddique Kaukab. The Struggle of Muslim Women. Kingsville, Maryland: American Society for Education & Religion, 1986.

Stoessinger John G. Why Nations Go to War. New York: St. Martin's Press, 1982.

The Message Magazine, ed. Commandments by God in the Qur'an. New York: The Message Publications, 1991.

Marfat.com

The World Bank. The Europa World Year Book. 1992 and 1993.

The World Bank. World Development Report. 1993 and 1994.

Thompson Ahmad. Dajjal: The King Who Has No Clothes. London: Taha Publishers, Ltd., 1986.

Toer Pramoedya Ananta. This Earth of Mankind. New York: Avon Books, 1975.

Vatikiotis. P.J. Islam and the State. Beackenham. Kent: Croom Helm Ltd., 1987.

Marfat.com

کچھ مصنف کے بارے میں

علی نواز میمن ۲۸ر ستمبر ۱۹۴۱ء کو صوبہ سندھ (پاکستان) کے شہر شکارپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پاکستان میں شکارپور، لاڑکانہ اور کراچی میں حاصل کی۔ انھوں نے ۱۹۶۴ء میں یونیورسٹی آف ایلینوائز سے الیکٹریکل انجینئرنگ میں بی ایس کی ڈگری اور ۱۹۶۷ء میں یونیورسٹی آف اوریگن سے انٹر نیشنل فنانس میں ایم بی اے (آنرز) کی ڈگری حاصل کی۔ مسٹر میمن ۲۷ سال سے زائد عرصے تک بین الاقوامی سول ملازم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ وہ امریکہ کے علاوہ یورپ، افریقہ، ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کے بہت سے حصوں کا سفر اور وہاں قیام اور خدمات کی انجام دہی کر چکے ہیں۔ وہ اس اعتبار سے خوش نصیب ہیں کہ انھیں مغرب اور مسلم ممالک میں قیام، وہاں لوگوں کے ساتھ کام کرنے اور ان کے نقطۂ نظر سے آگاہی حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ ان کا قیام واشنگٹن ڈی سی (امریکہ) میں ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

ملتِ اسلامیہ

علی نواز میمن

انجمن ترقی اردو پاکستان

Marfat.com